پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادرونایاب رسائل وکتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامتؒ مجدد الملتؒ

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نور اللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیرِ سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور..... دارالعلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر ونایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 98

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمد للہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جارہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

مقالاتِ حکیم الامت ⑨⑧

تاریخ اشاعت.....................ربیع الاوّل ۱۴۴۲ھ

ناشر.....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.....................ساؤتھ پنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان

بائنڈنگ.....................اشرفیہ بک بائنڈنگ....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور	دارالاشاعت.......اُردو بازار.........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.....لاہور	قرآن محل......کمیٹی چوک......راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ.......اُردو بازار .... لاہور	مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ.....امین پور بازار......فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی.....امین پور بازار.....فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ.....قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ...... بہادر آباد......کراچی	مکتبہ عمر فاروق......شاہ فیصل کالونی......کراچی
والی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علمیہ...اکوڑہ خٹک	مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ خود اپنی نظر میں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے تھانہ میں متعینہ ایک پولیس افسر نے بیعت کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں آپ نے انہیں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھا۔

"میں ایک خشک طالب علم ہوں اس زمانہ میں جن چیزوں کو لوازم درویشی سمجھا جاتا ہے جیسے میلاد شریف، گیارہویں، عرس، نیاز، فاتحہ، قوالی وتصرف ومثل ذالک میں ان سب سے محروم ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی اس خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔" میں نہ صاحب کرامت ہوں اور نہ صاحب کشف نہ صاحب تعریف ہوں اور نہ عامل صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا نہ اپنی حالت نہ اپنی کوئی تعلیم۔ نہ امور دینیہ کے متعلق کوئی مشورہ چھپانا چاہتا ہوں۔ عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ البتہ عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ ضرور ہوتا ہوں۔

میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی کی سفارش اس لئے بعض اہل الرائے مجھ کو خشک کہتے ہیں میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں خواہ حرفی ہی اذیت ہو۔ سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے خواہ بدنی ہو جیسے مار پیٹ خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا۔ خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر۔ کسی کی غیبت خواہ نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈالنا یا کوئی ناگوار رنج دہ معاملہ کرنا اور اگر اپنی غلطی سے ایسی بات ہو جائے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

مجھے ان کا اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع خلاف شرع دیکھ کر تو صرف شکایت ہوتی ہے مگر ان امور میں کوتاہی دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اس سے نجات دے یہ ہے کچا چٹھا ورنہ لوگوں نے تو۔

منش کردہ ام رستم داستاں   وگرنہ یلے بود در سیستاں

اِجمالی فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

جزاء الاعمال

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں حکیم الامت رحمہ اللہ نے نیک اعمال کے محاسن وبرکات ذکر فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے دینی ودُنیاوی نقصانات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ اپنے موضوع پر نہایت فکر انگیز اور ظاہر وباطن کی اِصلاح کا ذریعہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جزاءُ الاعمال

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ تَجۡلُبُ النِّعَمَ بِطَاعَتِهٖ وَالنِّقَمِ بِعُصۡبَتِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الۡاَتۡمَانِ الۡاَکۡمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَّبِیِّهِ الَّذِیۡ جَعَلَ الۡعِزَّ لِمَنۡ وَّالَاهُ وَالَّذِیۡ وَالذُّلَّ وَالۡهَوَانُ عَلٰی مَنۡ عَادَاهُ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِی الۡمُنۡشَطِ وَالۡمُکۡرَهِ وَالۡیُسۡرِ وَالۡعُسۡرِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنۡهُم وَوَفَّقَنَا لِلنَّاشِیۡ بِهِمۡ. امّابعد.

یہ ناچیز ناکارہ اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس وقت میں جو حالت ہم لوگوں کی ہے کہ طاعت میں کاہلی وغفلت اور معاصی میں انہماک و جرأت وہ ظاہر ہے، جہاں تک غور کیا گیا اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اعمال حسنہ و سیۂ کی پاداش صرف آخرت میں سمجھتے ہیں، اس کی ہرگز خبر تک نہیں کہ دُنیا میں بھی اس کا کچھ نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور غلبۂ صفاتِ نفس کے سبب دُنیا کی جزا وسزا پر چونکہ وہ سردست واقع ہوجاتی ہے، زیادہ نظر ہوتی ہے۔

پھر عالَم آخرت میں بھی جزا وسزا کے وقوع کو گو عقیدۃً اُن اعمال کا ثمرہ جانتے ہیں مگر واقعی بات یہ ہے کہ جو علاقہ قوی مؤثر و اثر میں اور سبب و مسبب میں سمجھنا چاہیے اور اسباب و مسببات دنیویہ میں سمجھتے ہیں، وہ علاقہ اس قوت کے ساتھ اعمال اور ان کے ثمرات آخرت میں ہرگز نہیں سمجھتے بلکہ قریب قریب اس طرح کا خیال ہے

کہ گویا اس عالم کے واقعات کا ایک مستقل سلسلہ ہے جس کو چاہیں گے پکڑ کر سزا دے دیں گے جس کو چاہیں گے خوش ہو کر نعمتوں سے مالا مال کر دیں گے۔ اعمال کو گویا اس میں کچھ دخل (کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اعمال کا دخل نہ ہوتا تو صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص عمل کے زور سے جنت میں نہ جاوے گا۔ انتہی۔ دفعیہ اس شبہ کا یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کو بالکل دخل ہی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عمل پر مغرور ہو کر نہ بیٹھ جاوے۔ جز واخیر علت تامہ کا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

بس گویا یہ فضل بھی اعمال نیک سے نصیب ہوتا ہے، سو عمل ہی علت تامہ کا ایک جزو ٹھہرا۔ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ٥) ہی نہیں ہے حالانکہ یہ خیال بے شمار آیات واحادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

چنانچہ عنقریب تفصیلاً معلوم ہوتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے اس مرض کے دفع کرنے کے لیے دو امر ضروری خیال میں آئے۔

اوّل: کتاب وسنت وملفوظاتِ محققین سے یہ دِکھلا دیا جائے کہ جیسے آخرت میں اعمال پر جزا وسزا واقع ہوگی۔ ایسے دُنیا میں بھی بعض آثار اُن کے واقع ہوئے ہیں۔

دوسرے: یہ ثابت کر دیا جائے کہ اعمال میں اور ثمراتِ آخرت میں ایسا قوی علاقہ ہے جیسا آگ جلانے میں اور کھانا پکانے میں یا کھانا کھانے میں اور شکم سیر ہو جانے میں یا پانی چھڑکنے میں اور آگ کے بجھ جانے میں ان دونوں امروں کے ثبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید قوی ہے کہ سرِ دست جزا اور سزا ہو جانے کے یقین سے اور اسی طرح کارخانۂ دُنیا پر کارخانۂ آخرت کے مرتب ہونے کے غلبۂ اعتقاد سے طاعات میں رغبت اور معاصی سے نفرت پیدا ہو جانا سہل ہے۔ آئندہ توفیق وامداد حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اسی غرض کی تکمیل کے واسطے یہ رسالہ مختصر سلیس اُردو میں جمع کیا جاتا ہے۔ جزاء الاعمال اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ مضامین

مذکور کے لحاظ سے رسالہ ہذا ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر وضع کیا گیا۔

مقدمہ: اس امر کے اجمالی بیان میں کہ اعمال کو جزا اور سزا میں دخل ہے؟

باب اوّل: اس بیان میں کہ گناہ کرنے سے دُنیا کا کیا نقصان ہے؟

باب دوسرا: اس بیان میں کہ طاعت وعبادت کرنے سے دُنیا کا کیا نفع ہے؟

باب تیسرا: اس بیان میں کہ گناہ میں اور سزائے آخرت میں کیسا قوی تعلق ہے؟

باب چوتھا: اس بیان میں کہ طاعت کو جزائے آخرت میں کیسا کچھ دخل وتاثیر ہے؟

خاتمہ

بعض مخصوص اعمال حسنہ یا سیۂ کے بیان میں جس کے کرنے یا نہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اور بعض شبہات کے جواب میں جو اکثر عوام کے لیے بے باکی کا باعث ہو گئے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی تکمیل فرمائے اور اس کو ذریعہ ہدایت ورُشد کا بنا دے اور جو خطا ظاہری یا باطنی مجھ سے سرزد ہو جاوے اس کو معاف فرما دے۔

"امین والآن نشرع وبہٖ نستعین" محمد اشرف علی

مقدمہ

اس امر کے اجمالی بیان میں کہ اعمال سبب ہیں جزا و سزا کے، قرآن مجید میں مختلف عنوانات سے یہ امر مذکور ہوا ہے کہیں تو عمل کو شرط اور ثمرہ کو جزا قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

"فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّانُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ط"

یعنی جب ان لوگوں نے سرکشی اختیار کی اس چیز سے کہ بیشک وہ اس سے منع کیے گئے تھے، سو ہم نے ان سے کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ سرکشی کے سبب سے یہ سزا ملی اور ارشاد ہے:

"فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ط"

یعنی جب انہوں نے ہم کو ناخوش کیا ہم نے ان سے بدلہ لیا، صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناخوش کرنا سبب ہوا انتقام کا اور ارشاد ہے:

"اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عنكم سَيِّاٰتِكُمْ ط"

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے فیصلہ کر دیں اور دُور کر دیں تم سے تمہاری برائیاں اور ارشاد ہے:

"لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ط"

یعنی اگر وہ لوگ مستقیم رہتے راہ پر البتہ پینے کو دیتے ہم ان کو پانی بکثرت اور ارشاد ہے:

"فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ط"

یعنی اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے

بھائی ہیں، دین میں اور کہیں باء سببیہ لائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

"ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ ط"

یعنی یہ سزا بسبب ان اعمال کے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور ارشاد ہے:

"بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ط"

یعنی یہ جزا بسبب اس کام کے جس کو تم کرتے تھے اور ارشاد ہے:

"ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا ط"

یعنی یہ بسبب اس کے ہے کہ انہوں نے انکار کر دیا ہماری نشانیوں کا اور کہیں قائے سببیہ لائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّھِمْ فَاَخَذَھُمْ"

یعنی انہوں نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کے رسول کی پس پکڑ لیا ان کو اور ارشاد ہے:

"فَکَذَّبُوْ ھُمَا فَکَانُوْا مِنَ الْمُھْلَکِیْنَ ط"

یعنی ان لوگوں نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تکذیب کی۔ پس ہوئے ہلاک کیے ہوؤں سے، کہیں کلمۂ لولا وارد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ط"

یعنی اگر یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتے تو ٹھہرے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح کی بدولت اس قید سے رہائی ہوئی۔ کہیں لفظ "لَوْ" آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِہٖ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ط"

یعنی اگر وہ لوگ کرتے اس کام کو جس کی وہ نصیحت کیے جاتے ہیں تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ تمام آیتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ اعمال اور جزاء میں ضرور علاقہ ہے۔

محمد اشرف علی

باب اوّل

اس بیان میں کہ گناہ کرنے سے دُنیا کا کیا نقصان ہے۔ یوں تو یہ مضرتیں اس کثرت سے ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا مگر اس مقام پر اولاً کچھ آیات واحادیث سے اجمالاً بعض آثار بتلاتے ہیں، اس کے بعد کسی قدر تفصیل وترتیب سے لکھیں گے۔

قرآن مجید میں جو نافرمانوں کے جابجا قصے اور اس کے ساتھ ان کی سزائیں مذکور ہیں، کس کو معلوم نہیں وہ کیا چیز ہے جس نے ابلیس کو آسمان سے نکال کر زمین پر پھینکا، یہی نافرمانی ہے جس کی بدولت وہ ملعون ہوا، صورت بگاڑ دی گئی، باطن تباہ ہوگیا، بجائے رحمت کے لعنت نصیب ہوئی، قُرب کے عوض بُعد حصہ میں آیا، تسبیح وتقدیس کی جگہ کفرو شرک، جھوٹ، فحش انعام ملا۔ وہ کیا چیز ہے جس نے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تمام اہل زمین کو طوفان میں غرق کردیا؟ وہ کون چیز ہے کہ جس سے ہوائے تند کو قوم عاد پر مسلط کیا گیا؟ یہاں تک کہ زمین پر پٹک پٹک کر مارے گئے۔

وہ کون چیز ہے جس سے قوم ثمود پر چیخ آئی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور بتمامہم ہلاک ہوگئے؟ وہ کون چیز ہے جس سے قومِ لوط علیہ السلام کی بستیاں آسمان تک لے جا کر اُلٹی گرائی گئیں اور اوپر سے پتھر برسائے گئے؟ وہ کون چیز ہے جس سے قوم شعیب علیہ السلام پر بشکل سائبان اَبر کے عذاب آیا اور اس سے آگ برسی؟

وہ کون چیز ہے جس سے قومِ فرعون بحر قلزم میں غرق کی گئی؟ وہ کون چیز ہے جس سے قارون زمین میں دھنسایا گیا اور پیچھے سے گھر اور اسباب اس کے ہمراہ ہوا؟ وہ کون چیز ہے جس نے ایک بار بنی اسرائیل پر ایسی قوم کو مسلط کیا کہ جو سخت لڑائی والی تھی اور وہ

ان کے گھروں کے اندر گھس گئے؟ اور ان کو زیر و زبر کر ڈالا اور پھر دوسری بار ان کے مخالفین کو ان پر غالب کیا جس سے ان کا پھر بنا بنایا کارخانہ تباہ و برباد ہوا اور وہ کون چیز ہے جس نے انہیں بنی اسرائیل کو طرح طرح کی مصیبت و بلا میں گرفتار کیا، کبھی قتل ہوئے کبھی قید کبھی ان کے گھر اُجاڑے گئے، کبھی ظالم بادشاہ ان پر مسلط ہوئے، کبھی وہ جلا وطن کیے گئے، وہ چیز جس کے یہ آثار ظاہر ہوئے، اگر نافرمانی نہیں تھی تو پھر کیا تھا؟ ان قصوں کو جا بجا ذکر فرمایا گیا اور نہایت مختصر الفاظ میں اس کی وجہ ارشاد ہوئی:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ط"

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ اُن پر ظلم کرتے لیکن وہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ دیکھئے! ان لوگوں نے اسی گناہ کی بدولت دُنیا میں کیا خرابیاں بھگتیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب قبرص فتح ہوا جبیر بن نضیر رضی اللہ عنہ نے ابودرداء کو دیکھا کہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے عرض کیا کہ اے ابودردا! ایسے مبارک دن میں رونا کیسا، جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ اے جبیر رضی اللہ عنہ! افسوس ہے تم نہیں سمجھتے جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دیتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسی ذلیل و بے قدر ہو جاتی ہے۔

دیکھو کہاں تو یہ قوم برسرِ حکومت تھی، خدا کا حکم چھوڑنا تھا اور ذلیل و خوار ہونا جس کو تم اس وقت ملاحظہ کر رہے ہو اور مسند میں ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمَ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ" یعنی بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے۔ رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔

ابن ماجہ میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمانے لگے کہ پانچ چیزیں ہیں۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ، جب کسی

قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہوں گے اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاوے گا بارانِ رحمت ان سے اگر بہائم نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرمادے گا اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو غیر قوم سے بجبر لے لیں گے ان کے اموال کو۔

ابن ابی الدنیا روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سبب زلزلہ کا دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا جب لوگ زنا کو امر مباح کی طرح بے باکی سے کرنے لگتے ہیں اور شرابیں پیتے ہیں اور معازف بجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو آسمان میں غیرت آتی ہے زمین کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ہلا ڈال اور عمر بن عبدالعزیز نے جابجا شہر میں حکم نامے بھیجے جن کا مضمون یہ ہے بعد حمد وصلوٰۃ کے مدعا یہ ہے کہ یہ زلزلہ زمین کا علامت عتاب الٰہی ہے۔ میں نے تمام شہروں میں لکھ بھیجا ہے کہ فلاں تاریخ فلاں مہینے میں میدان میں نکلیں یعنی دُعا وتضرع کے لیے اور جس کے پاس کچھ روپیہ پیسہ بھی ہو وہ خیرات بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ط وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى"

اور کہو کہ جس طرح آدم علیہ السلام نے کہا تھا:

"رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ط"

اور جس طرح نوح علیہ السلام نے کہا تھا:

"وَاِنْ لَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ط"

اور جس طرح یونس علیہ السلام نے کہا تھا:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ط"

ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

جب اللہ عز وجل بندوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کتب حکمت میں پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں بادشاہوں کا مالک ہوں، ان کا دل میرے ہاتھ میں ہے۔ بس جو شخص میری اطاعت کرتا ہے میں ان بادشاہوں کا دل اس پر مہربان کر دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے میں انہیں بادشاہوں کو اس شخص پر عقوبت مقرر کرتا ہوں تم بادشاہوں کو برا کہنے میں مشغول مت ہو، میری طرف رجوع کرو، میں ان کو تم پر نرم کر دوں گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے وہب سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی، غضب ناک ہوتا ہوں، لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک رہتا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے وکیع رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بے حکمی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود بخود ہجو کرنے لگتا ہے اور بہت احادیث و آثار میں مضرتیں گناہ کی جو دُنیا میں پیش آتی ہیں مذکور ہیں۔ اب بعض نقصانات تفصیل و ترتیب سے مرقوم ہوتے ہیں، آسانی کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے لیے فصلیں مقرر کی جادیں۔

فصل نمبر ۱: ایک اثر معاصی کا یہ ہے کہ آدمی علم سے محروم رہتا ہے کیونکہ علم ایک باطنی نور ہے اور معصیت سے نور باطن بجھ جاتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو وصیت فرمائی تھی ''اِنِّیْ اَرَی اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَلْقٰی عَلٰی قَلْبِکَ نُوْرًا فَلَا تُطْفِئْہُ بِظُلْمَۃِ الْمَعْصِیَۃِ'' یعنی میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلب میں ایک نور ڈالا ہے، سو تم اس کو تاریکیٔ معصیت سے مت بجھا دینا۔

فصل نمبر ۲: ایک نقصان گناہ کا دُنیا میں یہ ہے کہ رزق کم ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کی حدیث اُوپر آ چکی ہے۔

فصل نمبر ۳: ایک نقصان یہ ہے کہ عاصی کو خدائے تعالیٰ سے ایک وحشت سی رہتی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ذرا بھی ذوق ہو تو سمجھ سکتا ہے کسی شخص نے ایک عارف سے وحشت کی شکایت کی۔ اُنہوں نے فرمایا:

اِذَا کُنْتَ قَدْ وَحْشَتکَ الذُّنُوْبُ فَدَعْ اِذَا شِئْتَ وَاسْتَأْنِسْ

(یعنی جب وحشت میں ڈالے تجھ کو گناہ سو تجھ کو جب رفع وحشت منظور ہو گناہ کو چھوڑ اور اُنس حاصل کر لے۔ ۱۲ منہ)

فصل نمبر ۴: ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت کرنے سے آدمیوں سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے خصوص نیک لوگوں سے کہ ان کے پاس بیٹھ کر دل نہیں لگتا اور جس قدر وحشت بڑھتی جاتی ہے ان سے دُوری اور ان کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ مجھ سے کبھی معصیت سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا اثر اپنی بی بی اور جانور کے اخلاق میں پاتا ہوں کہ وہ پوری طرح مطیع نہیں رہتے۔

فصل نمبر ۵: ایک نقصان یہ ہے کہ عاصی کو اکثر کارروائیوں میں دُشواری پیش آتی ہے جیسے تقویٰ کرنے سے کامیابی کی راہیں نکل آتی ہیں، ایسے ہی ترک تقویٰ سے کامیابی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔

فصل نمبر ۶: ایک نقصان یہ ہے کہ قلب میں ایک تاریکی سی معلوم ہوتی ہے۔ ذرا بھی دل میں غور کیا جاوے تو یہ ظلمت صاف محسوس ہوتی ہے اس ظلمت کی قوت سے ایک حیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے بدعت وضلالت و جہالت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس ظلمت کا اثر قلب سے آنکھ میں آتا ہے اور پھر چہرہ پر ہر شخص کو یہ سیاہی نظر آنے لگتی ہے، فاسق کیسا ہی حسین وجمیل ہو مگر اس کے چہرے پر ایک بے رونقی کی کیفیت ضرور ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

کہ نیکی کرنے سے چہرہ پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت، لوگوں کے قلوب میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بدی کرنے سے چہرہ پر بے رونقی، قبر اور قلب میں ظلمت، بدن میں سستی، رزق میں تنگی، لوگوں کے دل میں بغض ہوتا ہے۔

فصل نمبر ۷: ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت سے دل اور جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، دل کی کمزوری تو ظاہر ہے کہ اُمورِ خیر کی ہمت گھٹتے بالکل نابود ہو جاتی ہے، رہ گئی جسم کی کمزوری سو جسم تو قلب کے تابع ہے جب یہ کمزور ہے تو وہ بھی ضعیف ہوگا، دیکھو تو کفار فارس و روم کیسے قوی الجثہ تھے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔

فصل نمبر ۸: ایک نقصان یہ ہے کہ آدمی طاعت سے محروم ہو جاتا ہے آج ایک طاعت گئی کل دوسری چھوٹ گئی، پرسوں تیسری رہ گئی، یوں ہی سلسلہ وار تمام نیک کام بدولت گناہ کے اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں جیسے کسی نے ایک لقمہ لذیذ ایسا کھایا جس سے ایسا مرض پیدا ہو گیا کہ ہزاروں لذیذ کھانوں سے محروم کر دیا۔

فصل نمبر ۹: ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت سے عمر گھٹتی ہے اور اس کی برکت ٹلتی ہے کیونکہ (بر) نیکی سے عمر بڑھ جانا حدیث صحیح سے ثابت ہے تو فجور سے گھٹنا اسی سے سمجھ لیجئے اور یہ شبہ نہایت ضعیف ہے کہ عمر تو مقدر ہے وہ کیسے گھٹ بڑھ سکتی ہے کیونکہ عمر کی کیا تخصیص ہے، یہ سب چیزیں مقدر ہی ہیں امیری اور غریبی، صحت و مرض سب میں یہی شبہ ہو سکتا ہے مگر پھر بھی ان اُمور کو اسباب کے ساتھ مربوط سمجھ کر تدبیر کا استعمال کیا جاتا ہے یہی حال عمر کا سمجھ لینا چاہیے۔

فصل نمبر ۱۰: ایک نقصان یہ ہے کہ ایک معصیت دوسری معصیت کا سبب ہو جاتی ہے۔ وہ تیسری کا، اسی طرح شدہ شدہ معاصی کی کثرت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ عاصی گناہوں میں گھر جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کرتے کرتے اس کی عادت ہو جاتی ہے کہ چھوڑنا دُشوار ہوتا ہے۔ پھر اس کو اسی ضرورت سے کرتا ہے کہ نہ کرنے سے

تکالیف ہوتی ہے اور پھر اس کبخت میں لطف ولذت بھی نہیں رہتی۔

فصل نمبر ۱۱: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے ارادہ توبہ کا کمزور ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، اسی حالت میں موت آ جاتی ہے۔

فصل نمبر ۱۲: ایک نقصان یہ ہے کہ چند روز میں اس معصیت کی برائی دِل سے نکل جاتی ہے اس کو برا نہیں سمجھتا نہ اس بات کی پرواہ ہوتی ہے کہ کوئی دیکھ لے گا بلکہ خود تفاخراً اس کا ذکر کرتا ہے۔ ایسا شخص معافی سے دور ہوتا جاتا ہے۔

جیسا ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "**کل امتی معافی الا المجاھرین و ان من الاجھار ان یستراللّٰہ علی العبد ثم یصبح یفضح نفسه و یقول یا فلان عملت یوم کذا و کذا و کذا فھتک نفسه وقد بات یستره ربّه**" خلاصہ مطلب کا یہ ہے کہ سب کے لیے معافی کی اُمید ہے مگر جو لوگ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کھلم کھلا ہی کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ستاری فرمائی تھی مگر صبح کو خود اپنے کو فضیحت کرنا شروع کیا کہ میاں فلانے ہم نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا۔ خود اپنی پردہ دری کی حالانکہ خدا تعالیٰ نے چھپالیا تھا اور کبھی گناہ کی برائی کم ہوتے ہوتے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی واسطے بزرگ کا قول ہے کہ تم تو گناہوں سے ڈرتے ہو اور مجھے کفر کا خوف ہے۔

فصل نمبر ۱۳: ایک نقصان یہ ہے کہ ہر معصیت دشمنانِ خدا میں سے کسی کی میراث ہے تو گویا یہ شخص ان ملعونوں کا وارث بنتا ہے۔ مثلاً لواطت قومِ لوط علیہ السلام کی میراث ہے، کم ناپنا، کم تولنا قوم شعیب علیہ السلام کی میراث ہے، غلو وفساد فرعون اور اس کی قوم کی میراث ہے، تکبر و تجبر قوم ہود علیہ السلام کی تو یہ عاصی ان لوگوں کی وضع و ہیئت بنائے ہوئے ہے۔ مسند احمد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" یعنی جو شخص کسی قوم کی وضع بنائے وہ انہیں میں شمار ہے۔

فصل نمبر ۱۴: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص بے قدر وخوار ہو جاتا ہے اور جب خالق کے نزدیک خوار و ذلیل ہو گیا، مخلوق میں بھی اس کی عزت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط" یعنی

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت بہر درکہ شد ہیچ عزت نیافت

(اگر چہ لوگ بخوف اس کے ظلم وشرارت کے اس کی تعظیم کرتے ہوں مگر کسی کے دل میں عظمت نہیں رہتی۔)

فصل نمبر ۱۵: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کی نحوست جیسے اس شخص کو پہنچتی ہے۔ اسی طرح کا ضرر دوسری مخلوقات کو بھی پہنچتا ہے وہ سب اس پر لعنت کرتے ہیں، گناہ کی سزا تو الگ ہوگی یہ لعنت اس پر طرہ ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بہائم نافرمانی کرنے والے آدمیوں پر لعنت کرتے ہیں جبکہ قحط سخت ہوتا ہے اور بارش رُک جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ابن آدم کے گناہ کی نحوست سے ہے۔

فصل نمبر ۱۶: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے عقل میں فتور سا آ جاتا ہے کیونکہ عقل ایک نورانی چیز ہے کدورت ومعصیت سے اس میں کمی آ جاتی ہے بلکہ خود گناہ کرنا دلیل کم عقلی کی ہے اگر اس شخص کی عقل ٹھکانے ہوتی تو ایسی حالت میں کہیں گناہ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص خدا کی قدرت میں ہے ان کے ملک میں رہتا ہے اور وہ دیکھ بھی رہے ہیں ان کے فرشتے گواہ بن رہے ہیں۔ قرآن مجید منع کر رہا ہے، ایمان منع کر رہا ہے، موت منع کر رہی ہے، دوزخ منع کر رہی ہے، گناہ کرنے سے اس قدر سرور لذت نصیب نہ ہوگا جس قدر دُنیا اور آخرت کے منافع اس سے فوت ہو گئے، بھلا کوئی سلیم عقل والا ان باتوں کے ہوتے ہوئے گناہ کر سکتا ہے۔

فصل نمبر ۱۷: ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت

سے گناہوں پر لعنت فرمائی ہے اور جو گناہ ان گناہوں سے بڑھ کر ہیں ان پر تو بدرجۂ اولیٰ استحقاق لعنت ہے۔ مثلاً لعنت فرمائی ہے آپ نے اس عورت پر جو گودے اور گودوائے اور جو غیر کے بال اپنے بالوں میں ملا کر دراز کرے اور جو دوسرے سے یہ کام لے اور لعنت فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر اور دینے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہ پر اور لعنت فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ ہو یعنی جب نکاح میں اس کو شرط ٹھہرایا جائے اور لعنت فرمائی ہے چور پر اور لعنت فرمائی ہے شراب پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور نچڑوانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور اس کے دام کھانے والے پر اور جو اس کو لاد کر لائے اور جس کے لیے لاد کر لائی جاوے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو اپنے باپ کو برا کہے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو جاندار چیز کو نشانہ بنادے۔

اور لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو دین میں کوئی نئی بات نکالے یا ایسے شخص کو پناہ دے اور لعنت فرمائی ہے تصویر بنانے والے پر اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو قوم لوط کا سا عمل کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو کسی جانور سے صحبت کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو جانور کے چہرہ پر داغ لگائے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ فریب کرے اور لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاویں اور ان لوگوں پر جو وہاں پر سجدہ کریں یا چراغ رکھیں اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی عورت کے پیچھے کے مقام میں صحبت کرے۔

اور ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے خاوند سے خفا ہو کر رات کو الگ رہے صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو اپنے باپ کو چھوڑ کر

کسی اور سے نسب ملا دے اور فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی طرف لوہے سے اشارہ کرے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہے اور لعنت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جو زمین میں فساد مچادے اور قطع رحم کرے اور اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو کہ احکام خداوندی کو چھپادے اور لعنت فرمائی ہے ان لوگوں پر جو پارسا بیبیوں کو جن کو قصوں کی خبر تک نہیں اور ایماندار ہیں زنا کی تہمت لگادیں اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھیک راہ پر بتادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو رشوت دے اور جو لے اور جو درمیان میں پڑے اور بہت افعال پر لعنت وارد ہوئی ہے اگر گناہ میں اور بھی کوئی ضرر نہ ہوتا تو یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مورد ہوگیا۔ (نعوذ باللہ)

فصل نمبر ۱۸: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے فرشتوں کی دُعاء سے محروم ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ط

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرد و پیش ہیں، وہ تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت مانگتے ہیں کہ یا اللہ! آپ کی رحمت اور علم بہت وسیع ہے ایسے لوگوں کو بخش دیجئے جو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ کی راہ کی پیروی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو عذاب جہنم سے بچالیجئے۔ دیکھئے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ فرشتے ان مؤمنوں کے لیے دُعائے مغفرت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ

چلتے ہیں جس حالت میں گناہ کر کے وہ راہ چھوڑ دی اس دولت کا کہاں مستحق رہا۔

فصل نمبر ۱۹: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے طرح طرح کی خرابیاں زمین میں پیدا ہوتی ہیں۔ پانی، ہوا، غلہ، پھل ناقص ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ط'' یعنی ظاہر ہو گیا بگاڑ جنگل اور بستی میں بسبب ان اعمال کے جن کو لوگوں کے ہاتھ کر رہے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا ہے کہ میں نے بنی اُمیہ کے کسی خزانہ میں گیہوں کا دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر دیکھا۔

ایک تھیلی میں تھا اور اس پر یہ لکھا تھا کہ یہ زمانہ عدل میں پیدا ہوتا تھا اور بعض صحرائی لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے زمانے کے پھل اس وقت کے پھلوں سے بڑے ہوتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آوے گا چونکہ اس وقت طاعت کی کثرت ہوگی اور زمین گناہوں سے پاک ہو جاوے گی پھر اس کی برکتیں عود کر آویں گی یہاں تک کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک انار بڑی جماعت کو کافی ہوگا اور وہ اس کے سایہ میں بیٹھ سکے گی۔ انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک اونٹ پر بار ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روز روز کی بے برکتی ہماری خطا اور گناہ کا ثمرہ ہے۔

فصل نمبر ۲۰: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے حیا و غیرت جاتی رہتی ہے اور جب شرم نہیں رہتی تو یہ شخص جو کچھ کر گزرے تھوڑا ہے اس شخص کا کچھ اعتبار نہیں۔

فصل نمبر ۲۱: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ بھلا اگر خداوندی عظمت اس کے دل میں ہوتی تو مخالفت پر قدرت ہو سکتی۔ جب اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی عزت نہیں رہتی۔ پھر یہ شخص اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

فصل نمبر ۲۲: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ہجوم (کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم تو گناہ کرنے والوں کو

بڑے عیش میں دیکھتے ہیں کیونکہ یہ استدراج ہے اس کا اور بھی زیادہ خطرہ ہے جیسے مکتب میں کوئی لڑکا سبق نہ یاد کرتا ہو اور معلم ضداً سزا نہیں دیتا کہ کل کو سبق نہ یاد نکلے اس وقت اکٹھی سزا ہو۔۱۲ منہ) ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ نہیں نازل ہوئی کوئی بلا مگر بسبب گناہ کے اور نہیں دُور ہوئی کوئی بلا مگر بسبب توبہ کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْر“

یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور ارشاد ہے:

”ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا
عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط“

یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے ذاتی حالات کو بدل ڈالیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زوالِ نعمت گناہ ہی سے ہوتا ہے۔

فصل نمبر ۲۳: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے مدح و شرف کے القاب سلب ہو کر مذمت اور ذلت کے خطاب ملتے ہیں۔ مثلاً نیک کام کرنے سے یہ القاب عطا ہوئے تھے۔ مومن، بر، مطیع، منیب، ولی، ورع، مصلح، عابد، خائف، اواب، طیب، رضی، تائب، حامد، راکع، ساجد، مسلم، قانت، صادق، صابر، خاشع، متصدق، صائم، عفیف، ذاکر ونحوذالک۔ جب برا کام کیا یہ خطابات ملے۔ فاجر، فاسق، عاصی، مخالف، مسی، مفسدہ، خبیث، مسخوط، زانی، سارق، قاتل، کاذب، خائن، لوطی، قاطع رحم، متکبر، ظالم، ملعون، جاہل وغیرذالک۔

فصل نمبر ۲۴: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے شیاطین اس پر مسلط ہو جاتے ہیں کیونکہ طاعت ایک خداوندی قلعہ ہے جس کے سبب اعداء کے غلبہ سے

محفوظ رہتا ہے۔ جب قلعہ سے باہر نکلا دشمنوں نے گھیر لیا، پھر وہ شیاطین جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں اور اس کے قلب وزبان دست و پا، چشم و گوش سب اعضاء کو معاصی میں غرق کر دیتے ہیں۔

فصل نمبر ۲۵: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے قلب کا اطمینان جاتا رہتا ہے۔ کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے، ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے کہیں عزت میں فرق نہ آ جاوے کوئی بدلہ نہ لینے لگے، میرے نزدیک معیشت ضنک بمعنی تنگ روزی کے ہیں۔

فصل نمبر ۲۶: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے وہی دل میں بس جاتا ہے یہاں تک کہ مرتے وقت کلمہ تک منہ سے نہیں نکلتا بلکہ جو افعال حالت حیات میں غالب تھے وہی اس وقت بھی سرزد ہوتے ہیں، ایک تاجر اپنے عزیز کی حکایت بیان کرتا ہے کہ مرتے وقت اس کو کلمہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ یہ بک رہا تھا کہ یہ کپڑا بڑا نفیس ہے، یہ خریدار بہت خوش معاملہ ہے، آخر اسی حالت میں مر گیا، کسی سائل کی حکایت ہے کہ مرتے وقت کہتا تھا اللہ کے واسطے ایک پیسہ اللہ کے واسطے ایک پیسہ اسی میں تمام ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص کو نزع کے وقت کلمہ پڑھانے لگے، کہنے لگا آہ آہ میرے منہ سے نہیں نکلتا اور بہت سے حالات ہیں اس وقت کے ہم کو معلوم بھی نہیں ہوتے، خدا جانے اور کیا گزرتی ہوگی خدا کی پناہ۔

فصل نمبر ۲۷: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمیدی ہو جاتی ہے اس وجہ سے توبہ نہیں کرتا اور بے توبہ مرتا ہے، کسی شخص سے مرتے وقت کہا گیا کہہ لا الٰہ الا اللہ، اس نے گانا شروع کیا تا تا تن تنا اور کہنے لگا کہ جو کلمہ مجھ سے پڑھواتے ہو اس سے مجھ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کوئی گناہ تو میں نے چھوڑا نہیں۔ آخر کلمہ نہ پڑھا اور رُخصت ہوا، کسی اور شخص سے کلمہ پڑھوانے لگے، بولا اس کلمہ سے کیا ہوگا؟ میں نے کبھی نماز تک تو پڑھی نہیں وہ بھی یونہی مرا، کسی اور شخص سے

کلمہ پڑھنے کو کہا، کہنے لگا میں تو اس کلمہ کا منکر ہوں اور چل دیا۔ ایک شخص نے یہ بیان کیا کہ کوئی میری زبان پکڑ لیتا ہے۔ "اَللّٰهُمَّ احْفِظْنَا"

رجوع بہ مقصود

یہ چند مضرتیں دنیوی ہیں جو گناہ کرنے سے لاحق ہوتی ہیں اور علاوہ ان کے بہت سے ضرر ظاہری و باطنی ہیں جو قرآن و حدیث میں غور کرنے سے اور خود دل میں سوچنے سے بہت جلد سمجھ میں آ سکتے ہیں اور آخرت میں جو مضرتیں ہیں وہ الگ رہیں جو عنقریب مختصراً مذکور ہوں گی۔

ان شاء اللہ تعالیٰ عاقل ہرگز پسند نہیں کرسکتا کہ ذرا سی اشتہائے کاذب کے لیے اتنا بڑا پہاڑ مصائب اور کلفتوں کا اپنے سر پر لے، روزانہ معاملات میں جس چیز میں مفاسد اور مضرتیں غالب ہوتی ہیں، آدمی اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔ یہی برتاؤ معاصی کے ساتھ کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین آمین آمین

دوسرا باب

اس بیان میں کہ طاعت و عبادت و اعمال صالحہ سے دُنیا کا کیا نفع ہے۔ علاوہ ان منافع کے جو ضمناً یا التزاماً اوپر مذکور و مفہوم ہو چکے، اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱: اس بیان میں کہ طاعت سے رزق بڑھتا ہے:

"قال اللّٰہ تعالیٰ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر وہ لوگ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو اب نازل کی گئی ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے یعنی قرآن۔ مراد یہ ہے کہ ان پر پورا پورا عمل رکھتے تورات و انجیل پر عمل کرنا یہی ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب عہد تورات و انجیل کے ایمان لاتے اور آپ کا اتباع کرتے، اگر ایسا کرتے تو البتہ کھاتے وہ لوگ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے اُوپر سے کھانا یہ کہ بارش ہوتی اور نیچے سے یہ کہ غلہ اُگتا۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا احکام الٰہی پر عمل کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔

فصل نمبر ۲: اس بیان میں کہ طاعت سے طرح طرح کی برکت ہوتی ہے۔

"قال اللّٰہ تعالیٰ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ط"

یعنی وہ لوگ اگر ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے، البتہ کھول دیتے ہم ان پر طرح طرح کی برکتیں آسمان سے اور زمین سے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا

پس پکڑ لیا ہم نے ان کو بسبب ان اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

یہ آیت مدعائے مذکور میں بالکل صریح الدلالت ہے۔

فصل نمبر ۳: اس بیان میں کہ طاعت کرنے سے ہر قسم کی تکلیف و پریشانی دُور ہوتی ہے: "قال اللّٰہ تعالیٰ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے نکلنے کی راہ، یعنی ہر قسم کی دُشواری و تنگی سے اس کو نجات ملتی ہے اور رزق عنایت فرماتے ہیں، اس کو ایسی جگہ سے کہ وہ گمان بھی نہیں کرتا اور جو بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر وہ اس کو کافی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بابرکت تقویٰ ہر قسم کی دُشواری سے نجات ہوتی ہے۔

فصل نمبر ۴: اس بیان میں کہ طاعت سے مقاصد میں آسانی ہوتی ہے۔

"قال اللّٰہ تعالیٰ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ط"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، کر دیتے ہیں اس کے لیے اس کام میں آسانی، مطلب مذکور پر صاف دلالت موجود ہے۔

فصل نمبر ۵: اس بیان میں کہ طاعت سے زندگانی مزیدار ہو جاتی ہے۔

"قال اللّٰہ تعالیٰ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی
وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ط"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص عمل کرتا ہے نیک خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان والا ہو پس البتہ زندگانی دیں گے ہم ان کو زندگی ستھری یعنی بالطف ولذت، فی الواقع کھلی آنکھوں یہ بات نظر آتی ہے کہ ایسے لوگوں کا سالطف وراحت بادشاہوں کو بھی میسر نہیں۔

فصل نمبر ۶: اس بیان میں کہ طاعت سے بارش ہوتی ہے، مال بڑھتا ہے، اولاد ہوتی ہے، باغ پھلتا ہے، نہروں کا پانی زیادہ ہوتا ہے۔

"کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ

مِّدْرَارًا وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا ط"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم گناہ بخشوا لو اپنے رب سے، تحقیق وہ بڑے بخشنے والے ہیں، بھیجیں گے بارش تم پر بہتی ہوئی اور زیادہ کریں گے تمہارے اموال واولاد کو اور مقرر کریں گے تمہارے لیے باغ اور مقرر کریں گے تمہارے لیے نہریں۔

فصل نمبر ۷: اس بیان میں کہ ایمان لانے سے خیر اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔ ہر قسم کی بلا کا ٹل جانا۔ "قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے تحقیق اللہ تعالیٰ دفع کر دیتے ہیں (یعنی تمام آفات وشرور) ان لوگوں سے جو ایمان لائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ان کے لیے حامی ومددگار ہونا "قال اللّٰہ تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اللہ تعالیٰ مددگار ہیں ایمان والوں کے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ ان کے دِلوں کو قوی رکھو۔

"قال اللّٰہ تعالیٰ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس وقت کو یاد کرو جب کہ حکم فرماتے تھے تمہارے پروردگار فرشتوں کو کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ثابت قدم رکھو، ان لوگوں کو جو ایمان لائے، سچی عزت عنایت ہونا۔

"قال اللّٰہ تعالیٰ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ط"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے عزت اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ایمان والوں کے لیے، مراتب بلند ہونا "قال اللّٰہ تعالیٰ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ط" یعنی اللہ تعالیٰ مراتب بلند کریں گے۔ ان لوگوں کے جو ایمان لائے تم میں سے۔ دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جانا "قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے، بہت جلد پیدا کر دیں گے اللہ تعالیٰ ان کی محبت اور ایک حدیث میں بھی یہی مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے

سے محبت فرماتے ہیں، اوّل فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ فلاں شخص سے محبت کرو، پھر دُنیا میں منادی کی جاتی ہے۔ "فَیُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ ط" یعنی مقرر کی جاتی ہے اس کے لیے قبولیت دُنیا میں اس کی قبولیت کا یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ حیوانات و جمادات تک اس کی اطاعت کرنے لگتے ہیں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　که گردن نه پیچد زحکم تو ہیچ

قرآن مجید کا اس کے حق میں شفا ہونا "قال اللّٰه تعالیٰ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت وشفا ہے۔ اسی طرح ایمان سے تمام بھلائیاں اور نعمتیں میسر ہوتی ہیں۔ نصوص فضائل میں تتبع کرنے سے اس دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

فصل نمبر ۸: اس بیان میں کہ طاعت کرنے سے مالی نقصان کا تدارک ہو جاتا ہے اور نعم البدل مل جاتا ہے "قال اللّٰه تعالیٰ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے ان قیدیوں سے جو آپ کے قبضہ میں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان معلوم کریں گے تو جو مال تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عنایت کر دیں گے اور تمہارے گناہ بھی بخش دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

ف: یہ آیت بدر کے قیدیوں کے حق میں اُتری جن سے بطور فدیہ کے کچھ مال لیا گیا تھا۔ ان سے وعدہ ٹھہرا کہ اگر تم سچے دل سے ایمان لاؤ گے تو تم کو پہلے سے بہت زیادہ مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فصل نمبر ۹: اس بیان میں کہ طاعت میں مال خرچ کرنے سے مال بہت بڑھتا ہے۔ "قال اللّٰه تعالیٰ وما اوتیتم من زکٰوة تریدون وجه اللّٰه فاولٰئک هم المضعفونَ ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو کچھ تم زکوٰۃ دیتے ہو جس سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا

مندی چاہتے ہو، پس یہ لوگ دونا کرنے والے ہیں یعنی مال کو دُنیا میں اور اجر کو آخرت میں۔

فصل نمبر ۱۰: اس بیان میں کہ طاعت کرنے سے قلب میں ایک راحت و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جس کی لذت کے روبرو ہفت اقلیم کی راحت سلطنت گرد ہے۔ "قال اللّٰہ تعالٰی الا بذکر اللّٰہ تطمئنّ القلوب ط" فرمایا اللہ تعالٰی نے آگاہ ہو جاؤ اللہ ہی کی یاد سے چین پاتے ہیں دل۔ قال العارف الشیر ازی رحمہ اللہ:

بفراغ دِل زمانے نظرے بماہر وئے　　بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

ایک اور بزرگ نے سنجر بادشاہ ملک نیمروز کو اس کے خط کے جواب میں لکھا تھا:

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد　　دَر دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر جنتی لوگ ایسے حال میں ہیں جس حال میں ہم ہیں تب وہ بڑے مزے دار عیش میں ہیں، دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ افسوس یہ غریب دُنیا دار دُنیا سے رُخصت ہو گئے نہ انہوں نے عیش دیکھا نہ مزہ۔

تیسرے صاحب فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ ہماری لذت سے واقف ہو جاویں تو مارے رشک کے ہم پر تیغ رانی کرنے لگیں، کبھی یہاں تک اس لذت کا غلبہ ہو جاتا ہے کہ اس کو جنت پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ لذت قرب کے رہتے دوزخ میں جانے پر راضی ہو جاتے ہیں اور جو یہ لذت نہیں تو جنت کو ہیچ قرار دیتے ہیں۔ قال العارف رومی رحمہ اللہ:

ہرکجا دلبر بود خرم نشیں　　فوق گردون ست نے قعرز میں

ہرکجا یوسف رُخے باشد چو ماہ　　جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا　　بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ لذت کس غضب کی ہوگی۔

فصل نمبر ۱۲: اس بیان میں کہ طاعت کی برکت سے اس شخص کی اولاد تک کو نفع پہنچتا ہے۔ "قال اللّٰہ تعالٰی فی قصّۃ الخضر علیہ السلام وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ

لِغُلاَمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَکَانَ تَحْتَهُ کَنْزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحاً فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ۚ"

یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے جو وہ دیوار بلا اُجرت درست کردی وہ یتیم بچوں کی تھی جو شہر میں رہتے ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہے اور ان کا باپ بزرگ آدمی تھا۔

پس خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اپنی جوانی پر پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ بوجہ مہربانی کے ہے، تمہارے پروردگار کی طرف سے اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کا حکم خضر علیہ السلام کو اس سبب سے ہوا کہ ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ سبحان اللہ! نیکوکاری کے آثار نسل میں بھی چلتے ہیں۔

آج کل لوگ اولاد کے لیے طرح طرح کے سامان جائیداد روپیہ وغیرہ وغیرہ چھوڑنے کی فکر کرتے ہیں، سب سے زیادہ کام کی جائیداد یہ ہے کہ خود نیک کام کریں کہ اس کی برکت سے اولاد سب بلاؤں سے محفوظ رہے۔

فصل نمبر ۱۳: اس بیان میں کہ طاعت سے زندگانی میں غیبی بشارتیں نصیب ہوتی ہیں۔ "قال اللّٰہ تعالیٰ اَلآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ علیھم ولا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ؕ" فرمایا اللہ تعالیٰ نے آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کچھ ڈر ہے نہ وہ مغموم ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ ان کے لیے خوشخبری ہے زندگانی دُنیا میں اور آخرت میں۔ حدیث شریف میں اس کی تفسیر وارد ہوئی ہے کہ بشریٰ سے مراد اچھا خواب ہے جس سے دل خوش ہو جاوے۔ مثلاً خواب میں دیکھا کہ بہشت میں چلا گیا یا اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوا یا اس طرح کا اور خواب دیکھ لیا جس سے اُمید کو قوت اور قلب کو فرحت ہوگئی۔

فصل نمبر ۱۴: اس بیان میں کہ طاعت سے فرشتے مرتے وقت خوشخبری سناتے ہیں۔

"قال اللّٰه تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنا اللّٰه ثم استقاموا تتنزل علیهم الملٰئکة ان لاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنّة التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیٰوةِ الدُّنیا وفی الاٰخِرةِ ولکم فیها ما تشتهی انفسکم ولکم فیها ما تدّعون نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ط"

(یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارے رب اللہ تعالیٰ ہیں، پھر وہ مستقیم رہے، اُترتے ہیں ان لوگوں پر فرشتے (یعنی وقت مرنے کے جیسا مفسرین نے فرمایا کہ تم نہ خوف کرو نہ غم کرو اور بشارت سنو بہشت کی جس کا تم وعدہ کیے جاتے تھے ہم تمہارے حامی و مددگار ہیں، زندگانی دُنیا میں اور آخرت میں اور بہشت میں وہ چیزیں ہیں جو خواہش کریں گے تمہارے نفس اور تمہارے لیے اس میں وہ چیزیں ہیں جو تم مانگو گے بطور مہمانی کے بخشنے والے مہربان کی طرف سے، دیکھئے اس آیت میں حسب تفسیر محققین مذکور ہے کہ مرتے وقت فرشتے کیا کیا خوشی کی باتیں سناتے ہیں۔

فصل نمبر ۱۵: اس بیان میں کہ بعض طاعات سے حاجت روائی میں مدد ملتی ہے۔ "قال اللّٰه تعالیٰ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط" فرمایا اللہ تعالیٰ نے مدد چاہو یعنی اپنے حوائج میں "کما قاله المفسرون" صبر اور نماز سے، حدیث شریف میں اس استعانت کا ایک خاص طریق وارد ہوا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو کسی قسم کی حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا آدمی سے اس کو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی ثناء کہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھ کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیجے۔ پھر یہ دُعا پڑھے:

"لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ

لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَکَ رِضًی اِلَّا قَضَیْتَهَا یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ط"

فصل نمبر ۱۶: اس بیان میں کہ بعض طاعات کا یہ اثر ہے کہ کسی معاملے میں یہ تردد کہ کیونکر کرنا بہتر ہوگا رفع ہو جاتا ہے اور اسی جانب رائے قائم ہو جاتی ہے جس میں سراسر نفع و خیر ہی ہو، احتمال ضرر بالکل نہیں رہتا۔

گویا اللہ تعالیٰ سے مشورہ مل جاتا ہے۔ امام بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کو کسی کام میں تردد ہو یعنی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کس طرح کرنا بہتر ہوگا۔ مثلاً کسی سفر کی نسبت تردد ہو کہ اس میں نفع ہوگا یا نقصان اسی طرح اور کسی کام میں تردد ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دُعا پڑھو:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ" اور ایک (یہ حدیثیں مشکوٰۃ شریف سے نقل کی گئی ہیں) روایت میں بجائے "فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ" کے یہ الفاظ ہیں "عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ" یہاں بھی وہی دوسری روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی "فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ" (پڑھنے والے کو اختیار ہے جو لفظ چاہے پڑھے یا دل میں سوچ لے) اپنے کام کا نام بھی لیوے یعنی بجائے "هٰذَا الْاَمْرِ" کے کہے مثلاً "هٰذِهِ السَّفَرِ یا هٰذَا النِّکَاحِ" یا مثل اس کے۔

فصل نمبر ۱۷۔ بعض طاعات میں یہ اثر ہے کہ اس سے تمام مہمات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ فرما لیتے ہیں۔ ترمذی رحمہ اللہ نے ابو درداء و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت کی ہے کہ حکایت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم! میرے لیے شروع دن میں چار رکعت پڑھ لیا کر میں ختم دن تک تیرے سارے کام بنادیا کروں گا۔

فصل نمبر ۱۸: بعض طاعات میں یہ اثر ہے کہ مال میں برکت ہوتی ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر سچ بولیں بائع مشتری اور ظاہر کردیں اپنے مال کی حالت، برکت ہوتی ہے، دونوں کے لیے ان کے معاملے میں، اگر پوشیدہ رکھیں اور جھوٹ بولیں محو ہوجاتی ہے برکت دونوں کے لیے معاملہ کی، روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔

فصل نمبر ۱۹: دینداری سے بادشاہی باقی رہتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ یہ امر خلافت وسلطنت ہمیشہ قریش میں رہے گا، جو شخص ان سے مخالفت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرادے گا جب تک کہ وہ لوگ دین کو قائم رکھیں۔

فصل نمبر ۲۰: بعض طاعاتِ مالیہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بجھتا ہے اور بری حالت پر موت نہیں آتی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ بجھاتا ہے پروردگار کے غصہ کو اور دفع کرتا ہے بری موت کو یعنی جس میں خواری وفضیحتی ہو یا خاتمہ برا ہو۔ نعوذ باللہ

فصل نمبر ۲۱: دُعا سے بلا ٹلتی ہے اور نیکی کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہیں ہٹاتی قضا کو (اس حدیث سے تقدیر کا انکار لازم نہیں آتا یہ اثر بھی تقدیر سے ہے۔ ۱۲ منہ) مگر دُعا اور نہیں بڑھاتی عمر کو مگر نیکی، روایت کیا اس کو ترمذی رحمہ اللہ نے۔

فصل نمبر ۲۲:۔ سورۂ یٰسین پڑھنے سے تمام کام بن جاتے ہیں۔ عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۂ یٰسین پڑھے شروع دن میں، پوری کی جاویں گی اس کی تمام حاجتیں، روایت کیا اس کو دارمی رحمہ اللہ نے۔

فصل نمبر ۲۳: سورۂ واقعہ پڑھنے سے فاقہ نہیں ہوتا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص سورۂ واقعہ پڑھا کرے ہر شب میں نہ پہنچے گا اس کو فاقہ کبھی، روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

فصل نمبر ۲۴: ایمان کی برکت سے تھوڑے کھانے میں آسودگی ہو جاتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کھانا بہت کھایا کرتا تھا، پھر وہ مسلمان ہو گیا تو تھوڑا کھانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں، روایت کیا اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے۔

فصل نمبر ۲۵: بعض دُعاؤں کی یہ برکت ہے کہ بیماری لگنے یا اور بلا پہنچنے کا خوف نہیں رہتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی مبتلائے غم یا مرض کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ط" سو وہ ہرگز اس شخص کو نہ پہنچے گی خواہ کچھ ہی ہو۔ روایت کیا اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے۔

فصل نمبر ۲۶: بعض دُعاؤں میں یہ برکت ہے کہ فکریں زائل ہو جاتی ہیں اور قرض ادا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ کو بہت سے افکار اور قرض نے گھیر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھ کو ایسا کلام بتلا دوں کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تیری ساری فکریں دُور کر دے اور تیرا قرض بھی ادا کر دے، اس شخص نے

عرض کیا بہت خوب فرمایا، صبح و شام یہ کہا کر "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ"

اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے یہی کیا سو میری ساری غم وفکریں بھی جاتی رہیں اور قرض بھی ادا ہو گیا روایت کیا ابوداؤد رحمہ اللہ نے۔

فصل نمبر ۲۷: بعض دُعا ایسی ہے کہ سحر وغیرہ کے اثر سے محفوظ رکھتی ہے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چند کلمات کہ اگر میں نہ کہتا رہتا یہود مجھ کو گدھا بنا دیتے۔ کسی نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟

انہوں نے یہ بتلائے "اَعُوْذُ بِوَجْہِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمُ مِنْہُ وَبِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بِرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَآءِ اللّٰہِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْھَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وِذَرَا وَّبَرًا ط"

روایت کیا اس کو مالک رحمہ اللہ نے، اسی طرح طاعات میں اور بے شمار فوائد ومنافع ہیں جو قرآن شریف وحدیث شریف میں اور روزانہ معاملات میں غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں اور ہم تو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہیں ان کی زندگی ایسی حلاوت ولطف سے بسر ہوتی ہے اس کی نظیر امراء میں نہیں ملتی، ان کے قلیل میں برکت ہوتی ہے ان کے دلوں میں نورانیت ہوتی ہے جو اصلی سرمایۂ سرور ہے۔ یاالٰہی! سب کو اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمایئے اور اپنی رضامندی اور قرب نصیب فرمایئے۔

تیسرا باب

اس بیان میں کہ گناہ میں اور سزائے آخرت میں کیسا قوی تعلق ہے۔ جاننا چاہیے کہ کتاب وسنت اور کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اِس عالم دُنیا کے دو عالم اور ہیں، ایک کو برزخ اور دوسرے کو عالم غیب کہتے ہیں اور ہماری مراد آخرت سے مفہوم عام ہے۔ دونوں کو شامل ہے تو جس وقت آدمی کوئی عمل کرتا ہے وہ فوراً عالم برزخ میں منعکس ہو کر چھپ جاتا ہے اور اس وجود پر کچھ آثار بھی مرتب ہوتے ہیں، اس عالم کا نام قبر بھی ہے پھر انہیں اعمال کا ایک وقت میں کامل ظہور ہوگا جس کو یوم حشر ونشر کہتے ہیں سو ہر عمل کے مراتب وجودی تین ہوئے، صدور وظہور مثالی، ظہور حقیقی، اس مضمون کو فوٹو فون سے سمجھنا چاہیے، جب آدمی کوئی بات کرتا ہے اس کے تین مرتبے ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ یہ کہ وہ بات منہ سے نکلی، دوسرا مرتبہ یہ کہ فوراً فوٹو فون میں وہ الفاظ بند ہو گئے۔ تیسرا مرتبہ یہ کہ جب اس سے آواز نکالنا چاہیں وہی آواز بعینہ پیدا ہو جاوے، سو منہ سے نکلنا عالم دُنیا کی مثال ہے، اس میں بند ہونا عالم برزخ کی، پھر اس سے نکلنا عالم غیب کی، سو جیسا کوئی عاقل شک نہیں کرتا کہ الفاظ منہ سے نکلتے ہی فوٹو فون میں بند ہو جاتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کرتا کہ نکالنے کے وقت وہی بات نکلے گی جو اوّل منہ سے نکلی تھی، اس کے خلاف نہ نکلے گی۔ اسی طرح مؤمن کو اس میں شک نہ چاہیے کہ جس وقت کوئی عمل اس سے صادر ہوتا ہے۔ فوراً وہ عالم مثال میں منقش ہوتا ہے اور آخرت میں اس کا ظہور ہوگا۔ اس بناء پر یقین ہو گیا کہ آخرت (اور یہ شبہ نہ ہو کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی جنت ایک بالشت رہ جاتی ہے، پھر

تقدیر غالب آتی ہے اور یہ شخص دوزخی ہو جاتا ہے اسی طرح دوزخی سے جنتی اس سے تو صاف مجبوری معلوم ہوتی ہے جواب یوں سمجھو کہ یہ غلبہ تقدیر کا تو تمام اُمور اختیاری میں واقع ہوا کرتا ہے، بعض اوقات خوب علاج کرتے ہیں اور غلبہ تقدیر سے مریض مر جاتا ہے مگر پھر بھی صحت کو علاج پر مرتب سمجھ کر نہیں چھوڑ دیتے۔ اصل یہ ہے کہ اعتبار اکثری معاملات کا ہوتا ہے، اتفاق شاذہ پر حکم نہیں لگایا جاتا، سو یہ صورت اتفاقی ہے ورنہ اکثر جنتی سے جنت کے اعمال دوزخی سے دوزخ کے اعمال سرزد ہوتے ہیں۔

"قال اللّٰہ تعالیٰ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی الخ ۱۲"

کا سلسلہ بالکل ہماری اختیاری حالت پر مبنی ہے کوئی وجہ مجبوری کی نہیں، سو جیسے فوٹوفون کے قرب ومحاذات کے وقت ایک ایک بات کا خیال رہتا ہے کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے، کوئی ایسی بات نہ نکل جاوے جس کا اظہار میں اس شخص کے روبرو پسند نہیں کرتا جس کے سامنے یہ فوٹوفون بعد میں کھولا جائے گا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس وقت مجالِ انکار نہ ہوگی کیونکہ اس آلہ کا یہ یقینی خاصہ ہے، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کہا کچھ اور بند ہو گیا اور کچھ اسی طرح صدور اعمال کے وقت اس امر کا خیال رہنا چاہیے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں کہیں جمع ہوتا ہے اور بلا کمی وبیشی ایک روز کھل پڑے گا اور اس وقت کوئی عذر حیلہ احتمال کمی وبیشی کا نہ چل سکے گا۔

اگر یہ خیال غالب ہو جاوے تو گناہ کرنے سے ایسا اندیشہ ہو جیسا فوٹوفون کے روبرو گالیاں دینے سے جبکہ یقین ہو کہ بادشاہ کے روبرو کھولا جاوے گا اور میں بھی اس وقت حاضر ہوں گا یا دوسری موٹی مثال سمجھئے، درخت پیدا ہونے میں تین مرتبے ہیں۔ اوّل تخم ڈالنا، دوم اس کا زمین سے نکلنا، سوم بڑا ہو کر پھل پھول لگنا، سو عاقل سمجھتا ہے کہ درخت کا نکلنا اور اس میں پھل پھول آنا ابتدائی کارخانہ نہیں ہے اسی تخم پاشی پر مبنی ہے۔ اسی طرح دُنیا میں عمل کرنا بمنزلہ تخم پاشی کے ہے اور آثار برزخی کا ظاہر ہونا بمنزلہ درخت نکلنے کے ہے آثارِ آخرت کا ظاہر ہونا اس میں پھل پھول لگنا ہے۔

ثمراتِ برزخ وآخرت بالکل انہیں اعمال اختیاریہ پر مبنی ٹھہرے جیسا جو بو کر کبھی تو قع نہیں ہوتی کہ گیہوں پیدا ہوگا۔ اسی طرح اعمال بد کر کے کیوں توقع ہوتی ہے کہ ثمرات نیک شاید ہم کو مل جاویں اسی مقام سے یہ مضمون سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ ''اَلدُّنیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ''ایک بزرگ کا قول ہے:

گندم از گندم بروید جَو از جو!　　از مکافات عمل غافل مشو

اور جس طرح تخم جَو اور درخت جَو میں مماثلت نہیں ہوتی مگر معنوی مناسبت یقینی ہے جس کو اہل نظر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اعمال اور جزا میں خفی مناسبت ہے جس کے سمجھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے باقی جس طرح درخت جو کے پہچاننے والوں کا قول قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے اور ان سے اس حکم میں منازعت نہیں کی جاتی خواہ مناسبت سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔

اسی طرح ثمرات اعمال کو پہچان کر بتلانے والوں کا یعنی انبیاؤں اور اولیاؤں کا ارشاد واجب القبول ہے خواہ مناسبت سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔

ہم بعض اعمال کے ثمرات جو موت کے بعد پیش آویں گے خواہ برزخ میں یا آخرت میں ذکر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ کارخانہ بعد الموت ابتدائی کارخانہ نہیں بلکہ اسی کارخانہ پر مرتب ومسبب ہے اس کے بعد بعض اہل معانی کے اقوال سے بعض اعمال وثمرات کی مناسبت کو تمثیلاً ذکر کریں گے تا کہ معلوم ہو جاوے کہ وہاں جو کچھ ہے یہاں کا ظہور اور تمثیل ہے اور یہ ارشادات سمجھ میں آ جاویں۔

''مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ''

وقوله تعالٰی و ان کان مثقال حبةٍ من خردلٍ اتینابها و کفٰی بنا حاسبین ط وقوله تعالٰی یقولون یا ویلتنا ما لِهٰذا الکتب لا یغادر صغیرةً وّلا کبیرةً الّا احصاها ووجدوا ماعملوا حاضرًا وّلا یظلم

ربک احدًا وقوله تعالیٰ یوم تجد کلّ نفس ما عملت من خیرٍ محضراً وما عملت من سوءٍ توَدّلَوْ انَّ بینها وبینهٗ اَمَدًا م بعیدًا ط وقوله تعالیٰ یُثَبِّتُ اللّٰہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الْحیٰوۃِ الدُّنْیَا وفی الْاٰخِرَۃِ ط وغیرھا من الآیات.

فصل نمبر۱: بعض اعمال کے آثار برزخیہ میں جس سے ان اعمال کی صورت مثالیہ منکشف ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ (یہ حدیث خواب کافی سے نقل ہے ۱۲ منہ) نے بروایت ثمرہ بن جندب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرماتے کہ تم نے شب کو کوئی خواب تو نہیں دیکھا، جو شخص کوئی خواب عرض کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر ارشاد فرماتے۔ اسی طرح حسب معمول ایک روز صبح کے وقت ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے ایک خواب دیکھا ہے دو شخص میرے پاس آئے مجھ کو اُٹھا کر کہا چلو میں ان کے ساتھ چلا۔ ایک شخص پر ہمارا گزر ہوا کہ وہ لیٹا ہوا ہے اور دوسرا شخص اس کے پاس ایک پتھر لیے کھڑا ہے اور اس کے سر پر زور سے مارتا ہے جس سے اس کا سر کچل جاتا ہے اور پتھر آگے کو لڑھک جاتا ہے، وہ جا کر پتھر کو اُٹھالاتا ہے اور یہ ابھی لوٹنے نہیں پاتا کہ اس کا سر اچھا ہو جاتا ہے جیسا پہلے تھا وہ آ کر پھر اسی طرح کرتا ہے، میں نے ان دو شخصوں سے تعجباً کہا! سبحان اللہ یہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا چلو چلو ہم آگے چلے، ایک شخص پر گزر ہوا جو چت لیٹا ہے اور دوسرا شخص اس کے پاس لوہے کا زنبور لیے کھڑا ہے اور اس لیٹے ہوئے شخص کے منہ کے ایک جانب آ کر اس کا کلہ اور نتھنا اور آنکھ گدی تک چیرتا چلا جاتا ہے۔ پھر دوسری طرف آ کر اسی طرح کرتا ہے اور اس جانب سے فارغ نہیں ہونے پاتا کہ وہ جانب اچھی ہو جاتی ہے پھر اس طرف جا کر اسی طرح کرتا ہے، میں نے کہا سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ کہنے لگے چلو چلو ہم آگے چلے، ایک تنور پر پہنچے، اس میں بڑا شور وغل ہو رہا ہے، ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس

میں بہت سے مرد وعورت ننگے ہیں اوران کے نیچے سے ایک شعلہ آتا ہے جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے، اس کی قوت سے یہ بھی اونچے اُٹھ آتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، وہ دونوں بولے چلو چلو ہم آگے چلے، ایک نہر پر پہنچے کہ خون کی طرح لال تھی اوراس نہر کے اندر ایک شخص تیر رہا ہے اور نہر کے کنارے پر ایک اور شخص ہے، اس نے بہت سے پتھر جمع کر رکھے ہیں، وہ شخص تیرتا ہوا اُدھر کو آتا ہے، یہ شخص اس کے منہ پر ایک پتھر کھینچ کر مارتا ہے جس کے صدمہ سے پھر وہ اپنی جگہ پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ تیر کر نکلتا ہے، یہ شخص پھر اسی طرح اس کو ہٹا دیتا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں؟ کہنے لگے چلو چلو، ہم آگے چلے۔

ایک شخص پر گزر ہوا کہ بڑا ہی بدشکل ہے کہ کبھی ایسا شخص کوئی نظر سے نہ گزرا ہوگا اوراس کے سامنے آگ ہے اس کو جلا رہا ہے اوراس کے گرد پھر رہا ہے، میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے، کہنے لگے چلو چلو ہم آگے چلے، ایک گنجان باغ میں پہنچے جس میں ہر قسم کے بھاری (یعنی موسم بہار کے ۱۲منہ) شگوفے تھے اوراس باغ کے درمیان ایک شخص نہایت دراز قد جن کا سر اونچائی کے سبب دکھائی نہیں پڑتا، بیٹھے ہیں اوران کے آس پاس بڑی کثرت سے بچے جمع ہیں، میں نے پوچھا یہ باغ کیا ہے اور یہ لوگ کون ہیں، کہنے لگے چلو چلو ہم آگے چلے۔ ایک عظیم الشان درخت پر پہنچے کہ اس سے بڑا اور خوبصورت درخت کبھی میں نے نہیں دیکھا، ان دونوں شخصوں نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھو۔ ہم اس پر چڑھے تو ایک شہر ملا کہ اس کی عمارت میں ایک ایک اینٹ سونے کی ایک ایک اینٹ چاندی کی لگی ہے، ہم شہر کے دروازے پر پہنچے اوراس کو کھلوایا، وہ کھول دیا گیا ہم اس کے اندر گئے ہم کو چند آدمی ملے جن کا آدھا بدن ایک طرف کا تو نہایت خوبصورت اور آدھا بدن نہایت بدصورت۔

وہ دونوں شخص ان لوگوں سے بولے جاؤ، اس نہر میں گر پڑو اور وہاں ایک چوڑی نہر جاری ہے، پانی سفید ہے جیسا دودھ ہوتا ہے، وہ لوگ جا کر اس میں گر گئے، پھر

ہمارے پاس جو آئے تو بدصورتی بالکل جاتی رہی۔

پھر ان دونوں شخصوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور دیکھو تمہارا گھر وہ رہا، میری نظر جو اُوپر بلند ہوئی تو ایک محل ہے جیسا سفید بادل کہنے لگے یہی تمہارا گھر ہے، میں نے دونوں سے کہا اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، مجھ کو چھوڑ دو، میں اس کے اندر چلا جاؤں، کہنے لگے ابھی نہیں بعد میں جاؤ گے، میں نے اُن سے کہا آج رات بھر بہت عجیب تماشے دیکھے آخر یہ کیا چیزیں تھیں؟ وہ بولے ہم ابھی بتلاتے ہیں وہ جو شخص تھا جس کا سر پتھر سے کچلتا دیکھا وہ ایسا شخص ہے جو قرآن مجید حاصل کر کے اس کو چھوڑ کر فرض نماز سے غافل ہو کر سو رہتا تھا اور جس شخص کے کلے اور نتھنے اور آنکھ اور گدی سے چیرتے دیکھا، یہ ایک شخص ہے کہ صبح کو گھر سے نکلتا اور جھوٹی باتیں کیا کرتا جو دُور پہنچ جاتیں اور وہ جو ننگے مرد عورت تنور میں نظر آئے یہ زنا کرنے والے مرد عورت ہیں اور جو شخص نہر میں تیرتا تھا اور اس کے منہ میں پتھر بھرے جاتے تھے۔

یہ سود خور ہے اور جو وہ بدشکل آدمی آگ جلاتا ہوا اور اس کے گرد دوڑتا ہوا دیکھا وہ مالک داروغہ دوزخ کا ہے اور جو دراز قد قامت شخص باغ میں دیکھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور جو بچے ان کے آس پاس دیکھے یہ وہ بچے ہیں جن کو فطرت پر موت آگئی۔ کسی مسلمان نے دریافت کیا یا رسول اللہ! مشرکین کے بچے بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں مشرکین کے بچے بھی اور وہ جو لوگ تھے جن کا نصف بدن خوبصورت اور نصف بدن بدصورت تھا یہ وہ لوگ ہیں کہ کچھ عمل نیک کیے تھے اور کچھ بد کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ فقط

اس حدیث سے ان اعمال کے آثار واضح ہوئے اور مناسبتیں گو خفی ہیں مگر ذرا تامل سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنے اور کلے چیرے جانے میں مناسبت ظاہر ہے اور زنا کرنے سے جو آتش شہوت تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔

اس میں اور آتش عقوبت کے محیط ہو جانے میں مناسبت ظاہر ہے اور زنا کے

وقت برہنہ ہو جاتے ہیں اور جہنم میں برہنہ ہو جانا، اس میں مناسبت ظاہر ہے، علیٰ ہذا القیاس سب اعمال کو اسی طرح سوچ لینا چاہیے۔

فصل: جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ سانپ کی شکل بن کر اس کے گلے میں بطورِ طوق کے ڈالا جاوے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کذا فی المشکوٰۃ) سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے کوئی شخص جو نہ دیتا ہو زکوٰۃ اپنے مال کی مگر یہ کہ ڈال دیں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں ایک اژدھا، پھر آپ نے اس کی تائید کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"....الآیہ، روایت کیا اس کو ترمذی علیہ الرحمۃ نے۔

فصل: بدعہدی بشکل جھنڈے کے متمثل ہو کر قیامت کے دن موجب رُسوائی ہوگی۔ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص پناہ دیوے کسی شخص کو اس کی جان پر پھر اس کو قتل کر دے، دیا جاوے گا اس کو جھنڈا اس کی پشت پر گاڑ کر پکارا جاوے گا۔

"هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانٍ" یعنی یہ فلاں شخص کی بدعہدی ہے۔

فصل: چوری اور خیانت جس چیز میں کی ہوگی وہی آلہ تعذیب ہو جائے گی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک غلام ہدیہ میں بھیجا، اس کا نام مدعم تھا، وہ مدعم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ اسباب اُتار رہا تھا کہ دفعتہً اس کے ایک تیر آ کر لگا جس کا مارنے والا معلوم نہ ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ بہشت اس کو مبارک ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہرگز ایسا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ جو کملی اس نے یوم خیبر میں لے لی تھی، تقسیم نہ ہونے پائی تھی، وہ آگ بن کر اس پر مشتعل ہو رہی ہے، جب لوگوں نے یہ مضمون سنا، ایک شخص جوتے کا ایک یا دو تسمے

واپس کرنے کو لایا، آپ نے فرمایا (اب کیا ہوتا ہے) یہ ایک تسمہ یا دو تسمہ تو آگ کا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے۔

فصل: غیبت کرنے کی صورت مثالی مُردہ بھائی کے گوشت کھانے کی ہے۔ "قال اللہ تعالیٰ: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ" الآیۃ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ نہ غیبت کرے کوئی تم میں سے کسی کی۔ کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے یہ کہ کھاوے گوشت اپنے بھائی کا جب کہ وہ مرا ہو ضرور اس کو تو ناپسند کرو گے، فقط اس وجہ سے غیبت خواب میں اسی شکل میں نظر آتی ہے۔

فصل: اہل معانی کے اقوال سے بعض چیزوں کی صورت مثالیہ کے بیان میں محققین نے فرمایا ہے کہ ہر خصلت ذمیمہ کو ایک جانور کے ساتھ خصوصیت خاصہ ہے جس شخص میں وہ خصلت غالب ہو جاتی ہے عالم مثالی میں اس شخص کی شکل اس جانور کی سی ہو جاتی ہے اُمم سابقہ میں وہ شکل اسی عالم میں ظاہر ہو جاتی تھی، اس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں رُسوا ہونے سے محفوظ رکھا لیکن دوسرے عالم میں وہ شکل بن جاتی ہے قیامت کے روز اس کا ظہور ہوگا اور اہل کشف کو یہاں ہی مکشوف ہو جاتی ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط" یعنی نہیں کوئی جانور چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اُڑتا ہے مگر وہ سب جماعتیں ہیں مثل تمہارے۔ سفیان فرماتے ہیں کہ بعض لوگ درندوں کے اخلاق پر ہوتے ہیں بعض کتوں کے اور سُوروں اور گدھوں کے اخلاق پر ہوتے ہیں، بعض بناؤ سنگھار کر کے طاؤس کے مشابہ بنتے ہیں بعض پلید ہوتے ہیں مثل گدھے کے بعض خود پرور ہوتے ہیں، مثل مرغی کے، بعض کینہ ور ہوتے ہیں مثل اونٹ کے۔ بعض مشابہ مکھی کے ہوتے ہیں، بعض مشابہ لومڑی کے فقط امام ثعلبی نے "فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا" کی تفسیر

میں کہا ہے کہ قیامت میں لوگ مختلف صورتوں میں محشور ہوں گے جس جانور کی عادات طبیعت پر غالب ہوں گی قیامت میں اس کی شکل بن جاوے گی۔

فصل: بعض اعمال کی صورت مثالیہ کی تحقیق حضرت مولوی روم علیہ الرحمۃ کے قول سے:

چوں سجودے یار کوئے مرد گشت — شدوراں عالم سجود او بہشت
چوں کہ پرید از دہانت حمد حق — مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد و تسبیحت نماند مرغ را — ہم چو نطفہ مرغ بادست و ہوا
چوں زدستت رفت ایثار و زکوٰۃ — گشت ایں دست آں طرف نخل ونبات
آب صبرت آب جوئے خلد شد — جوئے شیر خلد مہر تست دود
ذوقِ طاعت گشت جوئے انگبیں — مستی و شوق تو جوئے خمر بیں
ایں سبب ہا آں اثر ہارا نماند — کس نداند چونش جائے آں نشاند
ایں سبب ہاچوں بہ فرمان تو بود — چار جو ہم مر ترا فرماں نمود!
ہر طرف خواہی روانش می کنی — آں صفت باچوں چنانش می کنی
چوں منی تو کہ در فرماں تست — نسل تو در امر تو آیند چست
میدود در امر تو فرزند تر — کہ منم جزوت کہ کردیش گرد
آں صفت در امر تو بود ایں جہاں — ہم در امرتست آں جو ہارواں
آں درختاں مر ترفرما برند — کا ں رختاں از صفاتت یا برند
چوں بامر تست اینجا ایں صفات — پس در امرتست آنجا آں جزآت
چوں زدستت زخم بر مظلوم رست — آں درختے گشت ازاں زقوم دست
چوں زخشم آتش تو در دلہا زدی — مایۂ نارِ جہنم آمدی!
آتشت اینجا چو مردم سوز بود — آنچہ ازوی زاد مردا فروز بود

آتش تو قصد مردم مے کند ناز کزوے زاد بر مردم زند
آں سخن ہائے چو مار و گودم ست مار و گودم گشت و می گیرد دوست

رجوع بہ مطلب

آیات واحادیث واقوال مذکورہ سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ آدمی جو کچھ عمل کرتا ہے اس کا وجود باقی رہتا ہے اور وہ ایک روز کھلنے والا ہے۔"قال اللّٰہ تعالٰی فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ"......

پس جنت دوزخ اپنے ہاتھوں آدمی لیتا ہے اور یہ تحقیق مسئلہ تقدیر کے مخالف نہیں ہے کیونکہ مسئلہ تقدیر میں یہ بات نہیں بتلائی گئی ہے کہ کوئی شے بلا سبب ہوجاتی ہے۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے اس کے اسباب اوّل جمع ہوتے ہیں، پھر وہ امر واقع ہوجاتا ہے، من جملہ اسباب قویہ دخول جنت ودوزخ کے اعمال حسنہ یا سیئہ ہیں، اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعمال کا فائدہ پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِعۡمَلُوۡا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ" یعنی عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کو وہی کام آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے

"قال اللّٰہ تعالٰی فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰى وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى" الآیہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جیسا یہاں کرو گے برزخ اور قیامت میں اسی سے پردہ اُٹھ جاوے گا۔"قال اللّٰہ تعالٰی: فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ الآية" یاالٰہی! ہم لوگوں کو فہم صحیح عطا فرمایئے اور اس قدر تذکر نصیب کردیجئے کہ گناہ کے وقت اس کی جزا پیش نظر ہوجایا کرے، پھر اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا ہو۔ آمین

چوتھا باب

اس بیان میں کہ طاعت کو جزائے آخرت میں کیسا کچھ دخل وتاثیر ہے۔اس کی اجمالی تحقیق تو آغازِ باب سوم سے اچھی طرح دریافت ہو چکی ہے۔اس مقام پر صرف دو چار اعمال کی مثالی صورت دلائل سے لکھنا کافی معلوم ہوتا ہے۔

فصل: "سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولا الٰہ الاّ اللّٰہ واللّٰہ اکبر" کی صورت مثالی درخت کی سی ہے۔ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شب معراج میں، اُنہوں نے فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اُمت کو میری طرف سے سلام کہئے اور خبر دیجئے کہ جنت ستھری مٹی والی شیریں پانی والی ہے اور اصل میں وہ صاف میدان ہے اور اس کے درخت سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔روایت کیا اس کو ترمذی رحمہ اللہ نے۔

فصل: سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کی صورت مثالی مثل لکڑیوں بادل یا پرندوں کے ہے۔نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لایا جاوے گا۔قرآن مجید کو قیامت کے دن اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے، آگے آگے ہوگی۔اس کے سورۂ بقرہ اور آل عمران جیسے دو بدلیاں ہوں، سیاہ سائبان ہوں، ان کے بیچ میں ایک چمک ہوگی، دبقول محققین یہ چمک بسم اللہ کی ہے یا جیسے قطار باندھنے والے پرندوں کی دو ٹکڑیاں ہوں، حجت کریں گی دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کی جانب سے، روایت کیا اس کو مسلم رحمہ اللہ نے۔

فصل: سورۂ قل ھو اللہ احد کی صورت مثالی مثل قصر کے ہے۔ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص قل ھو اللہ احد دس مرتبہ پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار ہوتا ہے اور جو بیس مرتبہ پڑھے اس کے لیے دو محل تیار ہوتے ہیں اور جو تیس مرتبہ پڑھے اس کے لیے تین محل تیار ہوتے ہیں، جنت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے قسم خدا کی یا رسول اللہ! تب تو ہم اپنے بہت سے محل بنوالیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ فراغت وگنجائش والے ہیں۔ روایت کیا اس کو دارمی علیہ الرحمۃ نے۔

فصل: عمل جاری کی صورت مثالی چشمہ کے مثل ہے۔ ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خواب میں ایک چشمہ جاری دیکھا اور یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ان کا عمل ہے جو جاری ہوتا ہے ان کے لیے، روایت کیا اس کو بخاری رحمہ اللہ نے۔

فصل: دین کی شکل مثالی مثل لباس کے ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کذا فی المشکوٰۃ ۱۲ منہ) سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، میں خواب میں تھا کہ لوگوں کو اپنے روبرو پیش ہوتے دیکھا کہ وہ کرتے پہنے ہیں، کسی کا کُرتہ تو سینہ تک ہے کسی کا اس سے نیچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پیش ہوئے تو ان کا کُرتہ اتنا بڑا ہے کہ زمین پر گھسیٹتے چلتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر لی، آپ نے فرمایا دین۔

فصل: علم کی شکل مثل دودھ کے ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (کذا فی المشکوٰۃ ۱۲ منہ) سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خواب میں میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے پیا۔ یہاں تک کہ اس کی سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں سے نکلتا پایا۔ پھر بچا ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے

دیا۔ لوگوں نے عرض کیا پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر لی۔ آپ نے فرمایا علم۔

فصل: نماز کی شکل مثالی نور کے ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ جو شخص محافظت کرے گا نماز پر وہ نماز اس کے لیے قیامت کے دن نورانی اور برہان اور نجات ہوگی۔

فصل: صراطِ مستقیم کی شکل مثالی مثل پل صراط کے ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے رسالہ (نقل من ترجمۃ المساۃ حقیقۃ روح انسانی ۱۲ منہ) حل مسائل غامضہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ پل صراط پر ایمان لانا برحق ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پل صراط باریکی میں بال کے مانند ہے یہ تو اس کے وصف میں ظلم ہے بلکہ وہ تو بال سے بھی باریک ہے۔ اس میں اور بال میں کچھ مناسب ہی نہیں جیسا کہ باریکی میں خط ہندسی کو جو سایہ اور دھوپ کے مابین ہوتا ہے، نہ سایہ میں اس کا شمار ہے نہ دھوپ میں بال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں، پل صراط کی باریکی بھی خط ہندسی کے مثل ہے جس کا کچھ عرض نہیں کیونکہ وہ صراط مستقیم کی مثال پر ہے اور جو باریکی میں خط ہندسی کے مثل ہے؛ اور صراطِ مستقیم اخلاق متضادہ کی وسط حقیقی سے مراد ہے۔ جیسا کہ فضول خرچی اور بخل کے درمیان وسطِ حقیقی سخاوت ہے۔ تہور یعنی افراطِ قوت غضبی اور جبن یعنی بزدلی کے درمیان میں شجاعت، اسراف اور تنگی خرچ کے درمیان میں وسطِ حقیقی میانہ روی ہے تکبر اور غایت درجہ کی ذلت کے درمیان میں تواضع، شہوت اور خمود کے درمیان میں عفت کیونکہ ان صفتوں کی دو طرفیں ہیں، ایک زیادتی دوسرے کمی وہ دونوں مذموم ہیں۔

افراط و تفریط کے مابین وسط ہے، وہ دونوں طرف کے نہایت دُوری ہے اور وہ وسط میانہ روی ہے نہ زیادتی کی طرف میں اور نہ نقصان کی طرف میں۔ جیسا خطِ فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں ہے نہ دھوپ میں جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے قیامت میں صراطِ مستقیم کو جو خطِ ہندسی کی طرح ہے جس کا کچھ عرض نہیں ممثل کریں گے تو ہر انسان سے اس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہوگا۔ پس جس شخص

نے دُنیا میں صراطِ مستقیم پر استقامت کی اور افراط و تفریط یعنی زیادتی و کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میلان نہ کیا، وہ اس پل صراط پر برابر گزر جائے گا اور کسی طرف کو نہ جھکے گا کیونکہ اس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی؛ سو یہ اس کا وصف طبعی بن گیا؛ اور عادت طبیعت خامسہ ہوتی ہے سو صراط پر برابر گزر جائیگا؛ اور ان دلائل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کارخانہ آخرت کا غیر منتظم نہیں ہے کہ جس کو چاہا پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا، یوں مالک حقیقی کو سب اختیار ہے مگر عادت اور وعدہ یونہی ہے کہ جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔ اسی لیے جابجا ارشاد فرمایا ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ "

اور ارشاد فرمایا ہے:

"سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ"

یعنی دوڑو طرف مغفرت پروردگار اپنے کے اور طرف جنت کے جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے (یہ ہمارے سمجھانے کو فرمایا) سو اگر جنت میں داخل ہونا غیر اختیاری ہے تو اس کی طرف دوڑنے کو کیسے حکم فرمایا ہے۔

یعنی اس کے اسباب اختیار میں دیئے ہیں جن پر دخول جنت حسب وعدہ آیت مرتب ہو جاتا ہے اسی لیے بعد حکم "مُسَابَقَتُ اِلَى الْجَنَّةِ" کے ان اعمال و اسباب کو ذکر فرمایا جو یقیناً انسان کے اختیار میں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

یعنی یہ جنت ایسے پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور پی جانے والے ہیں غصہ کے اور معاف کرنے والے ہیں

لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں نیکی کرنے والوں کو اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب کر گزرتے ہیں کوئی بے حیائی کا کام یا ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر فوراً یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور معافی مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور سوا اللہ تعالیٰ کے گناہ کو بخشتا ہی کون ہے اور وہ لوگ اَڑتے نہیں اس کام پر جو کیا انہوں نے وہ جانتے ہیں۔ دیکھئے اس آیت میں صاف فرمادیا کہ جنت ایسوں کے لیے ہے جن میں فلاں فلاں اوصاف ہیں اور یہ سب اوصاف اختیاری ہیں۔ اس کے بعد اور بھی صاف لفظوں میں بتلاتے ہیں کہ ان کاموں کے کرنے سے ضرور جنت مل ہی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ o

ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ شئے محبوب کے اسباب بھی محبوب ہوتے ہیں، دیکھو پلہ دار مزدور چونکہ جانتے ہیں کہ اسباب اُٹھانے سے پیسہ ملے گا سو مسافروں کے اسباب لینے اور لادنے کے لیے آپس میں کیسا جھگڑتے ہیں اور ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھ پر یہ اسباب لادا جاوے اور باوجود مشقت وتعب کے پھر بھی بوجھ لادنے میں ان کو ایک قسم کا لطف ولذت ملتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ جنت محبوب ہو اللہ تعالیٰ کا لقا محبوب ہو اور اس کے اسباب یعنی اعمال صالحہ مرغوب ومحبوب نہ ہوں۔ اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے: "لَمْ اَرَ مِثْلَ الْجَنَّۃِ نَامَ طَالِبُھَا اَوْ کَمَا قَالَ" یعنی میں نے جنت کے برابر کوئی چیز عجیب نہیں دیکھی جس کا طالب سو جاوے جن کو دیدۂ بصیرت سے یہ مضمون کھل گیا ان کو بیشک ان اعمالِ شاقہ میں لطف وراحت ملتا ہے۔

"قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلَاقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" یعنی بے شک نماز ضرور گراں گزرتی ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں جن کا یہ یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف رجوع ہونے والے ہیں۔ سو نماز کے آسان ہونے

کے لیے یہ یقین معین ٹھہرا کہ ہم کو اپنے رب سے ملنا ہے۔

اور حدیث صحیح میں ارشاد ہے: "جُعِلتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ" یعنی نماز میں مجھ کو آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت ملتی ہے۔

مشورہ نیک

جب اعمال کی صورت مثالیہ معلوم ہو چکی تو اب تمام جزا وسزا تمہارے ہاتھوں ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ جنت کے بہت سے درخت ہمارے حصے میں آویں تو سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر، خوب پڑھا کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ قیامت کے دن ہم سایہ میں ہوں تو سورۂ بقرہ، آل عمران کی تلاوت کیا کرو۔ وہ سائبان کی شکل میں ہوں گی۔ اگر چاہتے ہو کہ ہم کو جنت کا چشمہ ملے خیرات جاری کیا کرو، اگر چاہتے ہو کہ خوب کپڑے ملیں تو تقویٰ ودین کو مضبوط پکڑو۔ اگر چاہتے ہو کہ جنت میں دودھ کا چشمہ ملے یا حوضِ کوثر سے سیراب ہوں تو علم دین خوب حاصل کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ پل صراط پر پل جھپکتے گزر جاؤ شریعت پر خوب مستقیم رہو۔ اگر چاہو کہ پل صراط پر ہمارے پاس نور رہے تو نماز کا خوب اہتمام کرو۔ اگر چاہو ہم کو جنت میں بہت سے محل ملیں تو خوب قل ھو اللہ پڑھا کرو۔ اسی طرح جو نعمت چاہو اس کے اسباب اختیار کرو۔ وہی اسباب ان نعمتوں کی شکل بن کر تم کو مل جاویں گے۔

"سُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَلَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ"

خاتمہ

بعض اعمالِ مخصوصہ کے بیان میں جو زیادہ مفید یا مضر ہیں اور بعض شبہات عوام کے جواب میں یوں تو جتنی طاعات ہیں سب ضروری ہیں اور جتنے سیئات ہیں سب مضر ہیں مگر بعض بعض اعمال جو بمنزلہ اُصول کے ہیں زیادہ اہتمام کے قابل ہیں۔ فعلاً یا ترکاً کہ ان کے اہتمام سے دوسرے اعمال کی اصلاح کی زیادہ اُمید ہے۔

ان کو ہم دو فصلوں میں لکھتے ہیں۔

فصل: ایسے طاعات کے بیان میں جن کی محافظت سے اُمید ہے کہ دوسری طاعات کا سلسلہ قائم ہو جائے۔ ایک ان میں علم دین کا حاصل کرنا ہے خواہ کتب سے حاصل کیا جاوے یا صحبت علماء سے بلکہ تحصیل کتب کے بعد بھی علماء کی صحبت ضروری ہے اور مراد ہماری علماء سے وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر خود عمل کرتے ہوں اور شریعت و حقیقت کے جامع ہوں، اتباع سنت کے عاشق ہوں، توسط پسند ہوں، افراط وتفریط سے بچتے ہوں، خلق پر شفیق ہوں، تعصب وعناد ان میں نہ ہو، گو اس وقت بھی بفضلہ تعالیٰ اس قسم کے علماء بہت ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

جیسا ہمارے سردار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے

"لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَّنْ ذَلَّھُمْ"

(مگر ہم چند بزرگوں کے نام تبرکاً) اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں تا کہ غیر مذکورین کو مذکورین پر قیاس کر سکیں اور جن کی ایسی ہی شان ہو ان کی صحبت سے مستفید ہو سکیں۔

❶ ۔ مکہ معظمہ میں حضرت سیدی مرشدی مولانا الحاج الشیخ محمد امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم

❷ ۔ گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

❸ ۔ سہارن پور میں جناب مولانا ابوالحسن صاحب مہتمم جامع مسجد سہارن پور

❹ ۔ دیو بند میں جناب مولانا محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ دیو بند

❺ ۔ حضرت حاجی محمد عابد صاحب مقیم مسجد چھتہ دیو بند۔

❻ ۔ انبار میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب دامت برکاتہم

(افسوس اس وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ۔۱۲ اشرف علی)

ایسے بزرگوں کی صحبت وخدمت جس قدر میسر ہو جائے غنیمت کبریٰ ونعمت عظمیٰ ہے۔ اگر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتہ میں آدھ گھنٹہ ضرور التزام کرے۔ اس کے برکات خود دیکھ لے گا۔ ایک ان میں سے نماز ہے جس طرح ہو سکے پانچوں وقت پابندی سے

نماز پڑھتا رہے اور حتی الامکان جماعت حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے اور بدرجۂ مجبوری جس طرح ہاتھ آوے غنیمت ہے۔اس سے دربارِ الٰہی میں ایک تعلق اور ارتباط قائم رہے گا، اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی حالت درست رہے گی۔ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ الآیۃ" ایک ان میں سے لوگوں سے کم بولنا اور کم ملنا اور جو کچھ بولنا ہو سوچ کر بولنا ہے، ہزاروں آفتوں سے محفوظ رہنے کا یہ ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہے، ایک ان میں سے محاسبہ ومراقبہ ہے یعنی اکثر اوقات یہ خیال رکھے کہ میں اپنے مالک کے پیش نظر ہوں، میرے سب اقوال وافعال واحوال پر ان کی نظر ہے۔ یہ مراقبہ ہوا اور محاسبہ یہ کہ کوئی وقت مثلاً سوتے وقت تنہا بیٹھ کر تمام دن کے اعمال یاد کر کے یوں خیال کرے کہ اس وقت میرا حساب ہو رہا ہے اور میں جواب سے عاجز ہو جاتا ہوں۔ ایک ان میں سے توبہ واستغفار ہے۔ جب کبھی کوئی لغزش ہو جائے توقف نہ کرے، کسی وقت یا کسی چیز کا انتظار نہ کرے، فوراً تنہائی میں جا کر سجدہ میں گر کر خوب معذرت کرے اور اگر رونا آوے تو رو دے ورنہ رونے کی صورت ہی بنائے۔ یہ پانچ چیزیں ہیں علم وصحبت علماء، نماز پنجگانہ، قلت کلام وقلت مخالطت محاسبہ ومراقبہ، توبہ واستغفار، ان شاء اللہ تعالیٰ ان تمام اُمور پنجگانہ کی پابندی سے جو کہ کچھ مشکل بھی نہیں، تمام طاعات کا دروازہ کھل جائے گا۔

فصل دوسری

ایسے معاصی کے بیان میں کہ ان کے بچنے سے بفضلہ تعالیٰ قریب قریب تمام معاصی سے نجات ہو جاتی ہے۔ ایک ان میں سے غیبت ہے۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد دُنیاوی واخروی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا ظاہر ہے اس میں آج کل بہت مبتلا ہیں، اس سے بچنے کا سہل طریق یہ ہے کہ بلاضرورت شدیدہ نہ کسی کا تذکرہ کرے نہ سنے نہ اچھا نہ برا اپنے ضروری کاموں میں مشغول رہے۔ ذکر کرے تو اپنا

ہی کرے، اپنا دھندہ کیا تھوڑا ہے جو اوروں سے ذکر کرنے کی فرصت اس کو ملتی ہے۔ ایک ان میں سے ظلم ہے، خواہ مالی یا جانی یا زبانی مثلاً کسی کا حق مار لیا، قلیل یا کثیر یا کسی کو ناحق تکلیف پہنچائی یا کسی کی بے آبروئی کی۔ ایک ان میں سے اپنے کو بڑا سمجھنا اوروں کو حقیر سمجھنا، ظلم و غیبت وغیرہ اسی مرض سے پیدا ہوتے ہیں اور بھی خرابیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ حقد و حسد و غضب وغیر ذلک۔

ایک ان میں سے غصہ ہے، کبھی یاد نہیں ہے کہ غصہ کر کے پچھتائے نہ ہوں کیونکہ حالت غضب میں قوت عقلیہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ سو جو کام اس وقت ہوگا، عقل کے خلاف ہی ہوگا جو بات ناگفتنی تھی وہ منہ سے نکل گئی جو کام ناکردنی تھا، ہاتھ سے ہو گیا بعد غصہ اُترنے کے جس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا، کبھی کبھی عمر بھر کے لیے صدمہ میں گرفتاری ہو جاتی ہے۔ ایک ان میں سے غیر محرم عورت یا مرد سے کسی قسم کا علاقہ رکھنا خواہ اس کو دیکھنا یا اس سے دل خوش کرنے کے لیے ہم کلام ہونا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا یا اس کے پسند طبع کے موافق اس کے خوش کرنے کو اپنی وضع یا کلام کو آراستہ و نرم کرنا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس تعلق سے جو جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو جو مصائب پیش آتے ہیں احاطۂ تحریر سے خارج ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی رسالہ میں ضمناً اس کو کسی قدر زیادہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ ایک ان میں سے طعام مشتبہ یا حرام کھانا ہے کہ اسی سے تمام ظلمات و کدورت نفسانیہ پیدا ہوتی ہیں کیونکہ غذا اسی سے بن کر تمام اعضاء و عروق میں پھیلتی ہے۔ پس جیسی غذا ہوگی ویسا ہی اثر تمام جوارح میں پیدا ہوگا اور ویسے ہی افعال اس سے سرزد ہوں گے۔ یہ چھ معاصی ہیں جن سے اکثر معاصی پیدا ہوتے ہیں، ان کے ترک سے ان شاء اللہ اوروں کا ترک بہت سہل ہو جاوے گا بلکہ اُمید ہے کہ خود بخود متروک ہو جاویں گے۔ ''اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا'' اب یہاں سے عوام کے بعض شبہات کا جواب دیا جاتا ہے جن سے وہ دھوکہ میں پڑے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں ڈالتے ہیں جب کبھی ان سے التزام طاعات و اجتناب معصیت کے

لیے کہا جاتا ہے وہ ان ہی شبہات کو پیش کر دیا کرتے ہیں۔ یہ شبہات دو قسم کے ہیں، ایک قسم وہ شبہات ہیں جن سے صریح کفر لازم آتا ہے۔ مثلاً یہ شبہ کہ دُنیا نقد ہے اور آخرت نسیہ اور نقد بہتر ہوتا ہے۔ نسیہ سے یا یہ شبہ کہ دُنیا کی لذت یقینی ہے اور آخرت کی لذت مشکوک تو یقینی کو مشکوک کی اُمید میں کیوں چھوڑ دیں، جیسے کسی نے کہا ہے:

اب تو آرام سے گزرتی ہے　　عاقبت کی خبر خدا جانے

سو چونکہ ہمارا روئے سخن اس وقت اہل ایمان کی طرف ہے، اس لیے ان شبہات کو مطروح النظر کرتے ہیں۔ (علاوہ اس کے ان شبہات کا لغو ہونا ہر عاقل پر ظاہر ہے۔ وجود آخرت تو دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا۔ اگر خود ان دلائل کے ثبوت میں کلام ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ براہین عقلیہ اس کے اثبات کے لیے ہر وقت موجود ہیں۔ بعد ثبوت آخرت کے نقد کو نسیہ پر مطلقاً ترجیح دینا بالکل مغالطہ ہے۔ یہ قاعدہ اس وقت ہے کہ نسیہ اور نقد کماً و کیفاً برابر ہوں ورنہ تمام معاملات دُنیا میں نسیہ کو نقد پر ترجیح دیا کرتے ہیں، پیسہ کی چیز اگر دو پیسہ میں اُدھار بکنے لگے اور خریدار پر ذرا بھی اطمینان ہو خوشی خوشی سے دے ڈالتے ہیں یہاں وہ قاعدہ کہاں گیا۔ ۱۲ منہ)

دوسری قسم وہ شبہات جن کا باعث جہل و غفلت ہے، اس مقام پر اُن کا جواب دینا مقصود ہے، ہم اس کو کئی فصلوں میں لکھتے۔ "بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى"

فصل: ایک شبہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرحیم ہیں، میرے گناہوں کی وہاں کیا حقیقت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک وہ غفور الرحیم ہیں مگر قہار و منتقم بھی تو ہیں سو تم کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ تمہارے لیے ضرور مغفرت ہوگی، ممکن ہے کہ انتقام و قہر ہونے لگے۔ علاوہ اِس کے آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ غفور رحیم اس شخص کے لیے جو پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور آئندہ اعمال کی اصلاح کرے۔

"كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى. ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ۝"

یعنی اس کے بعد تیرا پروردگار ان لوگوں کے لیے غفور الرحیم ہے جنہوں نے

نادانی سے برا کام کیا۔ پھر انہوں نے توبہ کرلی، اس کے بعد اور اپنے اعمال درست کرلیے اور جو بلا توبہ مر جاوے تو بقدر گناہ تو مستحق عقوبت ہے اور فضل کا کوئی روکنے والا نہیں مگر اس شخص کے پاس کیا دلیل ہے کہ میرے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔

فصل: ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ میاں ابھی کیا جلدی ہے آگے چل کر توبہ کرلیں گے۔ اس شخص سے یہ کہنا کہ تم کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ ابھی تم اور زندہ رہو گے۔ ممکن ہے کہ شب کو سوتے کے سوتے رہ جاؤ یا اگر زندگی بھی ہوئی تو توبہ کی شاید توفیق نہ ہو۔ یاد رکھو کہ گناہ جس قدر بڑھتا جاتا ہے دل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے روز بروز توبہ کی توفیق کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر بلا توبہ مر جاتا ہے۔

فصل: ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ میاں گناہ تو کرلیں پھر توبہ کرکے معاف کرالیں گے۔ اس شخص سے یہ کہنا چاہیے کہ ذرا اپنی اُنگلی آگ کے اندر ڈال دو، پھر اس پر ہم مرہم لگادیں گے، یہ ہرگز گوارا نہ ہوگا۔ پھر افسوس ہے کہ معصیت پر کیسے جرأت ہوتی ہے۔ اس شخص کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ توبہ کی توفیق ضرور ہی ہوجاوے گی یا اگر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے کہ توبہ قبول ہی کرلیں، پھر یہ کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان سے توبہ کرلینا اللہ تعالیٰ کے رُو برو کافی نہیں بلکہ صاحب حق سے معاف کرانے کی ضرورت ہے۔

فصل: ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں ہماری تقدیر ہی میں یوں لکھا ہے اور یہ شبہ بہت ارزاں ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے متمتع ہوتا ہے۔ صاحبو! ذرا انصاف کرنا چاہیے کہ جس وقت گناہ کرتے ہیں خواہ اسی قصد سے کرتے ہو کہ چونکہ ہماری تقدیر میں لکھا ہے لاؤ تقدیر کی موافقت کرلیں، ہرگز نہیں۔

اس وقت اس مسئلہ کا ہوش بھی نہیں رہتا، جب گناہ سے فراغت ہو جاتی ہے فرصت میں تاویل سوجھتی ہے، اگر انصاف کرکے دیکھو خود اس تاویل کی بے قدری دل میں سمجھتے ہوگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تقدیر پر ایسا ہی بھروسہ ہے تو دُنیاوی معاملات میں اس مسئلہ پر کیوں نہیں اعتماد ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص تم کو جانی یا مالی ضرر پہنچادے تو اس پر ہرگز عتاب مت کیا کرو، سمجھ لیا کرو کہ ان کی تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ

شرارت کریں گے، نقصان کریں گے، وہاں مسئلہ تقدیر کے منکر بن جاتے ہو، یہاں سب سے بڑھ کر تقدیر پر تمہارا ہی ایمان ہوتا ہے۔

فصل: ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر قسمت میں جنت لکھی ہے تو جنت میں جاویں گے اور اگر دوزخ لکھی ہے دوزخ میں جاویں گے محنت ومشقت سب بیکار ہے۔ ان لوگوں سے کہنا چاہیے کہ اگر یہ بات ہے تو دنیوی معاملات میں کیوں تدبیریں و کوششیں کرتے ہو، کھانے کے لیے اس قدر اہتمام کرتے ہو، بوتے ہو، جوتتے ہو، پیستے ہو، چھانتے ہو، گوندھتے ہو، پکاتے ہو، لقمہ بنا کر منہ میں لے جاتے ہو، چباتے ہو، نگلتے ہو، کچھ بھی نہ کیا کرو، اگر قسمت میں ہے آپ ہی بن بنا کر پیٹ میں اُتر جاوے گا، نوکری کیوں کرتے ہو، کھیتی کیوں کرتے ہو، یہ شعر کیوں پڑھ دیا کرتے ہو؟

رزق ہرچند بے گماں برسد   لیک شرط است جستن از درہا

اگر اولاد کی تمنا ہوتی ہے تو نکاح کیوں کرتے ہو۔ پس جس طرح باوجود ثبوت تقدیر کے ان مسببات کے لیے اسباب خاصہ جمع کرتے ہو۔ اسی طرح نعمائے آخرت کے لیے وہی اسباب واعمال صالحہ جمع کرنا ضروری ہے۔

فصل: ایک دھوکہ یہ ہو جاتا ہے کہ حدیث میں ہے: "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ"، سو ہم کو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن ہے، ضرور ہمارے ساتھ حسن معاملہ ہوگا، سو خوب یاد رکھنا چاہیے، رجا وحسن ظن کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کو اختیار کرکے مسبب کے مرتب ہونے کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے منتظر رہے، اپنی تدبیر پر وثوق نہ کر بیٹھے اور جو اسباب ہی کو اُڑا دیا تو یہ حسن ظن نہیں ہے بلکہ غرور اور دھوکہ ہے۔ اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ تخم پاشی کرکے انتظار ہو کہ اب غلہ فضل خدا سے پیدا ہوگا، یہ تو اُمید ہے اگر تخم پاشی ہی نہ کرے اور اس ہوس پر بیٹھا رہے، کہ اب غلہ پیدا ہوگا تو یہ نرا جنون اور دھوکہ ہے جس کا انجام افسوس وحسرت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

فصل: ایک دھوکہ یہ ہو جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کی اولاد یا فلاں بزرگ کے مرید ہیں، یا فلاں بزرگ زندہ یا مردہ سے محبت رکھتے ہیں۔ پس خواہ ہم کچھ ہی کریں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومغفور ہیں۔صاحبو!اگر یہ نسبتیں صرف کافی ہوتیں تو ضرور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کو ہرگز نہ فرماتے: "فَاطِمَةُ اِنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَآ اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا" یعنی اے فاطمہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو جہنم سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کفایت نہیں کرسکتا یعنی جب کہ اپنے پاس سرمایہ ایمان و اعمالِ صالحہ کا نہ ہو، صرف نسبت کافی نہیں ہے اور ایمان وتقویٰ کے ساتھ اگر نسبت شریفہ بھی ہو تو سبحان اللہ "نورٌ علیٰ نور" ہے اور قیامت کے دن فائدہ بخش بھی ہوگی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ" یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملحق کر دیں گے ان کے ساتھ اُن کی اولاد کو اور نہیں کم کریں گے ان کے عمل سے کچھ یعنی آباء کی مقبولیت کی برکت سے اولاد کو بھی اسی درجہ میں پہنچادیں گے اور آباؤ اجداد کے عمل میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

فصل: بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری طاعت واعمال کی پرواہ ہی کیا ہے۔صاحبو! یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے عمل کی پرواہ نہیں ہے، نہ ان کا کوئی فائدہ۔مگر کیا آپ کو بھی ان منافع کی پرواہ نہیں جو اعمالِ صالحہ پر مرتب ہوتے ہیں اور کیا نیک عمل میں آپ کا بھی فائدہ نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عمل تو آپ کے لیے مقرر ہوا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے نفع کے لیے۔سو اللہ تعالیٰ اگرچہ مستغنی ہیں مگر آپ تو مستغنی نہیں۔اس کی تو بعینہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی مشفق طبیب کسی مریض پر رحم کر کے کوئی دوا بتلادے اور وہ مریض اپنی جان کا دشمن یہ کہہ کر ٹال دے کہ صاحب دوا پینے سے حکیم صاحب کا کیا فائدہ ہوگا، بھلے مانس حکیم صاحب کا کیا فائدہ ہوتا تیرا فائدہ ہے کہ مرض سے صحت ہوگی۔

فصل: ایک شبہ بعض علماء کا یہ ہو جاتا ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کو وعظ و پند کرتے ہیں، ان کے اعمال کا ثواب بھی ہم کو ملتا ہے، وہ اس کثرت سے ہے کہ ہمارے تمام

گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، یا یہ کہ ہم کو ایسے اعمال معلوم ہیں کہ جن کے کرنے سے سینکڑوں برس کے گناہ معاف ہوسکتے ہیں۔ مثلاً سبحان اللہ وبحمدہ سو مرتبہ روزانہ کہہ لینا یا عرفہ یا عاشورہ کا روزہ رکھ لینا یا مکہ والوں کے لیے ایک طواف کر لینا۔

صاحبو! موٹی بات ہے کہ اگر یہ اعمال کافی ہوں تو تمام اوامر ونواہی کا لغو ہونا لازم آتا ہے۔ ادھر احادیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ "اِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَآئِرَ" یعنی یہ اعمال اس وقت سیئات کا کفارہ بن جاتے ہیں جب کبائر سے اجتناب کیا جاوے۔ رہا یہ کہ ہم لوگوں کو وعظ وپند کرتے ہیں۔

صاحبو! ایسے شخص پر تو زیادہ وبال آنے والا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں واعظ بدعمل کے باب میں جو حدیثیں آئی ہیں مشہور ومعروف ہیں۔

فصل: ایک شبہ بعض جاہل فقیروں کو یہ ہوتا ہے کہ ہم ریاضت ومجاہدہ کی بدولت مقام فنا تک پہنچ گئے ہیں۔ اب ہم کچھ رہے ہی نہیں جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے اور ایسی واہی تباہی باتیں کرتے ہیں کہ اچھا خاصہ کفر الحاد ہو جاتا ہے۔ کہیں کہتے ہیں کہ دریا میں قطرہ مل گیا، کہیں کہتے ہیں کہ سمندر کو پیشاب کا قطرہ ناپاک نہیں کرسکتا۔ کہتے ہیں ہم تو خود خدا ہیں، عبادت کس کی اور معصیت کس کی کبھی کہتے ہیں اصل مقصود یاد ہے۔ ظاہری نماز روزہ نرا ڈھکوسلہ ہے جو بہ مصلحت انتظام مقرر ہوا ہے۔ تمام تر باعث ان خرافات کا جہالت ہے۔

ان لوگوں کو حقائق مقامات کا علم تک نہیں اور سلوک ووصول تو کیا خاک میسر ہوا ہوگا، یہ ثمرہ غلو فی التوحید کا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی رسالہ میں اس کی مفصل تحقیق لکھی جائے گی۔ اس مقام پر اتنی موٹی سی بات سمجھ لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی واصل ہوا نہ موحد اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی نے آج تک تعلیم پائی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خوف وخشیت و توبہ واستغفار واجتہاد فی العمل اور اہتمام مخالفت نفس وسزائے اعمال بد کو دیکھ لینا ان شبہات کے دفع ہونے کے لیے کافی ووافی ہے۔ (رسالہ جزاء الاعمال مکمل ہوا)

النجاح فی الاصلاح

یعنی اجزائے دین کی حفاظت کا اہتمام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فضولیات میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔ایک صاحب نے لکھا کہ کیا مولوی ابوالخیر صاحب سے تمہاری کوئی گفتگو ہوئی جس میں وہ عاجز ہو گئے' اس کو ضرور تحریر فرمائیں' میں نے لکھا اگر تم کو وہ گفتگو نہ معلوم ہو تو کیا کچھ ضرر ہے اس پر جواب میں لکھتے ہیں کہ اس سوال میں میرے نزدیک اہمیت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے' میں نے جواب میں اس پر یہ اضافہ لکھا کہ ہاں اس لیے کہ تمہاری ایسی بیہودہ درخواست پر نکیر کرتا رہوں۔اگر میں وہ گفتگو لکھ دیتا خدا جانے اس سے کیا نتائج نکلتے۔اسی طرح ایک شخص نے سوال کیا بے لکھا پڑھا آدمی تھا کہ اگر طالب اپنے شیخ کی صورت کا تصور کیا کرے تو یہ کیسا ہے؟ میں نے لکھا کہ یہ مشغلہ مقصود بالذات ہے بلکہ جس طرح جہلاء میں متعارف ہے وہ تو مقصود بالذات ہے نہ معلوم لوگوں کو ان فضولیات اور خرافات میں کیا لطف آتا ہے یونہی بیہودہ' بے کار وقت کھوتے ہیں کام کی ایک بات نہیں۔ایک بزرگ نے بلاضرورت کسی سے کوئی سوال کر لیا تھا اس پر تنبیہ ہوئی' تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے کیوں فضول سوال کیا' بڑی ضرورت ہے صحبت کامل کی بدون اس کے دین کی حفاظت مشکل ہے۔بزرگوں نے حفاظت دین کا بڑا اہتمام کیا ہے خود حضرات صحابہؓ

کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس حفاظت کا کس قدر اہتمام تھا۔ حضرت علیؓ نے جمعہ کے روز نیا کرتہ پہنا' پھر قینچی لے کر کلائی پر سے آستین کاٹ ڈالی' کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ محض اس لیے کاٹ دی کہ میں اس کو پہن کر اپنی نظر میں اچھا معلوم ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ مشک لیے ہوئے گھروں میں پانی بھرتے پھر رہے ہیں وجہ پوچھنے پر فرمایا کہ رومی قاصد نے میرے عدل کی مدح کی تھی اس کا علاج کرر ہا ہوں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زبان ہاتھ میں لیے اور مارتے دیکھا اور پوچھنے پر فرمایا:

ھذا اوردنی الموارد آخر یہ کیا چیز ہیں؟

اگر صحابہ سے یہ چیزیں منقول نہ ہوتیں تو خشک لوگ یہ کہتے کہ ان صوفیوں کو جنون ہو گیا ہے اور ان کو تو اب بھی کہتے ہیں اتنا اہتمام تھا حضرات صحابہ کو جب کامیابی ہو سکی اب اس کی وجہ ذرا وہ لوگ بتلائیں جو اس طریق کو بدعت کہتے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ ہم نے امراض نفسانی کو پہچانا ہی نہیں اگر پہچانتے تو کچھ تو اہتمام کرتے۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۲ صفحہ ۱۲۱، ملفوظ نمبر ۱۶۱)

اجمع الکلام فی انفع النظام

یعنی نظم اوقات کیلئے دلیل

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو اکثر اہل علم سے بھی امید بہت کم ہوگئی کہ آئندہ ایسے امور کی اصلاح کریں جن میں عام ابتلا ہے کیونکہ یہ لوگ خود ہی قابل تربیت ہیں۔ایک طالب علم آئے تھے مراد آباد سے انہوں نے یہاں سے جا کر اعتراض کے طور پر لکھا کہ تم نے جو اوقات کا انضباط کیا ہے خیر القرون میں یہ انضباط نہ تھا اس لیے بس یہ سب بدعت ہے مگر جواب کے لیے نہ ٹکٹ تھا نہ کارڈ' اگر ہوتا تو میں جواب لکھتا کہ تم نے جو مراد آباد کے مدرسہ میں پڑھا ہے وہاں پر بھی اسباق کے لیے اوقات کا انضباط تھا کہ ۸ بجے تک فلاں سبق اور ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک فلاں سبق اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک فلاں سبق یہ بھی خیر القرون میں نہ تھا۔لہٰذا یہ بھی بدعت ہوا' سو اس بناء پر آپ کا سارا علم جو بدعتی طریق پر حاصل کیا گیا ہے نامبارک اور ظلماتی ہوا بلکہ اگر بدعت کے یہ معنی ہیں جو ان حضرت نے سمجھے ہیں کہ جو چیز خیر القرون میں نہ ہو تو خیر القرون میں تو ان کا بھی وجود نہ تھا پس یہ بھی مجسم بدعت ہوئے کیا خرافات ہے۔ تحصیل علم کرنے والوں کے فہم کی حالت ہے عوام بے چاروں کی تو کیا شکایت کی جائے جب کہ لکھے پڑھے علم کے مدعی اس زمانہ میں بکثرت اس قدر بدفہم اور کم عقل پیدا ہو رہے ہیں ان بزرگ کو بدعت کی تعریف بھی معلوم نہیں یہ انضباط کسی کے اعتقاد میں عبادت تو نہیں اس لیے ان کا خیر القرون میں نہ ہونا اور اب ہونا بدعت کو مستلزم نہیں' میں نے حیات المسلمین روح ہشتم

(نمبر ۳) میں ایسے انتظامات کے متعلق لکھ دیا ہے چنانچہ ایک آیت میں ہے کہ اس بات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اُٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے (کسی کا لحاظ نہیں کرتے (سورۂ احزاب) اسی واسطے خود فرمادیا:

اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا الآیہ

اور اس مقام میں جس طرح شان انتظامی کی تعلیم ہے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر دلالت سے جیسا کہ یستحیی سے معلوم ہوتا ہے اللہ اکبر کیا انتہا ہے آپ کی مروت کی کہ اپنے غلاموں کو بھی یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ اب اپنے کاموں میں لگو مگر یہ لحاظ اپنے ذاتی معاملات میں تھا' احکام کی تبلیغ میں نہ تھا اور اس باب میں بہت نصوص ہیں۔ اب یہاں کے قواعد اور ان ضوابط کے متعلق ایک غیبی لطیفہ سنئے۔ ایک صاحب مخلص اور دوست یہاں پر مہمان ہوئے ان کے ساتھ ان کا ملازم ایک بے ریش لڑکا تھا' قانون یہاں پر یہ ہے کہ شب کو بے ریش لڑکا خانقاہ میں نہیں رہ سکتا مگر چونکہ ان سے بہت خصوصیت کا تعلق تھا اور ان کی نگرانی پر اعتماد بھی تھا اس لیے ان سے کچھ نہیں کہا گیا بلکہ کہتے ہوئے شرمایا۔ غرض یہ کہ وہ شب کو مع اپنے اس ملازم کے خانقاہ میں مقیم رہے۔ صبح کو بعد نماز فجر کہنے لگے کہ رات بڑی ہی طبیعت کو انتشار رہا وہ یہ کہ میں نے رات کو خواب میں حضرت حافظ ضامن صاحب کو دیکھا کہ بہت خفا ہوئے ہیں کہ بے ریش لڑکے کو لے کر خانقاہ میں کیوں قیام کیا' میں نے کہا کہ قانون تو یہاں کا یہی ہے مگر محض آپ کے لحاظ سے اس کا اظہار نہیں کیا گیا مگر آج معلوم ہوا کہ یہاں زندہ ہی منتظم نہیں مردے بھی منتظم ہیں (یہ مزاحاً کہا گیا) پھر میں نے کہا کہ اب سے امرد کو ساتھ مت لانا اور مجھ کو بھی اس خواب پر بڑا تعجب ہوا اس لیے کہ ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ معمول ہے اس لیے قوت متخیلہ کا بھی احتمال نہ تھا۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲ صفحہ ۱۱۹، ملفوظ نمبر ۱۵۸)

ادب الاعلام

ملقب بہ بالکنز النامی

بمناسبت بڑھل گنج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ درکمیپ نرہر پور ضلع گورکھپور مورخہ ۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ روز دوشنبہ شروع ۷ بجے ۳۲ منٹ صبح اور ختم ۸ بجے درراہ بڑھل گنج مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء کو وقت کل ایک گھنٹہ ۱۳ منٹ ماہ صفر ۱۳۳۵ھ میں حضرت والا کا سفر بغرض تبدیل آب و ہوا۔ اور ملاقات اپنے بھائی منشی اکبر علی صاحب منیجر ریاست مجھولی ضلع گورکھپور کے ہوا۔

چونکہ منشی اکبر علی صاحب دورہ پر تھے اور مقام نرہر پور میں قیام تھا اس واسطے حضرت والا وہیں تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایک قصبہ بڑھل گنج قریب میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں کے لوگوں کے اشتیاق ظاہر کرنے کی وجہ سے تجویز ہوئی کہ صبح کو بوقت ہواخوری اسی طرف تشریف لے چلیں۔ چنانچہ منیجر صاحب نے ہاتھی کھنچوادیا اور حضرت والا مع چار خدام کے بڑھل گنج کو روانہ ہوئے۔ ہاتھی پر گھنٹہ بھی تھا راستہ میں اسی پر گفتگو شروع ہوئی اور اس تقریر کو ایسا امتداد ہوا کہ بڑھل گنج پہنچ کر مسجد میں بھی دیر تک منقطع نہ ہوئی۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ تک سلسلہ جاری رہا۔

چونکہ مضمون نہایت معنی خیز تھا اس واسطے دل چاہا کہ یہ تقریر علیحدہ دیگر مواعظ کی طرح ضبط ہو جائے۔ اور احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ اس کا نام بھی علیحدہ

تجویز فرمایا جائے۔ چنانچہ حضرت نے مجموعہ مضامین پر خیال فرما کر ''ادب الاعلام'' نام تجویز فرمایا۔ جس کی مناسبت مطالعہ تحریر ہذا سے بخوبی واضح ہو جائے گی اور بمناسبت بڑھل گنج لقب اس کا کنز نامی تجویز ہوا۔

فرمایا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ گھنٹہ جائز ہے یا ناجائز ترجیح اسی کو دی ہے کہ جائز ہے۔ احقر نے عرض کیا حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی ہے۔ فرمایا اس میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی نے اس کو معلل سمجھا اور کسی نے غیر معلل مجوزین نے علت اس کی تفاخر قرار دی ہے۔ جہاں یہ علت نہ ہو وہاں حکم منع بھی نہ رہے گا۔

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ راستہ والوں کو خبر کرنے کیلئے یا جانور کو نشاط میں لانے کے لئے درست ہے ہاں جہاں کوئی فائدہ نہ ہو اور صرف تفاخر رہ جائے تو درست نہیں جیسے امراء اکثر صرف نمود اور ارفع شان کے لئے لگاتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ایجاد تو غرض صحیح کے لئے تھی اس میں پھر نمود اور تفاخر شامل ہو گیا۔

اور اب تک بھی غرض صحیح اس میں موجود ہے چنانچہ میں نے ایک گاڑی بان سے پوچھا کہ تم لوگ گھنٹہ اور ٹالیں کیوں لگاتے ہو کہا اس سے بیل چلتے زیادہ ہیں اور ہاتھی کے گھنٹہ سے راستہ والوں کی اطلاع کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہے کہ آبادی میں کوئی جائے تو وہ عورتیں پردہ کر لیں جن کے مکانوں کی دیواریں پست ہیں محدثین نے اس کی علت صرف یہ سمجھی ہے کہ جرس سے اس واسطے منع فرمایا گیا ہے کہ دشمن کو خبر نہ ہو جائے یہ علت سوائے جہاد کے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

اس واسطے سوائے مجاہدین کے قافلہ کے اور کہیں ان کے نزدیک منع نہ ہوگا۔ اور فقہاء نے علت تفاخر کو سمجھا لہٰذا جس جگہ بھی یہ علت ہو منع ہوگا تو فتویٰ محدثین کا اس بارہ میں اوسع ہے۔ فقہاء سے محدثین کا مطمح نظر روایت ہوتی ہے اور فقہاء درایت سے کام لیتے ہیں۔ جیسے غنا محدثین کے نزدیک بلا مزامیر جائز ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ''معازف'' کا آیا ہے اور فقہاء کے نزدیک بلا مزامیر بھی جائز نہیں۔

غنا کے متعلق فقہاء و محدثین اور صوفیہ کا اختلاف

کیونکہ وہ علت کو سمجھتے ہیں اور وہ خوف فتنہ ہے۔ وہ جیسے مزامیر میں ہے غنا صرف میں بھی موجود ہے۔ محدثین موقع نص سے تجاوز نہیں کرتے اور فقہا اصل منشاء حکم کو معلوم کر کے دیگر مواقع تک حکم کو متعدی کرتے ہیں (پھر ایک مضمون کے سلسلہ میں محققین کا ذکر ہوا۔ اس پر فرمایا) محقق کی نظر بہ توسیع ہوتی ہے وہ حقیقت کا جویاں ہوتا ہے لایعنی باتوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔

صحابہؓ کا اختلاف تحقیق پر مبنی تھا

صحابہؓ کی شان بھی یہی تھی ان کے آپس کے اختلافات دیکھ کر شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے کیسے اخلاق تھے۔ چنانچہ بعض جاہل ان حضرات پر اعتراض کرتے ہی ہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جہاں موقعہ اتحاد کا ہوتا تھا۔ وہاں ایسے ایک جان دو قالب ہوتے تھے کہ کہیں دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہوں کہ اخلاق ایسے خراب ہوں کہ ایسی ایسی منازعتیں ان میں اور دوسرے وقت وہ ہی حضرات ایسے یکے دل ہو جائیں گویا منازعت کا ان میں مادہ ہی نہیں ضرور ہے کہ وہ منازعت فساد و اخلاق پر مبنی نہ تھی بلکہ تحقیق پر مبنی تھا۔

دو محقق کی رائے مل نہیں سکتی

دو محقق جو انتہا درجہ کے محقق ہوں بہت کم ایک بات پر متفق ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ظاہراً بعید سی معلوم ہوتی ہوگی۔ لیکن بالکل صحیح ہے اور یہ کچھ دین پر موقوف نہیں۔ دنیا کی باتوں میں بھی دیکھ لیجئے۔ کسی فن کو اٹھا کر دیکھئے وہ دو محقق کی رائے کبھی موافق نہ ہو گی۔ طبی مسائل میں جالینوس کی تحقیق اور ہے اور شیخ کی اور ہے اور بقراط کی اور ہے یہ اختلاف کیوں ہے ظاہر ہے کہ یہ سب ائمہ فن تھے اور ان کو طب کی ترقی کی کوشش تھی طب کے ساتھ ان کو عداوت نہ تھی پھر ان کے کیا معنی انصاف کی نظر دیکھا جائے تو یہ

اختلاف اسی اصول پر مبنی ہے کہ دو محقق کی رائے متفق نہیں ہوتی۔

محققین کی شان یہی ہوتی ہے کہ حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے۔اور حقیقت کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں اور احاطہ سب پہلوؤں کا۔

محقق بدتہذیب نہیں ہوتا

یہ خدا کا کام ہے تو ایک ایک پہلو پر نظر جاتی ہے اس لئے ایک دوسرے سے اتفاق نہیں کرتا۔ وسیع النظر اتنا ہوتا ہے کہ دوسرے محقق کی نسبت کوئی برا لفظ بھی کہنا پسند نہیں کرتا ائمہ ومجتہدین کا اختلاف بھی اسی قسم کا ہے کہ آپس میں اتنا اختلاف ہے کہ ایک صاحب ایک چیز کو فرض کہتے ہیں اور دوسرے اسی کو حرام کہتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا اختلاف ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ حالت بھی انہیں کی ہے کہ امام شافعیؒ کا ادب امام ابو حنیفہ کے ساتھ مشہور ہے دیکھئے اتنا اختلاف اور اتنا اتحاد اس اختلاف کی وجہ سوائے غایت درجہ کے محقق ہونے کے کچھ نہیں ہے۔

محقق فضول منازعت سے بچا کرتا ہے اور جاہل سے ہار جاتا ہے

اور محقق ہمیشہ وسیع النظر ہوتا ہے۔اور ایک شان ان محقق کی یہ ہوتی ہے کہ فضول مباحثہ سے بچتا ہے اور غیر محقق اور غبی سے گفتگو نہیں کرتا بلکہ اگر غبی سے گفتگو ہو تو ذرا میں خاموش ہو جاتا ہے جس کو عوام ہار جانا سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اس کے پاس دلیل نہیں ہے اور یہ کہ وہ واقع میں ہار گیا۔

بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناحقیقت شناس کو سمجھانا وہ مشکل سمجھتا ہے اور ہار مان جانے کو سہل سمجھتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک سوانکھا شخص آفتاب کو دیکھ رہا ہے اور ایک مادر زاد اندھا آفتاب کا انکار کر رہا ہے اگر وہ اندھا اس سوانکھے سے الجھے کہ آفتاب کے طلوع کا کوئی ثبوت لاؤ تو وہ کیا ثبوت دے سکتا ہے اس کو یہ کہنا سہل ہے کہ میں ہارا اور تو جیتا۔ آفتاب کو وجود نہ سہی تو اپنے خیال میں خوش رہ۔ میں اپنے خیال میں خوش ہوں اب بتائیے کہ یہ سوانکھا شخص ہارا ہوا ہے یا جیتا ہوا۔

آجکل کے اختلافات کی بنا ہوائے نفسانی ہے

آجکل بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ہم حق کے متلاشی ہیں اور یہ لوگ ائمہ کے ساتھ اختلاف مسائل میں بے ادبی کرتے ہیں۔ اور اس اختلاف کی بناء احادیث کی مخالفت بتلاتے ہیں۔ اگران کے حالات کو دیکھے تو صاف ظاہر ہو جائے کہ تحقیق کا تو پتہ بھی نہیں۔ نہ تحقیق کے لائق علم اور نہ تحقیق کا ارادہ صرف اس مخالفت کی بنا ہوائے نفسانی پر ہے۔ کس درجہ سب وشتم صالحین کے بارے میں کرتے ہیں ائمہ کا اختلاف تو بلاشبہ اختلاف امتی رحمۃ میں داخل تھا۔ اور ان لوگوں کا اختلاف وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ کی جنس سے ہے۔

آجکل خیریت اتباع میں ہے

آجکل خیریت ہے تو سلف کے اتباع میں ہی ہے اور رائے کو دخل دینے میں مفاسد ہی مفاسد ہیں تجربہ ہے کہ اتباع سے نکل کر آدمی بڑی دور پہنچتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اسلام سے نکل جاتا ہے۔ حدیث کذب حضرت ابراہیم صحیح ہے۔

دیکھئے رائے پر عمل کرنے سے بڑے بڑوں سے ایسی غلطی ہوتی ہے کہ امام رازی نے حدیث لم یکذب ابراھیم الاثلث کذبات سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے کہ کذب انبیاء علیہم السلام سے محال ہے اور جمہور نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کذب میں تاویلیں کی ہیں۔ امام رازی نے تو اپنے نزدیک بڑا کام کیا کہ تاویل کی ضرورت ہی نہیں رکھی۔ لیکن کس قدر فاحشہ غلطی کی۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی حدیث کو جو سند صحیح سے ثابت ہے ایسے اشکالوں کی وجہ سے رد کر دیا جائے تو اس کا باب مفتوح ہوتا ہے کہ ہر شخص کو مجاز ہو گا کہ جس حدیث میں اپنے نزدیک کوئی اشکال پائے اس کو رد کر دے اس سے تمام دین کی اساس ہی منہدم ہوتی ہے ایسے امام سے یہ غلطی کس وجہ سے ہوئی صرف اتباع رائے سے۔

حضرت والا کا ایک خواب

میرا ایک خواب ہے جو موافقت قواعد صحیحہ کی وجہ سے میرے نزدیک خوب ہے اور اس سے اچھا فوٹو اس مبحث کا شاید ہی ملے میرے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور یہ زمانہ طالب علمی دیوبند کا ذکر ہے کہ غیر مقلد اپنے ہر مدعا پر حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو ہمارے امام کے خلاف ہوتی ہے۔ شاید ان کا ہی طریق حق ہو۔

خواب دیکھا کہ میں دہلی میں ایک محدث میاں صاحب کے مکان پر ہوں دیکھا کہ وہاں چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے۔ مجھے چھاچھ کا شوق ہے انہوں نے مجھے بھی دی مگر میں نے نہیں لی بس آنکھ کھل گئی معاً تعبیر ذہن میں آئی کہ علم کی صورت رویا میں لبن ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور چھاچھ کی صورت تو دودھ کی ہے۔

مگر حقیقت بالکل متغائر ہے معنی اور مغز اس میں نہیں پس یہ سمجھ میں آیا کہ ان کا طریقہ صورت دین تو ہے مگر اس میں معنی دین بالکل ندارد ہے۔

امام صاحب نے حدیث کے معنی اور مغز پر نظر رکھی ہے

یہ لوگ امام صاحب پر خلاف حدیث کا اعتراض کرتے ہیں امام صاحب نے بھی حدیث کے خلاف کوئی بات نہیں کہی مگر معنی اور مغز کو لے کر اور یہ لوگ صرف صورت سے شبہ کرتے ہیں تو یہ معارضہ، معارضہ حدیث نہ ہوا بلکہ معارضہ معنی و صورت حدیث ہوا۔ اور ایسا ممکن ہے جیسا کہ میں چند نظیروں میں دکھاتا ہوں۔

مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غلام پر حد جاری نہ کی اس سے کوئی ظاہر میں کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حدیث کی مخالفت کی جیسا کہ یہ لوگ ہر بات میں امام صاحب کو طعنہ دیتے ہیں کہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن معنی فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علی نے گو ظاہر حدیث کی مخالفت کی لیکن حقیقت میں مخالفت نہیں کی۔ اور ان کو یہی کرنا چاہئے تھا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اسی کی تصویب فرمائی حضرت علیؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ از روئے کتاب وسنت غیر زانی پر حد نہیں ہو سکتی جب کہ وہ غلام مقطوع الذکر تھا تو اس سے زنا ممکن ہی نہ تھا پھر حد کیسی۔ انصاف سے کہئے کہ تعمیل حدیث یہ ہے یا وہ ہوتی اسی طرح امام صاحب کے اقوال ہیں کہ وہ مغز حدیث پر مبنی ہیں اور ان لوگوں کے اقوال صرف صورت حدیث پر مغز کا نام بھی نہیں اور وہ بھی دو چار مسئلوں میں۔

قنوج کا قصہ

میں نے قنوج میں ایک مرتبہ وعظ کہا اور کچھ رسوم مروجہ کے متعلق گفتگو کی منصف غیر مقلدوں نے کہا کہ آج معلوم ہوا کہ متبع سنت ہم بھی نہیں صرف دو چار سنن پر عمل کر رکھا ہے۔ اسی طرح ایک غیر مقلد گندھی نے کہا کہ ہم لوگوں میں احتیاط بالکل نہیں ہے ہمارا عمل بالحدیث صرف آمین بالجہر اور رفع یدین میں ہے اس کے سوا کسی عمل کی طرف ہمارا ذہن ہی نہیں جاتا۔ چنانچہ میں عطر میں تیل ملا کر بیچتا ہوں اور واقعی متقی جس کو کہتے ہیں وہ ان میں ایک بھی نہیں۔ الا ماشاء اللہ یہ کیسی گہری بات ہے اس میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیوں ان میں متقی نہیں ہوتے جبکہ ہر بات میں عمل بالحدیث کا دعویٰ ہے وجہ یہی ہے کہ کسی ایک کے پابند نہیں ہیں۔ ذرا کوئی بات پیش آئی سوچ کر کسی ایک روایت پر عمل کر لیا اور روایتوں میں سے انتخاب کرنے کے لئے اپنی رائے کو کافی سمجھا۔ پس اس کو صورۃً تو چاہئے کوئی اتباع حدیث کہہ لے مگر جب اس کا منتہا رائے پر ہے تو واقع میں اتباع رائے ہی تو ہوا۔ اتباع ہونے سے بچنا جب ہی ہوتا ہے جب ایک سے بندھ جائے۔ ورنہ نرے دعوے ہی دعوے ہیں مقلدین میں بہت سے لوگوں کی حالت اچھی نکلے گی۔ بخلاف غیر مقلدین کے کہ کوئی شاذ و نادر ہی متقی نکل آئے تو نکل آئے ورنہ بہت سے حیلہ جو اور نفس پرور ہیں۔

ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بندھتا ہے نفس ورنہ چھچھوندر کی طرح یہ ہانڈی جا سونگھی وہ ہانڈی بھی جا سونگھی۔ یوں کوئی محتاط بھی نکل آئے۔ لیکن حکم اکثر پر ہوتا ہے

اچھے اچھوں کے حالات ٹٹول کر دیکھ لئے ہیں۔ اتقا ایک میں بھی نہ پایا۔ الا ماشاء اللہ اس کا اقرار خود ان کے گروہ کو بھی ہے۔

احوط پر عمل کرنے والے کو ترک تقلید جائز ہے مگر مستلزم مفاسد ہے۔

ہاں اگر کوئی احتیاط کرے اور مختلف اقوال میں سے احوط پر عمل کرے تو اس کو اتباع نفس دنیوی نہ کہیں گے اور اس میں فی نفسہ کوئی حرج بھی نہیں لیکن اول تو ایسا کرتا کون ہے اور یہ بہت مشکل ہے کوئی کر کے دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر دشواریاں پیش آئیں گی۔ اور ایسے محتاط کو بھی اجازت اس واسطے نہ دیں گے۔ کہ دوسروں پر اثر برا پڑتا ہے اس کی احتیاط کی تقلید تو کوئی نہ کرے گا ہاں اس کی عدم تقلید کی تقلید کر لیں گے۔ اور پھر وہی اتباع ہوئی باقی رہ جائے گا۔

ہاں اگر یہ شخص گمنام جگہ ہو اور اطمینان ہو کہ دوسروں پر اثر نہ پڑے گا تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے۔ اگر اس کی نیت سچی ہے اور خوف خدا سے احوط کو اختیار کرتا ہے تو کچھ حرج نہیں لیکن ایسی نظیر شاید ایک بھی ملنا مشکل ہے یہ صرف توسیع عقلی ہے۔

عامی آدمی قول امام معارض نہیں کہہ سکتا

مفتی صاحب نے پوچھا کہ اگر عامی شخص کو کسی مسئلہ میں ثابت ہو جائے کہ مجتہد کا قول حدیث کے خلاف ہے تو اس وقت میں حدیث پر عمل کیوں جائز نہ ہوگا۔ ورنہ حدیث پر قول مجتہد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ فرمایا یہ صرف فرضی صورت ہے عامی کو یہ کہنے کا منصب ہی کہاں ہے کہ مجتہد کا قول حدیث کے معارض ہے۔ اس کو حدیث کا علم مجتہد کے برابر کب ہے۔ نیز وہ تعارض اور تطبیق کو مجتہد کی برابر کیسے جان سکتا ہے تو اول تو یہ صورت فرضی ہے کہ قول مجتہد حدیث کے معارض ہو۔ پھر میں تنزل کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس عامی شخص کا قلب گواہی دیتا ہو کہ اس مسئلہ میں مجتہد کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ترک تقلید جائز نہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ طبیب سے نسخہ لکھواتے ہیں تو اس نسخہ کو غلط کہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ عامی تو عامی کوئی دوسرا

طبیب بھی اس نسخہ کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ دوسرا نسخہ دوسرا طبیب تجویز کردے۔

لیکن اس نسخہ کو غلط کہنے کا مجاز نہیں اس وقت تک کہ اس نسخہ کو بالکل صریح غلط ثابت نہ کرسکے۔ دوسری تجویز کے بہت سے وجوہ ہوسکتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی ایک وجہ ہوتی ہے کہ ایک دہلی کا تعلیم یافتہ ہے دوسرا لکھنؤ کا، لکھنؤ کا طرز مطب اور ہے اور دہلی کا اور ہے۔ اور اوزان ادویہ میں بھی فرق ہے تو ایک دہلی کے تعلیم یافتہ کو لکھنؤ کے نسخہ کو صرف اس وجہ سے غلط کہہ دینا کہ اس کے اوزان میں فرق ہے کیسے درست ہوسکتا ہے۔ علیٰ ہذا مجتہدین کے اختلاف کے وجوہ بھی بہت ہیں۔

وجوہ اختلاف کا اختصار نہیں ہوسکتا

بعض وقت رائے کا اختلاف موضع کے اختلاف سے بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ امام شافعی صاحب کا فقہ جدید اور ہے اور قدیم کے منضبط کرنے کے بعد انہوں نے مصر کا سفر کیا تو بہت سے اقوال میں تغیر کرنا پڑا۔ جیسا کہ فقہ کے ماننے والوں سے پوشیدہ نہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ سفر کرنے سے دلیلیں بدل گئیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ سفر سے لوگوں کے حالات کا تجربہ مزید حاصل ہوا جس سے بہت سے مواقع حرج کے معلوم ہوئے جو پہلے معلوم نہ تھے۔ پہلے حکم اور تھا۔ اور حرج معلوم ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ حکم بدلنا ضرور ہوا۔ اسی طرح بہت سی رایوں میں اختلاف ہوا غرض وجوہ اختلاف کا احصاء مشکل ہے لوگوں نے اس کے واسطے قواعد منضبط ضرور کئے ہیں۔

اُصول فقہ محیط نہیں

(جن کو اصول فقہ کہتے ہیں۔) لیکن وہ قواعد خود محیط نہیں اس کی مثال علم نحو کی ہے جس میں کلام کی ترکیب کے قواعد منضبط کئے گئے ہیں اور یہ علم بہت مفید ہے لیکن اس کے انضباط کا مقصود یہ نہیں کہ اہل زبان اس کے پابند ہوں اور اس لئے اس کا احاطہ پورا کیا گیا ہو۔ بلکہ محض غیر اہل زبان کے واسطے اہل زبان کا کلام سمجھنے اور ان کے ساتھ مکالمت کرنے کا آلہ ہے۔ پس اگر اہل زبان سے کوئی ایسا کلام ثابت ہو

جائے۔ جس میں قواعد نحو جاری نہ ہوسکیں۔ تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ کہ اہل زبان نے غلطی کی۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ علم نحو میں اتنا نقصان تھا کہ یہ قاعدہ ضبط سے رہ گیا ہے اسی طرح مجتہد کو اصول فقہ سے الزام دینا صحیح نہیں ہوسکتا۔

بلکہ ایسے موقعہ پر جہاں مجتہد کا قول اصول پر منطبق نہ ہوتا ہو یہ کہنا چاہئے کہ علم اصول ناقص رہا۔ اس تقریر کے بعد یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اس کے قول کی کوئی دلیل نہیں اس واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر قلب ذرا بھی گواہی دے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل ہوگی تو ترک تقلید جائز نہ ہوگا۔

اگرچہ امکان عقلی میں یہ بھی ہے کہ مجتہد کے پاس دلیل نہ ہو یا اس نے غلطی کی ہو۔ جیسے کہ درجہ امکان میں یہ بھی ہے کہ طبیب کیسا ہی بڑا ماہر کیوں نہ ہو غلطی کر سکتا ہے لیکن اگر ایسی فرض صورتوں سے مجتہد کا اتباع چھوڑ دیا جائے۔ تو کارخانہ دین درہم برہم ہو جائے۔ جیسا کہ اسی کی نظیر یعنی امر معالجہ میں یہ فرضی صورت جاری کرنے سے کہ طبیب معصوم نہیں ہے غلطی کر سکتا ہے۔ اور اس کا اتباع چھوڑ دینے سے امر معالجہ درہم برہم ہوتا ہے۔ وہاں تو امر معالجہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے یہ بات عام طور سے مان لی گئی ہے کہ طبیب زہر بھی کھلا دے تو چون وچرا بھی نہ کرنا چاہئے۔

حالانکہ یہ عقل کے خلاف ہے جب کہ ایک چیز کو زہر کہا تو زہر کے معنی قاتل نفس ہے پھر اس کے کھانے کے جواز کے کیا معنی۔ مگر اس جملہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ زہر جو طبیب کھلاتا ہے اس کو نہ اس واسطے کھالینا چاہئے کہ وہ زہر ہے بلکہ اس واسطے کہ گو وہ صورۃً زہر ہے مگر حقیقت میں زہر نہیں۔ طبیب پر اطمینان ہے کہ وہ قاتل نفس شے نہ کھلائے گا۔ اسی طرح جب ایک شخص کو مجتہد مانا گیا تو (لفظ تو برا ہے) مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو اس کے زعم میں خلاف دلیل بات بھی بتلائے تو کر لی جائے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ طبیب زہر بھی کھلائے تو کھالینا چاہئے۔

جو تاویل وہاں تھی وہ ہی یہاں بھی ہے کہ طبیب زہر نہیں کھلائے گا۔ ایسا ہی مجتہد

خلاف دلیل بات نہ بتلائے گا پھر یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے یہ کہا اگر قلب ذرا بھی گواہی دے کہ مجتہد کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہوگی تو ترک تقلید جائز نہیں البتہ کوئی متبحر عالم اگر کسی مسئلہ کو خلاف دلیل سمجھے تو اس کا سمجھنا معتبر نہ ہوگا۔

مجتہد کس کو کہتے ہیں

اس پر مفتی صاحب نے پوچھا کہ مجتہد کس کو کہتے ہیں جبکہ ایک شخص کو مسئلہ کا علم دلیل سے ہے تو اس مسئلہ کا یہ بھی مجتہد ہے پھر یہ کیسے کہا جائے گا کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید لازم ہے جواب دیا کہ لغۃً تو ہر شخص کچھ نہ کچھ مجتہد ہے اس بناء پر تو تقلید سے آزاد کرنے کا انجام یہی ہے کہ تقلید بالکل نہ رہے۔

حالانکہ یہ بلانکیر جاری ہے۔ اس کی ایک مثال ہے کہ مالدار ہمارے عرف میں کس کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مالدار ہے میں پوچھتا ہوں ایسا کون شخص ہے جو مالدار نہیں لغۃً تو مالدار وہ شخص بھی ہے جس کے پاس ایک پیسہ یا ایک پھوٹی کوڑی بھی ہو تو جو احکام مالداروں کے ساتھ متعلق ہیں دنیا کے ہوں یا دین کے ہر ہر شخص پر جاری ہونے چاہئیں۔ زکوٰۃ کا مطالبہ بھی ہونا چاہئے۔

اور خراج اور محصول بھی بادشاہ کو ہر شخص سے لینا چاہئے **"فما هو جوابكم فهو جوابنا"** اسی طرح لغۃً مجتہد ہر شخص سہی لیکن وہ مجتہد جس پر احکام اجتہاد جاری ہو سکیں اس کے واسطے کچھ شرائط ہیں جن کا حاصل ایک ذوق خاص شریعت کے ساتھ حاصل ہو جانا ہے جس سے وہ معلل اور غیر معلل کو جانچ سکے اور وجوہ دلالت یا وجوہ ترجیح کو سمجھ سکے اور یہ اجتہاد ختم ہو گیا۔ پس ایک مسئلہ کی دلیل جان لینے سے اس مسئلہ کو وہ محقق تو نہیں ہو گیا۔ پھر وہ محقق کے اتباع کو کیسے چھوڑے گا۔

جیسے کہ محدث درجہ عبور میں ہر شخص ہو سکتا ہے۔ لیکن کمال اس کا بعض افراد پر ختم ہو گیا۔ اب کوئی محدث موجود نہیں ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ آجکل جو

لوگ اجتہاد کے مدعی ہیں ان سے ایسی فاحش غلطیاں ہوتی ہیں کہ ہر شخص کا قلب ان کے غلطی ہونے کو تسلیم کرتا ہے جیسے کہ آجکل کوئی کچھ سندیں بنا کر محدث بننا چاہے تو اس کی محدثیت تسلیم نہیں کی جاتی آجکل تو سلامت اسی میں ہے کہ اجتہاد کی اجازت نہ دی جائے۔ نظم دین جو کچھ ہو گیا اس سے اس میں بڑا خلل پڑتا ہے میں تو کہتا ہوں کہ آجکل وہ زمانہ ہے کہ اگر کسی کام کو درجہ اولویت پر کرتے ہیں۔ عوام کے فساد کا احتمال ہو تو اس وقت خلاف اولیٰ کرنے والا مثاب ہوگا۔

نظیر اس کی قصہ حطیم ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ یہ میری تقریر ایسی ہے جس سے تقلید کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین ہی نے دین کی حقیقت کو سمجھا ہے پس جو لوگ تارک تقلید ہیں وہ کہنے کو تو ائمہ کے خلاف ہیں مگر درحقیقت دین کے خلاف ہیں اس کی بنا صرف خودرائی پر ہے اور اتباع ہوئی اور اعجاب سب جانتے ہیں کہ مہلک چیزیں ہیں جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ تارکین تقلید میں اکثر یہ دونوں مرض رگ وپے میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ ہم سے بڑوں نے اور ان لوگوں نے جن کا علم مسلم ہے کیوں تقلید کو اختیار کیا اسلئے کہ ہماری رائے متہم اور غلط ہے تقلید شخصی چھوڑ کر گنجائشیں نکالی جائیں تو نتیجہ اس کا بہت جلد آزادی نفس پیدا ہو جاتا ہے۔

اجتہاد کا ثبوت

ان میں سے بعض کے نزدیک اجتہاد کوئی چیز ہی نہیں۔ بدون نص کے ان کے نزدیک کوئی حکم ہی ثابت نہیں حالانکہ احادیث میں اس کے ثبوت بہت ملتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عمرؓ کا ذوق اجتہادی ہے۔

جس پر ایسا اطمینان ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بشارت سے روک دیا اور یہ روکنا عند اللہ مقبول رہا۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نص پر ترجیح نہیں ہو سکتی مگر ان کے ذوق اجتہادی نے ہی بتا دیا تھا کہ یہ

بشارت نظم دین میں مخل ہوگی اور باوجود ابو ہریرہؓ کے دلیل پیش کرنے کے اس شد و مد سے تردید کی کہ ان کو دھکا دے کر گرا بھی دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سارا قصہ پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر مجرم کیوں نہ ہوئے۔ اس قصہ کے اجتہاد کا بدیہی ثبوت ملتا ہے کہ یہ کوئی کچا محل نہیں ہے دین کا۔ اہل اجتہاد نے من گھڑت باتوں پر بناء نہیں رکھی ہے ان کے یہاں خود رائی کا تو کام ہی نہیں جیسے کہ مجتہدین دوسروں کو پابند بناتے ہیں خود بھی پابند ہیں کوئی بات بلا حدیث وقرآن کے نہیں کہتے تو ان کی تقلید، تقلید قرآن وحدیث ہوئی۔

نام اس کا چاہے کچھ رکھ لو جیسا صرف ونحو پڑھنے والا اولاً تو مقلد ہے اخفش اور سیبویہ کا لیکن اخفش وسیبویہ خود موجد زبان نہیں۔ بلکہ مقلد ہیں اہل زبان کے اس واسطے صرف ونحو پڑھنے والا درحقیقت مقلد ہوا۔ اہل زبان کا یہ کیسی غلطی ہے کہ مقلد فقہاء کو تو تارک قرآن وحدیث کہا جائے اور مقلد اخفش وسیبویہ کو تارک زبان نہ کہا جائے یہ مضامین یاد رکھنے کے ہیں ہر وقت ذہن میں نہیں آتے۔ ابن تیمیہ کی کتاب ہے "**دفع الملام عن الائمة الاعلام**" اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ وجوہ دلالت کے اسقدر کثیر ہیں کہ کسی مجتہد پر یہ الزام صحیح نہیں ہوسکتا۔ کہ اس نے حدیث کا انکار کیا یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن القیم استاد شاگرد ہیں۔

دونوں بڑے عالم ہیں بعض افاضل کا ان کے بارے میں قول ہے کہ "**علمهما اكثر من عقلهما**" یہ دونوں حنبلی مشہور ہیں۔ مگر حنبلی ہیں نہیں ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے خود مجتہد ہونے کے مدعی ہیں۔ ایسا محقق کسی بات میں ائمہ مجتہدین کے خلاف کرے تو مضائقہ بھی نہیں اور یہ تھوڑا ہی ہے کہ بولنے تک کی تمیز نہیں۔ اور ائمہ کے منہ آنے لگے ایک شخص کہتا تھا کہ بلا قراءت فاتحہ نماز کیسے ہوسکتی ہے حدیث میں تو ہے کھداج (خداج خداج) ایسے بیہودوں سے تو کلام بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا ایک صاحب کنیدہ میں ملے اور پوچھا کہ ترک فاتحہ پر کیا

دلیل ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایسی ہی لیاقت رکھتے ہیں جیسے کھداج والا تھا مجھے سخت گراں گذرا کہ ان کے ساتھ کیا مغز ماروں میں نے کہا پہلے یہ بتائیے کہ یہ مسئلہ اصول میں سے ہے یا فروع میں سے کہا فروع میں سے ہے میں نے کہا آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دین کی تحقیق کی طرف خاص توجہ ہے۔

جبکہ ایک فروعی مسئلہ کی طرف اس قدر توجہ ہے تو اصول کی طرف اور زیادہ ہوگی اصول کی تو آپ شاید پوری تحقیق کر چکے ہوں گے۔

اور اب فروع کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ پس اصل الاصول توحید ہے اس کو آپ ضرور دلیل سے تحقیق کر چکے ہوں گے اگر ایسا ہے تو میں چند شبہات توحید پر پیش کرتا ہوں ذرا ان کا حل تو کر دیجئے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ توحید کو کسی کی تقلید سے مان لیا ہے تو آپ دلیل سے تحقیق نہیں کر سکتے تو بڑے تعجب کی بات کہ اصول میں تو تقلید کی اور فروع میں تقلید نہیں کرتے۔ حالانکہ اصول زیادہ اہم ہیں۔ تقلید سے خلع عنان کرنا اول تو مجتہدین کی سب وشتم کی طرف مفضی ہوتا ہے پھر صحابہ کے سب وشتم کی طرف پھر سب رسول کی طرف پھر حق تعالیٰ پر بھی کبھی نوبت پہنچتی ہے۔

ایک گستاخ غیر مقلد کا قصہ

مولانا فتح محمد صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ ایک غیر مقلد حدیث پڑھا رہے تھے اور جہاں حدیث کی تاویل نہ بن آتی تو کہتے تھے تعجب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کچھ فرما دیتے ہیں کہیں کچھ فرما دیتے ہیں۔ یہ کیا فرمادیا یہ نتائج ہیں آزادی کے اس سے عار آتی ہے کہ ہم کسی کے محکوم کہے جائیں۔

خیر صاحب انہیں مجتہدین کی محکومیت سے عار ہوگی۔ ہمیں تو بہت سوں کے حکومت میں رہنا پسند ہے امام ابو حنیفہؒ کی بھی حکومت ہے ماں باپ کی بھی حکومت ہے شیخ طریقت کی بھی حکومت ہے۔ یہ بات نفس کے چاہے خلاف ہو۔ مگر یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ ہمارے اتنے مصلح ہیں نفس وشیطان ہمارا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بخلاف

ان کے ائمہ کی حکومت میں سے تو نکل گئے اور شیطان کی حکومت میں آ گئے۔ ہم جن کے محکوم ہیں وہ سب ہمارے خیر خواہ ہیں۔ اور یہ جس حکومت میں گئے وہ عدو مبین ہے اپنی اصلاح کے لئے اپنے اوپر کسی کو بھی اعتماد نہ چاہئے۔ دیکھو حضرت عمرؓ جیسے مبصر نے اس شخص سے کیا کہا۔ جس نے کہا تھا کہ اگر تم بگڑو گے تو ہم اس تلوار سے تم کو سیدھا کریں گے۔ تو فرمایا الحمدللہ میں ایسی قوم میں ہوں جس میں میرے محافظ بہت سے موجود ہیں۔ بیعت مروجہ میں یہی مصلحت ہے کہ جانبین کو خیال ہو جاتا ہے دونوں کو ایک دوسرے سے اعانت کی امید ہوتی ہے۔

حکایت ایک دیہاتی آدمی مجھ سے بیعت ہوا۔ میں نے پوچھا بیعت کی تمہارے نزدیک کیا ضرورت ثابت ہوئی۔ نماز روزہ تو بلا اس کے بھی کیا جا سکتا ہے کہا میں بیعت اس واسطے ہوا ہوں کہ ویسے تو ذرا سستی بھی نماز روزہ میں ہو جاتی ہے بیعت سے ذرا خیال ہو جاتا ہے کیا کام کی بات ہے۔

تقریر ادب الاعلام ختم ہوئی

اسی سفر میں اس سے تیسرے دن یعنی بتاریخ ۲۳ رصفر ۱۳۳۵ھ روز بدھ اسی مقام پر بڑھل گنج میں ایک مختصر سی تقریر ہوئی جس میں تقلید کی بحث ہے وہ بھی یہاں درج کی جاتی ہے۔

محکمہ تعلیم کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں؟

سوال: (یہ تقریر سفر نامہ گورکھپور کے بیضہ میں بھی موجود ہے۔ (ص ۶۷/۷)

محکمہ تعلیم کے مصارف محکمہ چنگی سے پورے ہوتے ہیں تو محکمہ تعلیم کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں۔ فرمایا استیلاء کافر موجب ملک ہے...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں بھی مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہی کام آتا ہے۔

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت کسی کے فقہ پر نہیں چل سکتی سوائے فقہ حنفی کے ایک سیاسی شخص کا یہ کہنا ضرور بڑے تجربہ کی خبر دیتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عجیب

نظر ہے دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلات لہو کا توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ ڈالے تو ضمان لازم آئے گا۔

احتساب سلطان کر سکتا ہے

یہ کام سلطان کا ہے وہ احتساب کرے اور توڑے پھوڑے۔ اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے سوائے سلطان کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں جنگ وجدل وفتنہ ہو جاتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ علی ہذا اقامت حدود سلطان ہی کے ساتھ ہیں فقہ بڑی مشکل چیز ہے فقیہ کو جامع ہونا چاہیے فقیہ بھی ہو محدث بھی ہو متکلم بھی ہو۔ سیاسی دماغ بھی رکھتا ہو۔ بلکہ کہیں کہیں طب کی بھی ضرورت ہے بعضے امور میں تشریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے فقہ بڑی مشکل چیز ہے۔

غیر مقلد اشتعال دلاتے ہیں

مگر آجکل بعض لوگوں نے اس کی کیا قدر کی ہے کہ فقہا پر سب وشتم کرتے ہیں یہ گروہ نہایت درجہ مفسد ہے۔ یہ لوگ جان جان کر فساد کرتے ہیں۔ اور اشتعال دلاتے ہیں۔ بعض وقت تو ذرا سی بات میں فتنہ ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے کہا حضور ہاں ایک جگہ مقلدین کی جماعت میں ایک غیر مقلد آ گیا۔ اور آمین زور سے کہی تو اس پر بڑا فساد ہوا۔ اور پولیس تک نوبت پہنچی اور مقدمہ کو بڑا طول ہوا۔ فرمایا حضرت والا نے اس پر جنگ وجدل کرنا ہے تو زیادتی لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ عمل کچھ ہو مگر جس نیت سے کیا جائے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

اگر اس نے خلوص سے اور عمل بالسنت کی نیت سے کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ غیر مقلدین کی آمین اکثر صرف شورش اور مقلدین کے چڑانے کیلئے ہوتی ہے۔ میرے بھائی محمد مظہر نے قنوج میں غیر مقلدین کی آمین سن کر کہا آمین تو دعاء ہے اس میں خشوع کی شان ہونی چاہیے اور ان لوگوں کے لہجہ میں خشوع کی شان نہیں ہے خود

سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی کو چھیڑتے ہوں اس نے عرض کیا کہ یہ واقعی بات ہے مقدمہ مذکور جب پولیس میں پہنچا تو ایک ہندو تھانیدار اس کی تحقیقات پر تعینات ہوا وہ بہت سمجھدار تھا اس نے فساد کا الزام غیر مقلد ہی پر رکھا۔ اور رپورٹ میں لکھا کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں اور بلاوجہ اشتعال دلاتے ہیں اور آمین صرف فساد اٹھانے کیلئے کہتے ہیں۔ اس پر غیر مقلدین نے بڑا غل مچایا۔ اور کہا کہ آمین مکہ میں بھی ہوتی ہے۔ داروغہ نے کہا کہ مکہ میں آمین خدا کی یاد کے لئے ہوتی ہوگی دنگے کیلئے نہ ہوتی ہوگی یہاں دنگے کے لئے ہے فرمایا میرا شریک حجرہ ایک لڑکا بیان کرتا تھا کہ ایسے ہی ایک موقعہ پر ایک انگریز نے تحقیقات کی اور اخیر میں گویا تمام واقعہ کا فوٹو کھینچ دیا۔ اور کہا آمین تین قسم کی ہیں ایک آمین بالجہر اور اہل اسلام کے ایک فرقہ کا وہ مذہب ہے۔

اور حدیثیں بھی اس کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اور ایک آمین بالسر ہے اور وہ بھی ایک فرقہ کا مذہب ہے۔ اور حدیثوں میں بھی موجود ہے۔

اور تیسرے آمین بالشر ہے جو آجکل کے لوگ کہتے ہیں۔

عدم حد بنکاح بالمحرمات پر اعتراض

اس شخص نے بیان کیا کہ ہندو داروغہ کے سامنے غیر مقلدوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کیا کہ امام صاحب قائل ہیں کہ اگر کوئی محرم عورت سے نکاح کر لے اور وطی کرے تو اس پر حد واجب نہیں یہ کیسی غلطی ہے۔ فرمایا حضرت والا نے اسی مسئلہ میں امام صاحب پر فدا ہو جانا چاہئے اس کے بیان کے لئے دو مقدموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ حدیث میں ہے ادرؤا الحدود بالشبہات ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا یہ کہ شبہ کس کو کہتے ہیں۔ شبہ کہتے ہیں مشابہ حقیقت کو اور مشابہت کے لئے کوئی وجہ شبہ ہوتی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں۔ کبھی مشابہت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف امام صاحب نے حدود کے ساقط کرنے کے لئے ادنیٰ درجہ کی مشابہت کو بھی معتبر مانا ہے اور صرف نکاح کی صورت پیدا ہو جانے سے کہ باوجود حقیقت نکاح نہ ہونے کے

مشابہ ہے تو نکاح کے۔ حد کو ساقط کر دیا۔ انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کس درجہ عمل بالحدیث ہے بات یہ ہے کہ ایک صحیح معنیٰ کو برے اور مہیب الفاظ کی صورت پہنا دی گئی ہے۔ اس فتویٰ کی حقیقت تو غایت درجہ کا اتباع حدیث ہے۔

لیکن اس کو بیان اس طرح کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ امام صاحب نے نکاح بالمحرمات کو چنداں برا نہیں سمجھا۔ اس کے سوا اور بھی چند مسائل اسی طرح بری صورت سے بیان کر کے اعتراض کیے جاتے ہیں۔ مسئلہ مذکور پر اعتراض جب تھا کہ اس پر امام صاحب پر کوئی زجر واحتساب تجویز نہ کرتے ایسے موقعوں پر جہاں حد کو فقہاء ساقط کرتے ہیں۔

تعزیر کا حکم دیتے ہیں ایسے موقعے تمام ائمہ کے نزدیک بہت سے ہیں کہ شبہ سے حد ساقط ہو گئی۔ آخر حدیث ادرؤا الحدود بالشبہات کی تعمیل کہیں تو ہو گی۔ اور کوئی موقعہ تو ہو گا۔ جہاں اس کو کر کے دکھایا جائے۔ کیا غضب ہے جو شخص حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھے وہ کس قدر عامل بالحدیث ہے فدا ہو جانا چاہئے ایسے شخص پر تعجب ہے کہ امام مالک صاحب خبر واحد پر بھی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کو لوگ عامل بالحدیث کہتے ہیں اور امام صاحب حدیث ضعیف پر بھی قیاس کو مقدم نہیں رکھتے اور ان کو تارک حدیث کہا جاتا ہے فقط۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۲۰، صفحہ ۲۵۴)

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

⑩

سیاسیات پر مشتمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل

دفع بعض الشبہات علی السیاسیات من الآیات

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الأسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الأسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

بعض لوگ علماء حق پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ وہ سیاسیات حاضرہ میں مسلمانوں کی قیادت کیوں نہیں کرتے؟ اس رسالہ میں حضرت والا رحمہ اللہ نے آیات قرآنیہ کے دلائل سے یہ بیان فرمایا ہے کہ سیاست میں علماء کو کس حد تک دخل دینا چاہیے اور کس سیاست سے دور رہنا چاہیے۔

دفع بعض الشبہات
علی السیاسیات من الآیات

(۲)(آیات قرآنی سے سیاست کے امور پر کچھ شبہات کا جواب)

حامداً ومصلیاً۔ اس وقت عام طور سے علماء حق پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ سیاسیات حاضرہ میں مسلمانوں کی قیادت کیوں نہیں کرتے اور اس کی بنا ایک غلط مقدمہ پر ہے وہ یہ کہ سیات ایک (۳) (سیاست انتظام کو کہتے ہیں مگر عرف میں ملک کے انتظام کا نام ہوگیا ہے اس انتظام کی دو صورتیں ہیں ایک آج کل رواجی یورپی سیاست جس میں دھوکا' دغا' بدعہدی' جھوٹ' فریب ظاہر باطن کا اختلاف' جائز ناجائز ہر طریقہ سے مقصود کی کوشش' دوسروں کی غیبت' تذلیل' جھوٹے الزامات وغیرہ وغیرہ باتیں ہیں اور سب کے علم میں ہیں۔ دوسری اسلامی سیاست یعنی انتظام مملکت کے شرعی قاعدے' عام طور سے لوگ جو سیاست کو خود اسلام اور شریعت کا حصہ سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ پہلی صورت یعنی یوری سیاست کو اسلام سے کوئی واسطہ ہی نہیں وہ تو بہت سے بڑے بڑے گناہوں کا مجموعہ ہے اور یہ بالکل کھلی بات ہے۔ شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ ہر ایک سمجھ سکتا ہے اگر عقل پر یورپی پروانہ پڑا ہوا ہو۔ اس کو تو جز و اسلام یا شریعت کا حصہ قرار دینا بڑی سنگین تہمت ہے۔ ہاں شبہ ہوسکتا ہے تو دوسری صورت یعنی انتظام' انتظام مملکت شرعی قواعد وطور طریق

سے یہاں اس کی تحقیق مقصود ہے اسی کو علما کیلئے ضروری کہنا ممکن ہے) حصہ ہے شریعت کا تو علماء شرائع کو ماہر سیاسیات ہونا ضروری ہے سو اس مقدمہ میں معترضین کو ایک خلط (۱) (اس قول میں بھی ایک خلط ملط گڑ بڑ ہوگئی ہے) ہوگیا ہے۔

وہ یہ کہ سیاست کے دو حصے ہیں ایک سیاست کے احکام شرعیہ یہ بے شک شریعت کا جزو ہے اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں چنانچہ ابواب فقہیہ (۲) (فقہ یعنی دینی مسائل کی کتابوں میں جو بہت سے باب ہوتے ہیں کتاب اس پر ملکی انتظامات کا ایک مستقل اور بڑا پھیلا ہوا جز اور مضمون) میں سے کتاب السیر ایک مستقل اور مبسوط جزو ہے جس کی درس (۳) (پڑھنے پڑھانے پر ہمیشگی اور ضروری بات کرکے ہے) و تدریس پر دوام والتزام ہے اور دوسرا حصہ سیاست کا اس کی تدابیر (۴) (تجربہ سے جو تدبیریں عمل کیلئے حاصل ہوتی ہیں ایک علمی درجہ ہے دوسرا عملی، علمی جز سے عملی نہیں گو خلاف شرع نہ ہو جائز ضرور ہے) تجربیہ ہیں جو ہر زمانہ میں حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل سے بدلتی رہتی ہیں اور یہ حصہ شریعت کا جزو نہیں اور علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر اس میں کوئی عالم ماہر ہو اس کی مہارت کے دوسرے ذرائع ہیں جن کا حاصل تجربہ ومناسب خاصہ ہے لیکن اوپر جو عرض کیا گیا کہ سیاست کا یہ حصہ یعنی تدابیر (۵) (تجربہ کی تدبیریں یعنی عملی درجہ) تجربیہ شریعت کا جزو نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حصہ شریعت سے (۶) مستغنی (بے نیاز) ہے اور اس کے استعمال کرنے والوں کو علمائے شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں اگر کسی کا ایسا خیال ہے محض غلط ہے۔ کوئی واقعہ اور کوئی عمل اور کوئی تجویز اور کوئی رائے دنیا میں ایسی نہیں جس کے جواز وعدم جواز میں شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو گو وہ شریعت کا جزو (۷) (شریعت کا جز نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شریعت کے تابع بھی نہ ہو الگ تھلگ ہو) نہ ہو تو جز نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اس کی بالکل

ایسی مثال ہے جیسے فن طب میں (۸) (جسم کے انتظامات) سیاست بدنیہ یعنی (۹) (جسم کے حالات کی اصلاح) احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہیں اور مطب میں ان کی تدابیر کی مشق کرائی جاتی ہے۔ مگر علمائے شرائع کیلئے ان تدابیر میں مامور ہونا کسی کے نزدیک بھی لازم نہیں اور نہ یہ عدم مہارت ان کے حق میں نقص (۱) (کمی کی بات) ہے۔

البتہ ان تدابیر (۲) (طب وعلاج کی تدبیروں کے جائز' ناجائز ہونے کی مثلاً افیون' الکوحل اسپرٹ والی دوائیں جائز یا نہیں) کے جواز وعدم جواز شرعی کی تحقیق ان کا فرض منصبی سمجھا جاتا ہے۔ بس جو معاملہ سیاست بدنیہ (۳) (ب کے ساتھ یعنی بدن والے انتظامات نہ کہ سیاست مدینہ م کے ساتھ دوشہر و ملک کے انتظامات ہیں) بالباء یعنی طب کے ساتھ بلانکیر کیا جاتا ہے کہ حاملان تدابیر کے جواز وعدم جواز کی تحقیق کی جدا جماعت سمجھی جاتی ہے۔ دوسری جماعت کو پہلی جماعت کے فرائض پر مجبور نہیں کیا جاتا اور نہ ان فرائض سے بے خبری کو ان کے حق میں نقص سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سیاست مدینہ بالمیم یعنی نظام ملکی کے ساتھ معاملہ کرنا لازم ہے کہ تدابیر (۴) (انتظام ملک وشہر کی تدبیروں کی جماعت) نظام کی جدا جماعت سمجھی جائے اور دوسری جماعت کو پہلی جماعت کے فرائض پر مجبور نہ کیا جائے۔ طریق عمل میں دونوں جماعتوں کے فرائض کو اس طرح جمع کیا جائے کہ اور نہ ان (۵) (کہ دوسری شرعی جماعت میں پہلی سیاسی جماعت کے علم یا عمل کے نہ ہونے کو کوتاہی نہ سمجھا جائے) کہ پہلی جماعت سے تدابیر کی تحقیق کریں اور دوسری جماعت سے احکام شرعیہ کی اسی طرح جہاں نظام مذکور فرض (۷) (ملکی سیاست کا انتظام فرض ہو جائے کہ اور کوئی انتظام والا نہ ہو تو شرعی جماعت ہی ان سے تدبیریں معلوم کرے) ہو جائے خود دوسری جماعت بھی پہلی جماعت سے تدابیر دریافت کرے اور بشرط جواز شرعی ان پر عمل کرے اور پہلی جماعت دوسری جماعت سے جواز وعدم جواز کی تحقیق کریں اور بعد ثبوت جواز ان پر عمل کرے۔

کما سیاتی فی الاستدلال الأتی من استرشاد الملوک من الانبیاء علیھم السلام و اطاعتھم لھم و ارشادھم للملوک و موافقتھم لھم فی النظام

جیسا کہ آئندہ آنے والے استدلال میں عنقریب آتا ہے کہ شاہان وقت حضرات انبیاء سے رہنمائی طلب کرتے (تھے) اور (یہ بادشاہ) ان انبیاء کی اطاعت کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام ان کی رہنمائی کرتے اور نظام (سلطنت) میں ان کی موافقت کرتے تھے۔

یہ معنی ہیں دونوں جماعت سے کام لینے کے اور دونوں جماعت کے بالاتفاق کام کرنے کے۔ البتہ (۱) (یہ مضمون ''البتہ'' سے ''استطاعت'' کا بھی ہے تک بعد میں بڑھایا گیا ہے۱۲) اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو کہ علماء سے احکام پوچھ کر عمل کیا کریں۔ جیسا اس وقت غالب ہے تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں۔ ورنہ محبان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کر دیں گے بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنا دیں جو علماً و عملاً سیاست و شریعت کے جامع ہوں مگر یہ حکم کچھ سیاست مدینہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سیاست بدنیہ یعنی طب بلکہ اسباب معاش میں سے جتنے فرض (۲) (فرض کفایہ وہ ہے کہ ایک دو کے کر لینے سے سب سبکدوش ہو جائیں اور کوئی نہ کرے تو سب گناہگار ہوں۔ دنیوی ضروریات کا ہر شعبہ ایسا ہی ہے کہ دین کے کاموں کیلئے ان کا بقا ضروری ہے تو کسی نہ کسی کا کرنا بھی ضروری ہے) کفایہ ہیں مثل تجارت و زراعت سب کا یہی حکم ہوگا۔

البتہ (۱) (یعنی ان شعبوں میں اصلاح کیلئے دخل دینا دینی جماعت پر واجب ہوگا لیکن جس چیز کا ضرر دینا دین کو قریبی ہوگا اس کی اصلاح میں دخل دینے کا واجب ہونا بہ نسبت اس کے زیادہ قوی و تاکیدی ہوگا جس کا دین میں ضرر دینا قریبی نہ ہو) جس چیز کا ضرر دین میں قریب ہو اس میں دخل اصلاحی کا وجوب ایسی چیز دخل اصلاحی کے وجوب

سے اقوی (۲) (بہت قوی اور بہت تاکیدی) وآکد ہوگا جس کا ضرر دین میں قریب نہ ہو اور ان (۳) (ان سب شعبوں کی دینی اصلاح اور خود دین حفاظت کیلئے ایک جماعت کا انتظام کرنا تو ضروری مگر وہ طاقت وقدرت کی شرط سے مشروط ہوگا اگر اس کی طاقت ہو تو واجب ضرور ہوگا) سب مقاصد کی اصلاح کیلئے خصوص حفاظت دین کیلئے جماعت کا انتظام کرنا ہر حال میں مشروط ہوگا۔استطاعت کے ساتھ یہ تو ایک تحقیق کلی ہے۔

اس سے آگے کچھ جزئیات ہیں جن میں کلام کچھ متفق علیہ (۴) (سب کے اتفاقی کچھ اختلافی) کچھ مختلف فیہ اپنے محل (۵) (اپنے اپنے مقام میں تفصیل سے اور دلائل سے بیان ہے) میں مبسوط ومضبوط ہے ان میں ایک مسئلہ استطاعت (۶) (قدرت وطاقت کا بھی ہے) کا بھی ہے اور یہ مسئلہ یعنی عدم (۷) (احکام کے علم والوں کیلئے نظام مملکت کا علم لازم نہیں ہے بالکل کھلا واضح ہے دلیل کا محتاج نہیں) لزوم علم بانتظام لعلم الاحکام ہر چند کہ بدیہی جلی ہے اور اگر خفی (۸) (چھپا بھی ہوتا تو طب کی مثال سے ظاہر ہوگیا تھا کہ جیسے علم احکام والوں کیلئے طب کا علم لازم نہیں اور اس کا نہ ہونا کمی کا سبب نہیں) بھی ہوتا تب بھی طبی مثال سے تنبیہ کے بعد جلی ہوگیا اور اس بداہت (۹) (کھلے ہوئے) کے سبب محتاج (۱۰) (دلیل سے ثابت کرنے کا ضرورت مند نہیں) اثبات بالدلیل نہیں مگر میں تبرعاً بعض آیات سے اس کو زیادہ منور (۱۱) (روشن) کئے دیتا ہوں وہ آیات سورہ بقرہ کی ہیں۔**الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسی الی قولہ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر** الخ جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے (بہت) بعد (کما (۱) جیسے کہ تاریخی کتابوں نے نقل کیا ہے) نقلہ اہل السیر) قوم جالوت کے ظالمانہ تسلط سے تنگ آکر) بنی اسرائیل کے ممتاز لوگوں نے اپنے ایک نبی سے (جن کا نام شمویل ہے) عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک

بادشاہ مقرر کر دیجئے ہم اس کے ساتھ (مل کر قوم جالوت سے) جہاد کریں۔

انہوں نے (کچھ گفتگو کے بعد) جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا (اخیر قصہ میں یہ ہے کہ) طالوت لشکر کو لے کر چلے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارا ایک نہر سے امتحان (۲) کہ اس میں پینا استعمال کرنا منع ہوگا جو خلاف کریگا مستحق سزا ہوگا) کرنے والے ہیں (پھر جالوت کے قتل پر اور حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت و سلطنت عطا ہونے پر قصہ ختم ہوگیا) ان آیتوں سے اثبات مدعا کی تقریر یہ ہے کہ قرآن مجید میں نص ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے (خواہ ان کا نام یوشع علیہ السلام ہو) کما قاله قتادہ یا شمعون ہو(۳) (جیسے قتادہ مفسر نے کہا ہے) (۴) کما قاله السدی (جیسے مفسر سدی نے کہا ہے) یا شمویل ہو (۵) کما علیه الاکثر (جیسے کہ اس پر اکثر علمائے تفسیر نے کہا) بہر حال اذ قالوا النبی لهم (۶) (جب بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے کہا) میں ان کا نبی ہونا مصرح (۷) (صاف ہے) ہے ان نبی سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بنئے بلکہ اس مقصود کیلئے ایک مستقل بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی سو اگر نبی کافی سمجھے جاتے تو ایسی درخواست کیونکر کی (۸) (اور جب درخواست کی اور قبول ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ لازم نہیں کہ ہر نبی کو نظام مملکت کا علم بھی عطا فرمایا گیا) جاتی اور اگر شبہ ہو کہ یہ بنی اسرائیل کی غلطی تھی تو اس غلطی پر ان نبی نے (۹) (متنبہ سے مطلع) کیوں نہیں فرمایا کہ میں کافی ہوں بلکہ بادشاہ مقرر کرنے کا انتظام شروع فرما دیا اور اگر کوئی جسارت (۱۰) (جرأت بے باکانہ) کر کے یہ کہنے لگے کہ ان نبی سے بھی لغزش ہوگئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس غلطی پر تنبیہ کیوں نہیں فرمائی بلکہ اس درخواست کو بلا نکیر (رد و انکار) قبول فرمالیا اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود ہر نبی کیلئے بھی سیاسیات میں تجربہ و مناسبت لوازم میں سے نہیں تا بہ (علماء مشائخ میں سے دوسرے

لوگوں تک کیا پہنچ سکتا ہے) دیگراں از علماء و مشائخ چہ رسد پس مدعا بحمد اللہ بالصرح (بہت صاف اور بہت واضح طریقہ سے) واضح وجوہ ثابت ہوگیا۔

بلکہ مفسرین کی نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے سنة الله (طریقہ و عادت اللہ تعالیٰ کی یہی رہی ہے) زیادہ یہی رہی کہ **کان قوام امرهم بالملوک وهم کانوا یطیعون الانبیاء کذا فی التفسیر المظهری تحت قوله تعالیٰ ابعث لنا ملکا وکثیر من التفاسیر وفی المظهری ایضاً قوله اتاه الله الملک جمع الله تعالیٰ له الامرین ولم یجتمعا قبل ذلک بل کان الملک فی سبط والنبوة فی سبط** (ترجمہ ان کے سیاسی معاملات بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے اور بادشاہ انبیاء کے حکم اور مشورہ کے مطابق چلتے تھے۔ چنانچہ تفسیر مظہری نے **ابعث لنا ملکا** کے تحت میں یہی لکھا ہے اور بہت تفسیروں میں بھی ہے اور تفسیر مظہری نے **اتاه الله الملک** (اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک عطا فرمایا) کے تحت کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں دونوں علم دینی و سیاسی جمع کر دیئے تھے اور یہ دونوں ان سے پہلے کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ ملک ایک بسط (یعقوبی قبیلہ) میں اور نبوت دوسرے بسط میں ہوتی تھی) اور طالوت کے باب میں جو **بسطة فی العلم والجسم** (وسعت علم میں اور جسم میں) آیا ہے اس کی تفسیر میں (سیاسی امور کا جاننا اور جسم کا لمبا چوڑا ہونا) کذا فی روح المعانی لیکن (اگر کثرت سے انبیاء علیہم السلام کیلئے یہ بات نہ مانی جائے تو صرف ایک نبی کیلئے سیاسی تجربہ و مناسبت کا نہ ہونا بھی دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے) اس سنت کی اگر کثرت بھی نہ ہو ایک نبی کے تجربہ و مناسبت فی السیاست کی نفی بھی اثبات مدعا کیلئے کافی ہے۔

کیونکہ کسی نبی میں کسی نقص کا ہونا جائز نہیں۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ایسے

تجربہ و مناسبت کا نہ ہونا نقص نہیں **وھو المطلوب** (اور یہی مقصود تھا کہ ہر نبی کیلئے سیاست کا علم لازم نہیں ہوتا چہ جائیکہ علمائے دین کیلئے) اگر شبہ کیا جائے کہ بعض اقوال پر طالوت بھی نبی تھے **کما فی التفسیر المظھری تحت قولہ تعالیٰ بسطۃ فی العلم قیل اتاہ الوحی حین اوتی الملک وفیہ** (اسی تفسیر میں **ان اللہ مبتلیکم بنھر** (جیسے کہ تفسیر مظہری میں حق تعالیٰ کے قول بسطۃ فی العلم (علم میں وسعت) کے تحت لکھا ہے کہ جب بادشاہت دیئے گئے تھے ان پر وحی نازل ہوتی تھی) **ایضا تحت قولہ تعالیٰ قال ان اللہ مبتلیکم اما بوحی اللہ تعالیٰ ان کان نبیا واما بارشاد بینھم** (اللہ تعالیٰ نہر سے تمہارا امتحان لینے والے ہیں) کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ نبی تھے تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے یہ کہا' یا نبی نہ تھے تو اپنے نبی کی ہدایت سے کہا) تو نبی کے ہوتے ہوئے غیر نبی کا انتخاب ثابت نہ ہوا جواب یہ ہے کہ ہمارا مدعا (یہ دعویٰ کہ ہر نبی کیلئے سیاسی ماہر ہونا لازم نہیں) اس پر موقوف نہیں بلکہ نبی کے موجود ہوتے ہوئے ان سے یہ کام نہ لینا اثبات مدعا کیلئے کہ کمال نبوت کیلئے کمال سیاسی لازم نہیں کافی ہے۔

اب ایک ضعیف سا استبعاد (دور کی بات سمجھنا) رہ گیا۔

جس کا درجہ محض ایک وحشت (عبارت وعنوان سے گھبرا جاتے) عنوانیہ سے زیادہ نہیں جس کا منشاء ذہن میں عرف (عام لوگوں کے رواج کا غلبہ پا جانا ہے عقل والی حقیقت پر) عامیانہ کا استیلا ہے حقیقت حکیمانہ پر وہ یہ کہ اُمور سیاسیہ (سیاسی تمام باتوں کا علم نفع مند اثرات کی وجہ سے ایک کمال ہے اس کا نہ ہونا ایک کمی ہے) کا علم بوجہ اپنے آثار نافعہ کے کمال ہے تو اس کا فقدان نقص ہوگا پھر حضرات انبیاء **وورثۃ الانبیاء** (اور علمائے دین جو انبیاء کے وارث ہیں ان کیلئے یہ نقصان کیسے جائز ہے) کیلئے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

جواب ظاہر ہے کہ اگر یہ نقص ہوتا تو انبیاء کیلئے کیسے تجویز کیا جاتا اور (اوراس کی علت کہ کمال نہ ہونے پر نقصان وکمی لازم نہیں آسکتی۔ ہے کہ کمال اور کمی میں نسبت ایک دوسرے کی نقیض ہونے کی نہیں کہ نہ دونوں جمع ہوسکیں نہ دونوں نفی ہوسکیں جیسے انسان وغیر انسان کہ نہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جز انسان بھی غیر انسان بھی ہو اور نہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جز انسان بھی نہ ہو غیر انسان بھی نہ ہو کہ جب انسان نہیں لامحالہ غیر انسان ہوگی غیر انسان میں لامحالہ انسان ہوگی تو کمال ونقص (کمی) ایسے میں نہیں) اس کی یہ ہے کہ کمال اور نقص متناقض نہیں کہ کمال کا (کمال کا نہ ہونا کمی کے ہونے کو لازم بناتا ہو) رفع نقص کے وضع کو مستلزم ہو بلکہ متضاد (ایک دوسرے کی ضد ہیں کہ دونوں ایک جز پر جمع تو نہیں ہوسکتے مگر یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز نہ یہ ہو نہ وہ ہو جیسے سفید اور سرخ کہ ایک چیز سرخ ہو اور سفید بھی ہو یہ نہیں ہوسکتا مگر یہ ہوسکتا ہے کہ نہ سفید ہو نہ سرخ بلکہ سبز یا زرد ہو۔ دونوں نہ ہونا اور درمیان تیسری شکل آنا جائز ہے) ہیں دونوں کا اور رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے۔ چنانچہ بعثت (تمام جہان کیلئے نبی ہونا کمال ہے مگر اس کا نہ ہونا بھی نقص وکمی نہیں) عامہ کمال ہے۔ مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں ورنہ بجز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع انبیاء کا نقص لازم آئے گا۔

نعوذ باللہ منہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں بھی ماہر یۃ کے غزوہ احزاب میں حفر (خندق کھودنے کی تدبیر) خندق کی تدبیر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی کما فی کتب الحدیث والسیر فی حاشیۃ الکشمھینی علی البخاری باب التحریض علی القتال علی قولہ خرج الی خندق برمزھم ولم یکن اتخاذ الخندق من شان العرب ولکنہ من مکائد الفرس اشار بذلک سلمان الفارسی قال یارسول اللہ! کنا بفارس اذا حوصرنا خندقنا علینا فامر بحفرہ وعمل فیہ بنفسہ ترغیبا

للمسلمین (جیسے کہ کتب حدیث اور تاریخی کتابوں میں ہے۔ بخاری کے باب التحریض علی القتال کے قول خرج الی الخندق پر حاشیہ کشمیہنی میں ھ کی علامت سے ہے کہ خندق کا بنانا عرب کا دستور نہ تھا لیکن فارس کی تدبیروں میں تھا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کا اشارہ کیا۔ عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگ فارس میں محاصرہ کر لئے جاتے تو اپنی حفاظت کیلئے خندق بنا لیتے تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کی ترغیب کیلئے خود بھی اس میں کام کیا)

قصہ تابیر (کھجور کے درختوں میں نر کے پھول مادہ کے پھولوں میں رکھا کرتے تھے اس سے پھل زیادہ آتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جاہلی حرکت سے منع فرمایا تو اس سال پھل کم آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو فرمایا) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد انتم اعلم بامور دنیاکم (تم اپنے دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ یہ فرمان ایسے تجربوں پر وارد ہوا ہے کہ دنیا کے تجربے تم جانو یعنی جس کام میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو تجربہ سے مفید معلوم ہو وہ کر لیا کرو جیسے علامات و تدبیرات ہو رہی ہیں۔ آج کل بعض بے علموں یا بددینوں نے دین کے باب میں بھی یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض فرمان ناقابل عمل بھی ہوتے ہیں اور اس حدیث کو دلیل میں لاتے ہیں اور باموردنیاکم کے الفاظ غلطی میں ڈالنے کیلئے چھوڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ دینی امور کیلئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خواہش سے کچھ نہیں کہتے جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف وحی ہی ہوتی ہے جو ان پر آتی ہے) ایسے ہی تجارب پر محمول ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے تجارب وتدابیر اپنی ذات میں دنیوی اُمور ہیں۔

گو مباح ہوں۔ (کسی سبب سے کہ مثلاً دین کا کام عقل یا عادت میں ان پر موقوف ہو جائے یا وہ عمدگی و استقلال کا ذریعہ ہوں دین بن جاتے ہیں) عارض سے

دین ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کا نہ جاننا کسی درجہ میں کمال مقصود میں قادح نہیں (مقصود کے پوری طرح حاصل ہونے میں رکاوٹ نہیں)۔ **ولنختم المقالة علی دعاء الوقایة عن الضلالة فی کل حالة** (اور ہم اس مقالہ کو ہر حال میں گمراہی سے بچانے کی دعا پر ختم کرنا چاہتے ہیں)۔ (۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ)

تنبیہ ضروری

مضمون بالا میں جو بعض حالات میں علماء کو سیاست میں حصہ لینے کا مشورہ دیا گیا ہے اس سے مراد وہ صورت نہ سمجھی جائے جو اس وقت بعض علماء نے اختیار کی ہے۔ اس سے دین کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصول شرعیہ و تجربہ سے اس کا بھی ایک خاص طریق ہے جس کے نافع ہونے کی امید غالب قریب بہ یقین ہے اور وہ خاص طریق ایک عزیز کی تحریر میں نظر پڑا مفید سمجھ کر اس کو بالفاظہ نقل کرتا ہوں۔ یکم رجب ۱۳۵۹ھ

بعد حمد و صلوٰۃ۔ اس پر بھی نظر ضروری ہے کہ زمانہ موجودہ میں ہندوستان میں جو سیاست جاری ہے اور بعض علماء اس میں بحیثیت لیڈر کے حصہ لے رہے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے۔ سو ہندوستان میں موجودہ سیاست کا حاصل یہ ہے کہ گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت رہ کر اپنے حقوق کی حفاظت کی جائے کیونکہ ہندوستانی بھی اپنے اندر اتنی طاقت نہیں پاتے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد وہ اپنی حفاظت بیرونی حملوں سے کر سکیں۔ اسی لئے سب سیاسی جماعتیں زبان سے آزادی کامل کا مطالبہ کرتی ہیں۔ مگر عمل کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ سب زیر سایہ برطانیہ آزادی کا مطالبہ کرتی ہیں۔ لہٰذا موجودہ سیاست کیلئے ضروری ہوا کہ گورنمنٹ کے تمام قوانین پر بھی عبور ہو اور انگریزوں کی طبیعت اور مزاج سے بھی پوری واقفیت ہو۔

اور یہ بات پیدا ہوتی ہے ان میں گھل مل کر رہنے سے اور ظاہر ہے کہ علماء ان سب باتوں سے ناواقف ہیں تو یہ اگر سیاست میں بحیثیت لیڈر کام کریں گے تو ان کی

ناواقفی کے سبب مسلمانوں کو بجائے نفع کے نقصان پہنچے گا پھر تجربہ اس پر بھی شاہد ہے کہ عام سیاسی لیڈر مصالح ملکی کو دین پر مقدم رکھتے ہیں۔

اور جب مصلحت و مذہب میں تعارض (اختلاف ہوتا کہ مذہب کسی کام سے منع کرتا ہے اور سیاسی مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہے) ہوتا ہے تو مذہب میں بعید (دور سے دور کی) سے بعید تاویل کرنے میں دریغ نہیں کرتے چنانچہ علماء مذکورین بھی اس میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ان کی تاویل چونکہ برنگ دین ہوتی ہے اس لئے وہ عام مسلمانوں کو زیادہ غلطی میں مبتلا کرتی ہے۔

لہٰذا اس وقت طریق کار یہ مفید ہوسکتا ہے کہ سیاسی جماعت علیحدہ ہو اور مذہبی علیحدہ اور مذہبی جماعت اپنا اصلی کام تبلیغ کا اس طرح انجام دے کہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے کہ یہ سیاسی جماعت مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے وقت شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے اور چونکہ موجودہ زمانہ میں سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھ کر عمل کرنے کی عادی نہیں رہی۔

اس لئے علماء کے ذمہ تھا کہ خود اس جماعت کے پاس پہنچتے اور احسن طریق سے تبلیغ کرتے مگر افسوس! بجائے اس کے یہ ہو رہا ہے کہ علماء مسلمانوں کی مخالف (کانگریس وغیرہ میں اور پھر بلا کسی شرط کے حالانکہ اس کا مقصد انگریزوں کے ماتحت رہ کر ان کی مدد سے مسلمانوں کو پیس دینا تھا جو قرائن سے محسوس بھی ہو رہا تھا چنانچہ وہ قوانین منظور کرائے جن سے مسلمان تباہ ہو جائیں۔

مثلاً یہ کہ بنیا اپنی بہی میں جو لکھا ہوا پیش کر دے گا بغیر کسی گواہ بغیر کسی ثبوت کے بغیر مسلمان مدعا علیہ کی تسلیم کے ڈگری کر دی جائے گی اور مسلمانوں کی لاکھوں کی جائیدادیں سود در سود کے علاوہ محض فرض بہی کی تحریر پر ہندوؤں نے ہتھیا لی۔

یو پی سب سے بڑا صوبہ تھا جاگیریں، جائیدادیں سوائے شاذ و نادر کے کل

مسلمانوں کی مملوکہ تھیں اور بٹائی پر یا ٹھیکہ و اجارہ پر ہندو کاشت کرنے والے تھے انگریزوں سے مظلومیت کا شور مچا کر چھوٹ دینے کا قانون جس میں مالیانہ بدستور باقی جو ۴۵ فیصد ہوتا تھا اور لگان یعنی اجارہ نصف کر دیا گیا۔ اجارہ میں غلہ تھا تو مزارعہ کی درخواست پر ایک من گندم کی جگہ ایک روپیہ کر دیا گیا۔

پھر آخر صحرائی زمینیں صرف ایک دفعہ ہل چلانے کے بعد بیدخل نہ ہوسکنے کا قانون بنوالیا اور آخر ایک دن کل بحق سرکار ضبط بھی کر لی۔ بازار پر بنیوں کا قبضہ تھا کسی مسلمان نے ذرا بڑا کام کیا تو بائیکاٹ کر کے تباہ کرایا اور مسلمانوں کو چھوت رکھنے پر کسی سے کھانے کی چیز نہ لینا اس کام کی بندش تو قدیم سے تھی اور مسلمان لیڈر پھر بھی کانگریس میں بلاشرط داخل رہے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ مسلمانوں کی تباہی میں مدد اور رازوں کا افشا کرتے رہے صرف ان کی خوشامد یا کچھ دنیوی معمولی سے فائدہ کیلئے سب کو تباہ کر دیا بلکہ ان کی خوشامد میں کفریہ نعرے قشقے وضع قطع طور طریق ہندو لقب کی مسلمانوں کیلئے تجویز وغیرہ وغیرہ میں بہت عوام کو مبتلا ہوتے دیکھتے رہے بلکہ ان مسلمان لیڈروں کا مقابلہ کرتے رہے جو مسلمانوں کی حمایت کیلئے کام کر رہے تھے) جماعت میں داخل ہو کر مسلم جماعت کے لیڈروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ جس سے ان لیڈروں کو بھی علماء کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔

اگر علماء اپنا اصلی کام تبلیغ ہی رکھتے اور اصل سیاست یہی تھی کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے تو آج جس وقار اور عظمت کے کھونے کی علماء شکایت فرماتے ہیں۔ اس سے عظمت اور وقار میں چار چاند لگ جاتے اور ثواب آخرت تبلیغ کا اور حفاظت دین کا مزید برآں۔ لہٰذا اس زمانہ میں موجودہ طریقہ پر علماء کا سیاسی لیڈر کی حیثیت سے سیاست میں شریک ہونا میرے نزدیک مضر (دین کیلئے بھی اور دنیا کیلئے بھی) ہو رہا ہے۔ جیسا عرض

کیا گیا کہ اس طرز میں لیڈروں کو مقابلہ کا موقع دینے سے علماء کی وقعت اور عظمت مسلمانوں کے دلوں سے نکلی جارہی ہے جو مسلمانوں کے دین کو ہمیشہ کیلئے مضر ہورہی ہے اور اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈروں کو سنبھالتے تو اس طرز میں شرعی طریقہ پر ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت بھی ہوتی اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی اور ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوتا۔ **اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه ثم التنبيه وهو كضميمة رسالة رفع بعض الشبهات** (اے اللہ ہم کو حق باتوں کو حق کر کے دکھایئے اور ان کی اتباع کی توفیق اور باطل کو باطل کر کے دکھایئے اور ہم کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمایئے ضروری تنبیہ ختم ہوئی اور یہ رسالہ بعض رفع الشبہات کیلئے ضمیمہ کی مانند ہے)

❁❁❁

دفع الاعتساف عن آیۃ الاستخلاف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَف عَلی التّھانوِی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

ایک صاحب کو یہ اشکال تھا کہ آیت کریمہ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ" الخ کا ترجمہ بیان القرآن میں مضارع کے صیغہ سے اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ماضی کے صیغہ سے کیا ہے۔ حضرت والا نے اس رسالہ میں یہ اشکال دور کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ دونوں ترجمے درست ہیں۔

دفع الاعتساف عن آیۃ الاستخلاف

دفع الاعتساف عن آیۃ الاستخلاف

سوال: آیت واقعہ سورۂ نور **وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات الخ** کا ترجمہ بیان القرآن میں مضارع سے کیا گیا ہے، اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ماضی کے ساتھ کیا ہے جو کہ ظاہر کا بھی اقتضاء ہے اور اس میں وہ ایہام بھی نہیں جو ترجمہ بالمضارع میں ہوتا ہے یعنی عدم شمول للخلافۃ الراشدہ کا ایہام تو اس ترجمہ کی وجہ تصحیح پھر وجہ ترجیح کیا ہے اور ایہام کا کیا جواب ہے؟

جواب: وجہ تصحیح تو ظاہر ہے کہ موصول میں من وجہ معنی شرط کے ہوتے ہیں، چنانچہ بعض آیات میں اس کے احکام لفظیہ کا بھی اعتبار کرلیا گیا ہے جیسے سورۂ بروج آیت **ان الذین فتنوا المومنین** میں ان کی خبر میں فاء لائی گئی ہے، مگر یہ اعتبار لفظاً لازم نہیں، چنانچہ اسی کے متصل آیت **ان الذین امنوا وعملوا الصالحات** میں فاء نہیں آئی اور یہ تفاوت محض احکام لفظیہ میں ہے۔

لیکن اس سے معنی کے اثر میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا، چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ نے سورۂ اعراف کی آیت **ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف** الخ میں ماضی کا ترجمہ مضارع سے کیا ہے کہ جو لوگ ڈر رکھتے ہیں، اور ایہام کی پرواہ نہیں کی، کیوں کہ ایسا ایہام ہی بے اصل ہے **کماسیتضح عن قریب.**

اب رہی وجہ ترجیح سو اختلاف مقتضیات سے دونوں طرف ترجیح ہوسکتی ہے، چنانچہ میں نے یہ قصد کیا ہے کہ مدلول آیت وعدۂ مستمرہ الی یوم القیامہ ہو اور ترجمہ بالماضی

میں یہ فائدہ صراحۃً حاصل نہیں ہوتا، گو وہ بناء علی التطابق الظاہری زیادہ راجح ہے، چنانچہ میں نے تفسیر میں مخاطب مجموعہ امت کو قرار دیا اور فاء کے تحت میں اس کی تفصیل کردی گئی فی قولہ اس آیت میں مجموعہ امت سے وعدہ ہے الیٰ **قولہ هم الغالبون**، جس کے اندر یہ عبارت بھی ہے جس کا ظہور خود عہد نبوی سے شروع ہو خلافت راشدہ تک متصلاً ممتد رہا اور اس کے بعد دوسرے فوائد متعلقہ بالمقام لکھ دیئے گئے، رہا ایہام سوا اوّل تو ہمارے محاورات میں قرائن سے خود مضارع بلکہ اس کے معنی استقبالی (جو بہ نسبت حال کے ماضی کا زیادہ مقابل ہے) ماضی کو بھی شامل ہوتا ہے مثلاً کوئی مخدوم اپنے خادموں سے کہے کہ جو شخص ہماری خدمت کرے گا وہ مورد الطاف ہوگا، ظاہر ہے کہ جو اشخاص پہلے سے خدمت کر رہے ہیں، وہ بھی اس وعدہ میں یقیناً داخل ہیں، اور یہاں ایہام مذکور کا کسی کو وسوسہ بھی نہیں ہوتا ورنہ ایسا ایہام حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ اتقوا میں بھی ہوگا کہ جو لوگ تقویٰ کی حالت میں مر چکے ہیں وہ اس فضیلت سے عاری تھے اور اسکا التزام ظاہر البطلان ہے دوسرے جب تفصیل مذکور میں اس شمول کی تصریح کردی گئی تو شمول مصرح کے مقابلہ میں ایہام محتمل باحتمال بعید کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے اور اگر اسکے بعد بھی کسی کو ایہام پر اصرار ہو تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ **حفظت شيئًا وغابت عنك اشياء** نیز ایسا ایہام خود آیت متکلم فیہا میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں بھی ہوگا کہ یہ وعدہ زمانہ مستقبلہ کے مومنین و صالحین کو شامل نہ ہوگا مگر چونکہ دوسرے نصوص ناطق ہیں اور ناطق ہمیشہ ساکت پر قاضی ہوتا ہے اس لئے ایسے ایہام کو ناقابل التفات سمجھا جاوے گا، اور یہاں تو تعمیم محاورہ کے ہوتے ہوئے جس کا اوپر اثبات کیا گیا ہے خود یہ ترجمہ آیت ہی شمول مذکور کے ساتھ ناطق ہے کما سبق اور دوسری آیات واحادیث اس کے علاوہ ہیں، اور اس محاورہ کی تعمیم کا راز وہ ہے جس کو علماء تفسیر وعربیۃ نے اهدنا وغیرہا کے **تعميم لاهل الهداية الحاصلة من قبل مع وضع اهدنا للاستقبال** کی

توجیہ میں فرمایا ہے، کہ ایسے لوگوں کے اعتبار سے مراد ثبات علی الھدایت ہے اور مستقبل میں بھی ثبات مطلوب ہے، پس اسی اوزان پر اگر امنوا اور عملوا الصالحات کے معنی میں استقبال کا بھی اعتبار کرلیا جاوے تب بھی ایمان وعمل ماضی کا درجہ ثبات اس مستقبل کا محمل ہوگا، جیسا مخدوم کے قول کی مثال مذکور میں یہی ثبات صیغہ استقبال کی وجہ صحت کا مدار ہے یعنی جو پہلے سے خادم ہیں وہ بھی اگر خدمت پر ثابت رہیں گے تو وہ بھی محل وعدہ ہیں اسی طرح یہاں بھی کہا جائے گا کہ جو پہلے سے ایمان وعمل صالح کے ساتھ متصف ہیں، چونکہ ان کے ثبات کا تحقق مستقبل میں ہے جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے وہ بھی اس وعدہ کے محل ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ اس تقریر سے سب شبہات زائل ہوگئے۔

ضمیمہ

ایک وسوسہ ایہام کا ضمنی بھی اس مقام پر ہوسکتا ہے اس کو بھی دفع کرنا مناسب ہے وہ وسوسہ یعبدوننی کے متعلق ہے، جس کا ترجمہ بیان القرآن میں اس طرح کیا گیا ہے بشرطیکہ میری عبادت الخ اس کی وجہ تصحیح تفسیر مدارک میں اس کو حال قرار دینا ہے اور حال بھی احیاناً قرائن سے قید بمعنی شرط کو مفید ہوتا ہے یہاں قرینہ تخاطب کا عموم ہے تمام امت کے لئے کیونکہ استیناف میں پیشین گوئی کا عموم قیامت تک تمام خلفاء کے لئے لازم آتا ہے جس کا مراد ہونا ممکن نہیں ہے اور اس میں اگر کسی کو ایہام بعید ہو اس کے رفع کے لئے دفع ایہام بالا کی تقریر بتغیر یسیر کافی ہے۔

فلا نطیل الکلام باعادة واللہ اعلم بالطریق الاقوم.

کتبہ اشرف علی ۷ ذیقعدہ ۵۷ھ (النور ص:۱۰، جمادی الثانیہ ۵۸ھ)

سوال وجواب ملقب بہ

تنبیہ المسلمین علی تمویہ العالم المخالط بالمشرکین

حضرت حکیمُ الاُمت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منھا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

وہ سیاسی جماعت جو اسلامی اُصولوں کے خلاف ہو اور سوشلزم و دیگر باطل نظریات کی حامی ہو اس میں شرکت کرنا اور دوسروں کو شرکت کی دعوت دینے کے احکام پر مشتمل یہ رسالہ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ میں تحریر کیا گیا اور افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیۃ کا جزو بن کر شائع ہوا ہے۔

سوال وجواب ملقب بہ تنبیہ المسلمین علیٰ تمویہ العالم المخالط بالمشرکین

رسالہ متعلق کانگریس

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(ا) زید ایک مذہبی عالم اور پیشوائے دین ہے، وہ ایک ایسی جماعت میں شریک ہوتا ہے اور عام مسلمانوں کو شریک کرنا چاہتا ہے۔(الف) جس کے مسلم اور غیر مسلم (مشرک یا دہری) شرکاء میں جن کا مجموعہ بقاعدہ عقلیہ جماعت غیر مسلمہ ہے) ایک بڑی تعداد ایسے اشخاص کی ہے جو اشتراکیت (سوشلزم) کی حامی اور بلا لحاظ احکام شریعت ملک میں اقتصادی مساوات قائم کرنے کے حامی اور عملاً کوشاں ہیں۔

(ب) وہ جماعت اپنے سیاسی اقتدار اور آئینی قوت سے ایسے احکام وقوانین نافذ کرتی ہے، جن کے ذریعہ سے وراثت تملیک اوقاف اور ذاتی حقوق ملکیت کے متعلق شریعت اسلامی کے احکام کی خلاف ورزی ہو۔

(ج) جس زمین کا حق ملکیت بروئے قانون شریعت ومقامی رواج ایک مسلمان کو حاصل ہے، یہ جماعت اس کی پیداوار کے منافع کو اس مسلمان کی مرضی کیخلاف غیر مسلم کاشتکار کے حق میں کلاً یا جزاءً چھوڑنا چاہتی ہے، اور زمیندار اور کاشتکار کے درمیان اس پیداوار یا اس کی قیمت کی تقسیم کے متعلق جو معاہدہ ہے یا ہوسکتا ہے اس

کے نفاذ کو اپنے آئینی احکام سے وہ جماعت روکتی ہے۔ (د) اس جماعت کے احکام اور طرزِ عمل سے وقفی اراضیات یا ان کی پیداوار و آمدنی منشاءِ واقف اور بلا مرضی متولی کلاً یا جزاءً کاشتکاروں کے حق میں چھوڑ دی جاوے بغیر کسی ایسے قدرتی نقصان کے جو پیداوار میں کسی غیر معمولی کمی کا باعث ہوا ہو، اور اسی طرح اس جماعت کے فعل یا ترکِ فعل سے اوقافِ اسلامی کا کاروبار کلاً یا جزءً بند ہوتا ہو بحالیکہ کاشتکار ایک مقررہ یا قرار یافتہ جنسی یا نقدی لگان اس اراضی کا سالہا سال سے دیتے رہے ہوں اور اس جماعت کی رخنہ اندازی نہ ہونے کی صورت میں آئندہ بھی دیتے رہنے کے لئے تیار ہوں (ہ) اس جماعت کا صدر اور قائد جس کے اشاروں اور احکام پر یہ جماعت اپنا کام چلاتی ہے، صاف الفاظ میں اس کا علان کر چکا ہو کہ اراضیات کا حق ملکیت کاشتکاروں کی طرف بغیر کسی معاوضہ کے منتقل ہونا چاہئے۔

ایسی جماعت کے ساتھ جو عالم اشتراکِ عمل کرے یا دوسرے مسلمانوں کو اس کے ساتھ اشتراکِ عمل پر آمادہ کرے، وہ گنہگار اور احکامِ شریعت کے خلاف ورزی کے جرم میں شریک سمجھا جائے گا یا نہیں۔

(۲) شرکت کے بعد اگر ان مفاسد کے روکنے پر ایسا عالم اس جماعت کو مجبور نہ کر سکے تو اس کے لئے کیا حکم ہے، اور مسلمانوں کو اس کا اتباع کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۳) یہ جماعت اگر سود، منشیات، زناکاری اور دیگر مذہبی جرائم کے فوری انسداد کے لئے احکام نافذ کر دینے کا قانونی حق رکھتی ہو اور نہ کرے تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس جماعت کی شرکت اور اس کے ساتھ اشتراکِ عمل کسی مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں اور جو عالم اس میں شریک ہو کر ایسے انسداد کا فوری حکم جاری نہ کر سکے، وہ اس جماعت کی شرکت پر شرعی مجرم ہوگا یا نہیں؟

(۴) وہ جماعت مسلمانوں کے مذہبی معاملات و نزاعات کے تصفیہ کیلئے (جیسے کہ ہبہ، شفعہ، طلاق، مہر وغیرہ) اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی عدالتوں کا تقرر کر سکتی ہے

لیکن نہیں کرتی، اس کی شرکت یا اس میں شریک ہو کر فوراً ان چیزوں کے لئے اس جماعت کو مجبور نہ کرنا اور پھر بھی نہ کرے تو اس کو نہ چھوڑنا شرعاً کیسا ہے، اور ایسے عالم کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں جو دانستہ ان خلاف ورزیوں کا مرتکب ہوتا رہے۔

الجواب

ان سوالوں کا جواب اس قدر ظاہر ہے کہ لکھنا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے لیکن محض ایقاظ نائمین کے درجہ میں نہایت مختصر لکھتا ہوں، اس جماعت کے جو اغراض و مقاصد و اعمال سوال میں مذکور ہیں، ان کا خلاف دین اور ضلالت محضہ ہونا ظاہر ہے، جیسے مساوات مبطلۂ احکام شریعت اور ابطال احکام وراثت و تملیک و اوقاف و حقوق ملک خاص و حقوق شرعیہ زمیندار اور حقوق وقف یا مستحق کا حق غیر مستحق کے لئے ثابت کرنا یا جن منکرات کے انسداد پر قدرت ہو ان کا انسداد نہ کرنا، یا جن احکام شرعیہ کے انفاذ پر قدرت ہو ان کو نافذ نہ کرنا ظاہر ہے کہ یہ سب ضلال محض ہیں، جس کی کسی مسلمان کو اجازت نہیں، نہ ارتکاب کی، نہ مرتکب کے ساتھ شرکت اور اعانت کی، نہ قدرت ہوتے ہوئے سکوت و تسامح کی اور نہ عجز کے وقت رضا کی، نہ دوسروں کو ان افعال کی طرف یا ان کے فاعلین کے ساتھ تعلق رکھنے کی طرف دعوت دینے کی اور اگر کوئی شخص ایسی جماعت کے ساتھ شرکت کی دعوت دے، خواہ جاہل ہو وہ خواہ عالم صریح ان نصوص کے خلاف کر رہا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **ولا تعاونوا علی الاثم والعدون** (ابوسعید) **رفعه من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذٰلک اضعف الایمان، لمسلم واصحاب السنن** (ابن مسعود) **رفعه ان اول مادخل النقص علٰی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا هذا اتق الله ودع ماتصنع فانه لایحل لک ثم یلقاه من**

الغدو هو علىٰ حاله فلا يمنعه ذلک ان يكون اكيله وشريبه وقعيده فلما فعلوا ذلک ضرب الله قلوب بعضهم علىٰ بعض ثم قال لعن الذين كفروا من بنى اسرائيل الى فاسقون الحديث، لابى داؤد والترمذى، جرير بن عبدالله) رفعه مامن رجل يكون فى قوم يعمل فيهم بالمعاصى يقدرون على ان يغيروا عليه ولا يغيرون الا اصابهم الله بعقاب قبل ان يموتوا لابى داؤد (عريس بن عميرة الكندى) رفعه اذا عملت الخطيئة فى الارض كان من شهدها فانكرها كمن غاب عنها، ومن غاب عنها فرضيها كان كمن شهدها، لابى داؤد (جابر) رفعه اوحى الله الى ملک من الملائكة ان اقلب مدينة كذا على اهلها قال ان فيها عبدک فلان لم يعصک طرفة عين قال اقلبها عليه فان وجهه لم يتمعرفى ساعة قطه للاوسط بلين يعنى لم يغضب لله والروايات كلها فى جمع الفوائد) وعن ابى هريرة مرفوعاً ومن دعا على ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه لاينقص ذلک من اٰثامهم شيئا، رواه مسلم، عن انس مرفوعاً العلماء امناء الرسل على عبادالله مالم يخالطوا السلاطين فاذا فعلوا ذلک فقد خانوا المرسل فاحذروهم واعتزلوهم (تخريج العراقى لاحاديث الاحياء عن العقيلى فى الضعفا كتاب العلم الباب السادس واورده السيوطى عن الحاكم عن انس مرفوعاً وزاد فيه بعد مالم يخالطوا السلاطين ويدخلوا فى الدنيا قال السيوطى الحديث ليس بموضوع الى قوله وله شواهد لمعناه كثيرة صحيحة وحسنة فوق الاربعين ويحكم له بالحسن اللاٰلى المصنوعه كتاب

العلم قلت انظر الی قوله علیه السلام فاحذورهم واعتزلوهم اور ایسے غیرمحتاط عالم کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہوتو فتویٰ دینے سے ممانعت کردی جاتی ہے، کما فی الدرالمختار وغیرہ کتاب الحجر ماجن یعلم الحیلی الباطلة کتعلیم الردة لتبین من زوجها او تسقط عنها الزکٰوة فی ردالمحتار قوله کتعلیم الردةالخ وکالذی یفتی عن جهل شر نبلالیة. عن الخانیة، بلکہ یہ عالم مذکور فی السوال اس مفتی ماجن مذکور فی الکتاب سے بھی احق بالمنع ہے، کیونکہ اس ماجن کا فتویٰ حدود قانون کے اندر تو ہے کسی تاویل سے ہے یا ناواقفی ہے، اور اس مسئول عنہ کا تو صریح گمراہی ومخالفت نصوص کی دعوت ہے، اور یہ منع خاص انہی غلط مسائل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مطلق ہے، کما ہو ظاہرہ پس ایسے عالم سے تمام مسائل میں فتویٰ لینے سے قطع تعلق ہی کردینا چاہئے، الابضرورة شدیدة، کہ کسی مقام پر کوئی ثقہ مفتی نہ ہو۔

کمافی ردالمحتار ایضاً تحت قوله یمنع لان المفتی لوافتی بعد الحجر واصاب جاز اھ، اور ایسے عالم کے پیچھے نماز پڑھنا بلاضرورت مکروہ ہے، کیونکہ اگر ان اُمور کا ارتکاب کسی شبہ وتاویل باطل سے ہے تو بدعت ہے، ورنہ فسق اور دونوں کی امامت مکروہ ہے، صرح به فی کتب الفقه اور ضرورت یہ ہے کہ اور کوئی امام اہل نہ ہو، لیکن یہ سب احکام مذکورہ فتویٰ قادر کے لئے ہیں، اور عاجز معتزل کے لئے صبر کا حکم ہے ابن عمر سمعت الحجاج یخطب فذکر، کلاما، انکر ته فاردت ان اغیره فذکرت قول النبی صلی الله علیه وسلم لاینبغی للمومن ان یذل نفسه قال یتعرض من البلاء لمالا یطیق للبزار والکبیر والاوسط (ابو امامه) رفعه اذرایتم

امر الا تستطیعون غیره فاصبروا حتی یکون الله هو الذی یغیره، للکبیر بضعف (لکن الحکم ثابت بالقطعیات) کذا فی جمع الفوائد ولنعم ماقیل فی الصبر والتفویض فی مثل هذه الرزایاوالبلا یاوقد خرج حین تفاول بعض الصلحاء.

صبر را باحق قریں کرد اے فلاں　　آخر والعصر را آگہہ بخواں
صد ہزاراں کیمیا حق آفرید　　کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید
(الی قولہ) قوم دیگر مرشناسم زاولیا　　کہ دہاں شاں بستہ باشداز دعا
(لعینی للنفس)حسن ظنی بردل ایشاں کشود　　کہ نپو شنداز غمٗ جامہ کبود
ہر چہ آیدپیش ایشاں خوش بود　　آب حیواں گردہ از آتش بود
(ثم قال) پس چراگوید دعا الاگر　　دردعا بیند رضائے دادگر

(دفتر سوم مثنوی قصہ لقمان وبہلول)

کتبہ:اشرف علی　　۲۰،ج۲۔۵۶ھ

جزل الکلام
فی عزل الامام

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

امیر امان اللہ خان سابق والی کابل کی معزولی کے دوران ایک مضمون امام کو معزول کرنے کے مسئلہ کے متعلق تحریر فرمایا تھا، یہ اس کا لقب ہے۔

جزل الکلام فی عزل الامام

سوال: بعض احادیث میں تعارض کا شبہ ہوتا ہے اس کو رفع فرمایا جاوے۔ اول احادیث نقل کی جاتی ہیں پھر شبہ کی تقریر کی جائے گی۔ حدیث اول: عن عبادة بن الصامت قال با یعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم علی السمع والطاعة فی العسر وا لیسر والمنشط و المکرہ وعلی اثرة علینا وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومة لائم وفی روایة وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ الا ان ترو ا کفرا بوا حا عندکم من اللہ فیہ برھان متفق علیہ۔

حدیث ثانی: عن عوف بن مالک الاشجعی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم و شرا رائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم قال قلنا یا رسول اللہ! افلاننا بذھم عند ذلک قال لا ما اقاموا فیکم الصلاة لا ما اقاموا فیکم الصلوٰة الامن ولی علیہ من وال فرآہ یاتی شیئا من معصیة اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیة اللہ ولا ینز عن یدا من طاعة رواہ مسلم۔

حدیث ثالث: عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقہ رواہ احمد و ابوداؤد. حدیث رابع: عن عرفجة قال رسول اللہ صلی اللہ

علیه واله وسلم یقول انه سیکون هنات و هنات فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان رواه مسلم.حدیث خامس: عن ابی سعید الخدری عن رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان رواه مسلم (کلها فی المشکٰوة الثالث فی باب الاعتصام بالکتاب والسنة واٰخرها فی باب الامر بالمعروف والباقی فی کتاب الامارة والقضاء)

شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حدیث اول میں مخالفت امام کی حد کفر صریح کو فرمایا گیا ہے اور حدیث ثانی میں ترک صلوۃ کو۔ اور حدیث ثالث میں مطلق مفارقت جماعت کو۔ (ولو فی بعض الاحکام کما یفهم من قوله شبرا) بحکم ترک اسلام فرمایا ہے جس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا ہے جس کے اطلاق میں امام بھی داخل ہے اور اسی طرح حدیث رابع میں مطلق تفریق جماعت کو مبیح ضرب بالسیف فرمایا ہے جس میں تفریق بھی عام ہے گو بعض ہی احکام میں ہو اور مفرق بھی عام ہے گو امام ہی ہو اور اسی طرح حدیث خامس میں مطلق منکر پر تغییر بالید کا حکم فرمایا ہے جس میں منکر بھی عام ہے ہر منکر اور منکر علیہ بھی عام ہے امام وغیر امام کو اور تغییر بالید بھی عام ہے ہر مخالفت کو ولو بالسیف تو ان میں وجہ تطبیق کیا ہے کیونکہ حدیث ثالث رابع وخامس تحدید بالکفر وبترک الصلوۃ کی جو کہ حدیث اول وثانی میں وارد ہے نفی کر رہی ہے۔ افیدونا افادکم اللہ تعالیٰ.

الجواب: تطبیق کی باحتمال عقلی دو وجہ ہوسکتی ہیں ایک وجہ یہ کہ ان سب منکرات کو موثر فی جواز الخروج علی الامام کہا جاوے۔ دوسری وجہ یہ کہ ان میں سے بعض کو موثر کہا جاوے اور بعض باقی میں جن کی دلالت ثابت نہیں وہاں عدم دلالت سے اشکال رفع کیا جاوے اور جس کی دلالت ثابت ہے اس کو اس بعض موثر کی طرف راجع کیا

جاوے مگر وجہ اول سے دو امر مانع ہیں۔ایک حدیث کے الفاظ کہ نفی واستثناء سے حصر پر دال ہیں جس سے دوسرے منکرات کے موثر ہونے کی صریح نفی ہو رہی ہے۔دوسرا مانع اجماع دوسرے منکرات کے غیر موثر ہونے پر۔چنانچہ حصر کے الفاظ تو حدیث میں مشاہد ہیں اور اجماع کو نقل کرتا ہوں۔فی فتح الباری فی الباب الاول من کتاب الفتن و قداجمع الفقهاء علی وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خیر من الخروج علیه لما فی ذالک من حقن الدماء وتسکین الدهماء وحجتهم هذا الخبر وغیره وان لم یستثنوا من ذالک الا اذا وقع من السلطان الکفر لصریح فلا تجوز طاعته فی ذلک بل تجب مجاهدته لمن قدر علیها اھ اور اجماع حجت قطعیہ ہے اس کے ترک کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے دوسرے منکرات کو موثر فی الخروج کہنا جائز نہیں اگر مانع اول پر شبہ کیا جاوے کہ اس حدیث کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں چنانچہ فتح الباری میں عبارت بالا کے کچھ بعد ہے۔ووقع عند الطبرانی من روایة احمد بن صالح عن ابن وهب فی هذا الحدیث کفرا صراحا بالصاد المهملة مضمومة ثم راء ووقع فی روایة حبان ابی النفر المذکور الان یکون معصیة الله بواحا طریق آخر کے الفاظ سے مطلق معصیہ کا موثر ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ معصیت سے مراد کفر ہو دوسرے یہ کہ کفر سے مراد معصیت ہو زجراً اس کو کفر کہہ دیا ہو سو الفاظ کا مانع ہونا متیقن نہ رہا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اجماع نہ ہوتا تو یہ احتمال مضر ہو سکتا تھا لیکن اجماع کے بعد واجب ہے کہ دوسرے لفظ میں یا تو تاویل کی جاوے یا اس کا محمل بدلا جاوے چنانچہ فتح الباری میں بعد عبارت بالا کے یہ دونوں وجہیں بھی نقل کی ہیں اور خلاف اجماع کی تضعیف کی ہے۔فی قوله قال النووی المراد بالکفر هنا المعصیة و معنی

الحديث لا تنازعوا ولاة الامور فی ولا يتهم ولا تعترضوا عليهم الا ان تروا منهم منكرا محققا تعلمونه من قواعد الاسلام فاذا رأيتم ذلک فانكروا عليهم وقولوا بالحق حيثما كنتم انتهى وقال غيره المراد بالاثم هنا المعصية والكفر فلا يعترض على السلطان الا اذا وقع فی الكفر الظاهر والذی يظهر حمل رواية الكفر على ما اذا كانت المنازعة فی الولاية فلا ينازعه بالقدح فی الولاية الا اذا ارتكب الكفر وحمل رواية المعصية الى ما اذا كانت المنازعة فيما عدا الولاية فاذا لم يقدح فی الولاية نازعه فی المعصية بان ينكر عليه برفق ويتوصل الى تثبت الحق له بغير عنف وفعل ذلک اذا كان قادر او نقل ابن التين عن الداؤدی قال الذی عليه العلماء فی امرا الجور انه ان قدر على خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب والافا لواجب الصبر وعن بعضهم لا يجوز عقد الولاية لفاسق ابتداء فان احدث جورا بعد ان كان عدلا فاختلفوا فی جواز الخروج عليه والصحيح المنع الا ان يكفر فيجب الخروج عليه اور اگر مانع ثانی پر شبہ کیا جاوے کہ بعض علماء نے مطلق منکرات کو موثر فی جواز الخروج مانا ہے چنانچہ شوکانی نے باب الصبر علی جور الائمہ میں نقل کیا ہے وقد استدل القائلون بوجوب الخروج على الظلمة ومنا بذتهم السيف ومكافحتهم بالقتال بعمومات من الكتاب والسنة فی وجوب الامر بالمعروف والنهی عن المنكر اھ اس کا جواب وہ ہے جو خود شوکانی نے اس قول کے نقل کے بعد دیا ہے بقولہ ولا شک ولا ريب ان الاحاديث التی ذكرها المصنف فی هذا الباب وذكرناها اخص من تلک العمومات مطلقا وهی متواترة المعنى كما يعرف ذلک من له السنة بعلم السنة اور اس

جواب پر شبہ ہوسکتا تھا کہ اگر یہ جواب صحیح ہے تو بعض حضرات سلف نے ائمہ جور پر خروج کیوں کیا۔ اس کا جواب شوکانی نے مفصلاً یوں دیا ہے۔ ولکنه لا ینبغی لمسلم ان یحط علی من خرج من السلف الصالح من العترة وغیرهم علی ائمة الجور فانهم فعلوا ذلک باجتهاد منهم وهم اتقی لله واطوع لسنة رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم من جماعة من جاء بعدهم ممن اهل العلم اھ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا کے مقصد اول کے فصل اول میں دوسرے واضح عنوان سے جواب ارشاد فرمایا ہے اور اوپر کے مجمل جواب کو بھی اس طرف راجع کر سکتے ہیں اس طرح سے کہ شوکانی کے کلام میں جو عذر مبہم ہے وہ شاہ صاحب کے کلام میں مفسر ہے۔ وہو قولہ واگر آں تاویل مجتهد فیہ است نہ قطعی البطلان آں قوم نجاۃ یافتہ باشند در زمان اول حکم ایں قوم حکم مجتهد مخطی بود ان خطا فلہ اجر چوں احادیث منع بغا کہ صحیح مسلم وغیر آں مستفیض ست ظاہر شدو اجماع امت براں منعقد گشت امروز حکم بعصیاں باغی کنیم اھ حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ جن بزرگوں سے خلاف منقول ہے وہ قبل انعقاد اجماع ہے اس لئے اس پر ملامت نہیں لیکن بعد میں اس پر اجماع منعقد ہو گیا اب کسی کو اس کا خلاف جائز نہیں۔ اس تقریر سے دونوں مانع پر سے شبہ مرتفع ہو گیا اور ثابت ہوا کہ وجہ اول پر تطبیق نہیں ہو سکتی پس وجہ ثانی متعین ہو گئی یعنی یا دلالت میں کلام کیا جاوے یا بر تقدیر دلالت اس کو موثر کی طرف راجع کیا جاوے چنانچہ ایک ایک حدیث کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

حدیث ثانی میں ترک صلوٰۃ اس زمانہ میں کفر ہی کی علامت تھی پس اس کا حاصل کفر ہی ہوا جیسے شدِ زنار کو فقہاء نے شعار کفر فرمایا ہے اس سے تمام احکام کفر کے جاری کر دیئے جاویں گے اور اس زمانہ میں ترک صلوۃ کی علامت کفر ہونے کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم

بين العبدوبين الكفر ترك الصلوة رواه مسلم و عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم العهد الذى بيننا وبينهم الصلٰوة فمن تركها فقد كفر رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجه وعن عبدالله بن شقيق قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لا يرون من الاعمال تركه كفرا غيرالصلٰوة رواه الترمذى (مشكوة كتاب الصلٰوة) اور حدیث ثالث میں مفارقت جماعت کے مفہوم کا تحقق اوّل تو خارج علی الامام و جماعۃ میں زیادہ واضح ہے بہ نسبت ترک الامام لبعض الاحکام کے اور اقل درجہ احتمال تو ہو ہی گیا اور اگر عموم سے حدیث کو امام کے لئے بھی شامل کہا جاوے تو اوپر شوکانی کے اس قول میں اس کا جواب ہو چکا ہے۔ ولا ريب ان الاحاديث الخ اور حدیث رابع کی تفسیر خود ایک دوسری حدیث میں وارد ہے جو مشکوٰۃ میں اسی کے بعد متصل عرفجہ ہی سے براویت مسلم مروی ہے۔ ولفظه وعنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم يقول من اتاكم وامر كم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصياكم او يفرق جماعتكم فاقتلوه رواه مسلم. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق سے مراد تفریق الجماعۃ عن اطاعۃ امام واحد ہے جس کی زیادہ توضیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے کہ وہ بھی مشکوٰۃ میں اسی کے قبل متصل مذکور ہے۔ ولفظه عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اذا بويع الخليفتين فاقتلوا الاخر منهما رواه مسلم اور حدیث خامس میں اول تو وہ جواب ہے جو اوپر شوکانی کے قول میں گزرا ثانیاً امر بالمعروف مستلزم خروج نہیں پس اس میں بھی دلالت نہیں اگر کہا جاوے کہ تغییر بالید کا مدلول بجز قتال کے کیا ہوسکتا ہے جواب یہ ہے کہ اول تو وہ مشروط ہے قدرت کے ساتھ اور قدرت سے مطلق قدرت مراد نہیں ورنہ عدم استطاعت تغییر

بالید کا کبھی تحقق ہی نہ ہوگا کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو بلکہ مراد وہ قدرت ہے جس کے استعمال پر کوئی فتنہ نا قابل برداشت مرتب نہ ہو اور ظاہر ہے کہ رعیت کو ایسی قدرت بادشاہ پر نہیں ہے تو اگر تغیر بالید مرادف قتال کا بھی ہو تو عدم استطاعت کے سبب وہ مامور بہ نہیں اور دوسرے نصوص سے وہ ماذون فیہ بھی نہیں۔ ثانیاً مرادفت ہی مسلم نہیں تغیر بالید کا تحقق اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے مثلاً کوئی تصویر ذی روح کی رکھی ہے اس شخص نے اس کو توڑ پھوڑ دیا یا شراب کا شیشہ رکھا ہے اس نے اس کو گرا دیا تو اگر کسی کو اس کی ہمت ہو اس کو اجازت ہے بہر حال اس سے خروج کا اذن لازم نہیں آتا اور یہی تفسیر ہے اس حدیث کی جو مشکوۃ باب الامر بالمعروف میں بروایت بیہقی مروی ہے **ولفظه عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم انه تصيب امتى فى اخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ينجو منه الارجل عرف دين الله فجاهد عليه بلسانه ويده وقلبه فذلك الذى سبقت له السوابق ورجل عرف دين الله فصدق به ورجل عرف دين الله فسكت عليه فان راى من يعمل الخير احبه عليه وان راى من يعمل بباطل ابغضه عليه فذلك ينجو على ابطانه كله** اور یہ بھی اس وقت جب اس کی سند صحیح ہو ورنہ اگر اس کی سند ضعیف ہو تو معارضہ ہی نہیں اور حاجت تاویل ہی نہیں۔ یہاں تک احادیث کی شافی تطبیق اور اس کے ضمن میں اصل مسئلہ کی کافی تحقیق ہوگئی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق کچھ ضروری فروع ولواحق اقوال فقہاء سے نقل کر دیئے جاویں تا کہ احادیث مذکورہ و دیگر احادیث باب کی مزید تبیین اور ان کے مدلولات کی غالب تعیین ہو جاوے اور بعض میں جو ایہام تعارض ہو سکتا ہے وہ بھی مرتفع ہو جاوے کیونکہ ان اقوال میں بطور استدلال کے اس قسم کی بہت سی احادیث سے

تعرض ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء نے ان احادیث کے کیا معنی سمجھے ہیں اور معانی احادیث کے سمجھنے میں بروئے شہادت اکابرامت فقہاء کے برابر کوئی طبقہ اہل علم کا نہیں سمجھا گیا۔ **کمانقله الترمذی عن الشافعی رحمة الله عليه فی قول مالک رحمة الله عليه ليس بغسل الميت عندنا حد موقت وليس لذالک صفة معلومة ولكن يطهر اھ مانصه وكذلک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحديث (باب ما جاء فی غسل الميت)** وہ فروع ولواحق یہ ہیں اور تتمیماللضبط اس میں سب امور مخلہ امامت کے احکام اوراقسام کو لے لیا ہے اولاً وہ اقسام بشکل جدول بھی اور عبارت میں بھی لکھے جاتے ہیں اس کے بعد احکام ذکر کئے جاویں گے وہ اقسام یہ ہیں۔

امر مخل بالامامۃ

عذر			منکر			
اختیاری یعنی خلع بلاسبب	غیر اختیاری مثل مرض مانع عن العمل واسر ممتد وعجز عن کل العمل	کفر	فسق			
			غیر متعدی مثل شرب خمر وغیرہ	متعدی یعنی ظلم		
				باغذاالاموال		بالاکراہ علی العصیۃ
				اجتہادی	غیر اجتہادی	
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷

یہ کل سات قسمیں ہیں امور مخلہ امامت کی۔ قسم اول عذر اختیاری یعنی اپنے کو بلا سبب امامت سے معزول کردے۔ قسم ثانی عذر غیر اختیاری جیسے کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاوے جو اعمال امامت سے مانع ہوں جیسے جنون یا اندھا بہرا گونگا ہو جانا یا کفار کے ساتھ میں اسطرح اسیر ہو جانا کہ زمانہ ضرورت تک اس کی خلاصی کی امید نہ

ہو یا اس میں کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو یا نہ رہے یا رعایا کو دبا نہ سکے۔ قسم ثالث۔ نعوذ باللہ کافر ہو جاوے خواہ بکفر تکذیب وجحود خواہ بکفر عناد ومخالفت خواہ بکفر استخفاف و استقباح اُمور دین کما بسطه فی اول باب المرتد من الدر المختار و رد المحتار ولنقتصير على نقل بعض العبارة منه قال قال منه مال فى المسايرة وبالجملة فقد ضم الى التصديق بالقلب او بالقلب اواللسان فى تحقيق الايمان امور الاخلال بها اخلال بالايمان اتفاقا كترك السجود لصنم وقتل نبى والاستخفاف به وبالمصحف والكعبة وكذا مخالفة او انكارما اجمع عليه بعد العلم به لان ذلك دليل على ان التصديق مفقود الى قوله ثم قال والاعتبار التعظيم المنافى للاستخفاف كفر الحنفية بالالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المنتهكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمداً بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافاً بها بسبب انه فعلها النبى صلى الله عليه واله وسلم زيادة او استقباحها كمن استقبح من اخرجعل بعض العمامة تحت حلقه او احفاء شاربه اھ قلت (اى الشامى ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف اھ. البتہ اگر قبل عزل توبہ کر لے تو کفر کا حکم مرتفع ہو جائے گا احکام آخرۃ میں تو فوراً۔ اور احکام دنیویہ میں جبکہ قرائن وآثار سے اخلاص فی التوبہ پر قلب شہادت دے۔ كما صرح بهذا الشرط فى توبة قاطع الطريق والمرتد بقولهم حتى يتوب لا بالقول بل بظهور سيماء الصلحاء وبقولهم حتى يظهر عليه التوبة وبقولهم حتى يظهر عليه اثار التوبة ويرى انه مخلص وبقولهم حتى يرى عليه خشوع التوبة وحال

المخلص کذا فی الدرالمختار و ردالمحتار قلت والعلة صون المسلمین عن ضرر القاطع والمرتد ان لم یخلصا وهذا الضرر من السلطان اعظم ان لم یخلص فاشتراط فیه اولی.

قسم رابع: ایسا فسق اختیار کرے جو اس کی ذات تک محدود ہے جیسی زنا و شرب خمر وغیرہ میں مبتلا ہو جاوے۔ قسم خامس ایسا فسق اختیار کرے جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو جس کو ظلم کہتے ہیں اور اس ظلم کا محل صرف مال ہو یعنی لوگوں کے مال ناحق لینے لگے مگر اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہے جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ قسم سادس: یہی مالی ظلم کرے مگر اس میں جواز کا بھی اشتباہ نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو۔ قسم سابع: فسق متعدی یعنی ظلم اختیار کرے اور اس کا محل مظلومین کا دین ہو یعنی ان کو معاصی پر مجبور کرے مگر یہ فسق اسی وقت تک ہے جبکہ اس کا منشا استخفاف یا استقباح دین اور استحسان کفر یا معصیت نہ ہو بلکہ اغاظت مکروہ ہو (جیسا اکثر کسی خاص وقتی اقتضاء سے کسی خاص شخص پر اکراہ کرنے میں ایسا ہی ہوتا ہے) ورنہ یہ بھی حقیقۃ کفر ہے اور قسم ثالث میں داخل ہے یا فی الحال تو منشاء اکراہ کا استخفاف وغیرہ نہ ہو لیکن اکراہ عام بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المال ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف وغیرہ پیدا ہو جاوے گا تو ایسا اکراہ بھی بنا بر اصل مقدمہ الشی بحکم ذلک الشی بحکم کفر ہوگا۔ یہ سب سات قسمیں ہوئیں اب ان کے احکام لکھے جاتے ہیں۔ اولاً عبارات فقہاء کی نقل کرتا ہوں پھر احکام بیان کروں گا اور ساتھ ہی ساتھ مواقع استدلال کی طرف اشارہ کر دوں گا۔

العبارة الاولیٰ: فی الدرالمختار باب الامامة یکره تقلید الفاسق ویعزل به الا لفتنة فی ردالمحتار قوله ویعزل به ای بالفسق لوطرا علیه المراد انه یستحق العزل کما علمت انفا ولذالم یقل ینعزل.

العبارة الثانية :فى الدرالمختار باب البغاة فان بايع الناس الامام ولم ينفذ حكمه فيهم لعجزه عن قهرهم لا يصيرا ما ما فاذا صاراما ما فجار لاينعزل ان كان له قهرو غلبة لعوده بالقهر فلا يفيد والا ينعزل به لانه مفيده خانيه و تمامه فى كتب الكلام فى ردالمحتار قوله فلايفيد اى لا يفيد عزله قوله والا ينعزل به اى ان لم يكن له قهرو منعة ينعزل به اى بالجور العبارة الثالثة: قال فى شرح المقاصد ينحل عقد الامامة بما يزول به مقصود الامامة كالردة والجنون المطبق وصيرورته اسير الا يرجى خلاصه و كذا بالمرض الذى ينسيه العلوم وبا لعمى والصمم والخرس وكذا بخلعه نفسه لعجزه عن القيام بمصالح المسلمين وان لم يكن ظاهر ابل استشعره من نفسه و عليه يحمل خلع الحسن نفسه واما خلعه لنفسه بلا سبب ففيه خلاف وكذا فى انعز اله بالفسق والاكثرون على انه لا ينعزل وهو المختار من مذهب الشافعى وابى حنيفة رحمة الله عليه وعن محمد روايتان ويستحق العزل بالاتفاق اه العبارة الرابعة وقال فى المسايرة واذا قلد عد لا ثم جار وفسق لا ينعزل ولكن يستحق العزل ان لم يستلزم فتنة اه العبارة الخامسة: وفى المواقف وشرحه ان للامة خلع الامام و عزله بسبب يوجبه مثل ان يوجد منه ما يوجب اختلال المسلمين وا نتكاس امور الدين كما كان لهم نصبه واقامة لانتظامها واعلائها وان ادى خلعه الى فتنة احتمل ادنى المضرتين. اھ

العبارة السادسة: فى الدر المختار فاذا خرج جماعة مسلمون عن طاعته الى قوله حل لناقتالهم ومن دعاه الامام الى

ذلک ای قتالهم افترض علیه اجابته لان طاعة الامام فیما لیس بمعصیة فرض فکیف فیما هو طاعة بدائع لوقادر اوالالزم بیته درر. العبارة السابعة وفی المبتغی لو بغولا جل ظلم السلطان ولا یمتنع عنه لا ینبغی للناس معاونة السلطان ولا معاونتهم.

العبارة الثامنة: فی ردالمحتار قوله افترض علیه اجابته ثم اذا امر العسکر بامرفهو علی اوجه ان علموا انه نفع بیقین اطاعوه وان علموا خلافه کائن کان لهم قوة وللعد و مدد یلحقهم لایطیعونه وان شکوا لزمهم اطاعته وتمامه فی الذخیرة قوله فی المبتغی الخ موافق لمامر عن جامع الفصولین و مثله فی السراج لکن فی الفتح یجب علی کل من اطاق الدفع ان یقاتل مع الامام الا ان ابدوا ما یجوز لهم القتال کان ظلمهم او ظلم غیرهم ظلما لاشبهة فیه بل یجبوا ان یعینوهم حتی ینصفهم ویرجع عن جوره.

العبارة التاسعة: بخلاف ما اذا کان الحال مشتبها انه ظلم مثل تحمیل بعض الجبایات التی للامام اخذها والحاق الضرر بها لدفع ضر راعم منه. العبارة العاشرة: قلت ویمکن التوفیق بان وجوب اعانتهم اذا امکن امتناعه عن بغیه والا فلا کما یفیده قول المبتغی ولا یمتنع عنه تامل اھ قلت و عبارة جامع الفصولین ما فی اول باب البغاة من ردالمحتار تحت قول الدرالمختار فی تعریف البغاة و شرعاهم الخارجون علی الامام الحق بغیر حق فلو بحق فلیسو ابغاة وتمامه فی جامع الفصولین اه مانصه قوله و تمامه فی جامع الفصولین حیث قال فی اول الفصل الاول بیانه ان المسلمین اذا اجتمعوا علی امام وصاروا امنین به فخرج علیه طائفة من المومنین

فان فعلوا ذلک لظلم ظلمهم به فهم ليسوا من اهل البغى وعليه ان يترک الظلم وينصفهم ولا ينبغى للناس ان يعينوا الامام عليهم لان فيه اعانة على الظلم ولا ان يعينوا تلک الطائفة على الامام ايضالان فيه اعانة على خروجهم على الامام. اب ہر قسم کا حکم بیان کرتا ہوں۔

قسم اول کا حکم: اس میں اختلاف ہے لقوله فى العبارة الثالثة اما خلعه بنفسه بلا سبب ففيه خلاف قسم ثانی کا حکم معزول ہو جاوے گا۔ لقوله فى العبارة الثانية لعجزه عن قهرهم لا يصير اماما وفى العبارة الثالثة والجنون المطبق الى قوله بمصالح المسلمين.

قسم ثالث کا حکم: معزول ہو جاوے گا اور اگر جدا نہ ہو بشرط قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے لقوله فى العبارة الثالثة كالردة مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ بدليل الحديث الاول كفرا بواحا عند كم من الله فيه برهان مع انضمام الاجماع المذكور سابقا اور جس طرح اس کا کفر ہونا قطعی ہو۔ اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو مثل رویت عین کے نہ کہ محض روایات ظنیہ کے درجہ میں كما دل عليه قوله عليه السلام الاترو المراد روية العين بدليل تعديته الى مفعول واحد.

تنبیہ: کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت قرائن مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہو سکتا ہے اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہو سکتی ہے۔ كحرمة متروک التسمية عامدا. اسی طرح کبھی اجماع بھی مختلف فیہ ہو سکتا ہے چنانچہ عدم انعزال بالفسق پر جو اجماع ہے خود یہ اجماع بھی مجمع علیہ نہیں ہے كما النووى فى باب وجوب طاعة الامراء من شرح مسلم قال القاضى وقد ادعى ابو بكر بن مجاهد فى هذا الاجماع وقد اورد

علیه بعضهم هذا الی قوله وقیل ان هذا الخلاف کان اولا ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیهم والله اعلم. اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہوگا اسی طرح ایک اور صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مساغ ہے وہ یہ کہ عبارت خامسہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضر تین کے تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضرات مختلفہ کے اخف واشد ہونے میں مختلف ہو کما سیاتی فی تقریر دفع الشبهة الاولی وبه ینحل کثیر من الاشکالات من اختلاف جماعات الثقات فی مثل هذه المقامات .

قسم رابع کا حکم۔ اگر بدون کسی فتنہ کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو جدا کر دیا جاوے اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو صبر کیا جاوے۔ لقوله فی العبارة الاولی و یعزل به الا لفتنة الخ ولقوله فی العبارة الرابعة ولکن یستحق العزل ان لم یستلزم فتنة اور اگر نہی عن العزل کی صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامہ مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام حکم بھی کرے لقوله فی العبارة السادسة فاذ اخرج جماعة مسلمون الخ قسم خامس کا حکم۔ اطاعت کرے لقوله فی العبارة التاسعة بخلاف ما اذا کان الحال مشتبها الخ قسم سادس کا حکم۔ اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا جائز ہے اگرچہ قتال کی نوبت آ جائے۔ لقوله فی العبارة الثامنة الا ان اید واما یجوزلهم القتال الخ ولقوله فی العبارة العاشرة فان فعلوا ذلک بظلم ظلمهم به الخ اور صبر بھی جائز ہے بلکہ غالباً اولیٰ ہے لظاهر ماروی مسلم عن حذیفة رضی الله عنه فی حدیث طویل اخبر فیه عن ائمة الجور قلت کیف اصنع یا رسول الله ان ادرکت ذلک قال تسمع و تطیع وان ضرب ظهرک واخذ مالک فاسمع واطع (باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین الخ) وقال النووی

وفی حدیث حذیفة هذا لزوم جماعة المسلمین امامهم و وجوب طاعته وان فسق و عمل المعاصی من اخذ الاموال وغیر ذلک فتجب طاعته فی غیر معصیة. اور اوپر کی ثامن و عاشر عبارتوں میں جو جواز قتال اور اُن مقاتلین کا باغی نہ ہونا مذکور ہے یہ قتال للخروج نہیں ہے بلکہ للدفاع ہے اور حدیث میں جو فاسمع واطع کا امر ہے جو ظاہراً وجوب کیلئے ہے اس وجوب سمع وطاعت کی تفسیر عدم خروج ہے پس ان عبارات میں اور حدیث میں تعارض نہیں مگر چونکہ یہ دفاع بھی صورۃ خروج تھا لہٰذا صبر کی اولویت ظاہر ہے کہ اس میں اپنے دین کا شبہات سے استبراء ہے جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے اور یہ حکم تو خود مظلومین کے قتال کا تھا باقی دوسروں کے لئے امام کے مقابلہ میں ان مظلومین کی اعانت کرنا یا ان کے مقابلہ میں امام کی اعانت کرنا سو امام کی اعانت تو اس صورت میں بالاتفاق حرام ہے باقی مظلومین کی اعانت کرنا اس میں جامع الفصولین اور فتح کی عبارات سابعہ و ثامنہ میں اختلاف ہے اور شامی نے عبارۃ عاشرہ میں مبتغی کی ایک قید سے تطبیق کی کوشش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس اعانت کے مفید ہونے کی اُمید ہو تو اعانت کرے اور قواعد سے مفید ہونا وہ ہے کہ کوئی فتنہ مرتب نہ ہو ورنہ اعانت نہ کرے۔ واللہ اعلم

قسم سابق کا حکم یہ ہے کہ یہ از قبیل اکراہ علی المعاصی ہے اس کا مفصل حکم مستقلاً کتاب الاکراہ میں مذکور ہے وہاں سے معلوم کیا جاوے۔ اور بعض صورتوں میں یہ اکراہ حقیقۃً یا حکماً داخل کفر ہو جاتا ہے جیسا قسم سابع میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صورت میں حقیقۃً کفر ہے اور ایک صورت میں حکماً کفر ہے۔ ان صورتوں میں اس کا حکم قسم ثالث کا سا ہو جاویگا۔

یہاں تک اقسام اور سب اقسام کے احکام بیان کر دیئے گئے اب بعض سطحی شبہات کا دفع لکھ کر جواب کو ختم کرتا ہوں۔ شبہ اولیٰ: عبارت خامسہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ اختلال المسلمین وانعکاس امور الدین جو کہ تمام مظالم ومنکرات وبدعات کو شامل ہے نیز موجب خلع ہے پھر کفر کی کیا تخصیص رہی۔

دفع: یہ غایت مافی الباب فسخ ہے اور اس کے موجب خلع ہونے میں عدم فتنہ کی قید ثابت ہے جو کہ اس عبارت میں بھی مصرح ہے فی قوله وان ادی خلعه الی فتنة احتمل ادنیٰ المضرتین البتہ اگر انعکاس درجہ تغیر کفر ہی تک پہنچ جاوے تو اس کا حکم کفر ہے۔ کما سیاتی فی دفع الشبهة الثالثة قلت واراقة الدماء اشد المضرتین واحتمال خروج السلطنة من ید اهل الاسلام اشد منه واشد من هذا الخروج بقاء سلطنة اسم الاسلام وفناء حقیقة من الاحکام اور یہ بھی فتنہ ہے کہ اس کے خلع کے بعد اس سے بدتر کے تسلط کا ظن غالب ہو تو اس احتمال کا انتفاء بھی شرط ہے جواز خلع کی۔ شبہ ثانیہ۔ عبارت ثامنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی اطاعت اس کے مخالف کے مقابلہ میں علی الاطلاق فرض نہیں جیسا عبارت سادسہ میں وجوب کا حکم کیا گیا ہے بلکہ اس میں مصلحت وعدم مصلحت سے فیصلہ کیا جاوے گا اس سے مخالفت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ دفع۔ اس میں مطلقاً مصلحت وعدم مصلحت پر نظر کرنا مذکور نہیں بلکہ اس کا حاصل صرف معصیت وعدم معصیت پر نظر کرنا ہے اور اس میں نہ کسی کو کلام نہ ہمارے مقصود کے منافی ہے۔

شبہ ثالثہ: قال النووی فی حدیث مسلم افلانقاتلهم قال لا ما صلوا مانصه ففیه معنی ما سبق انه لا یجوز الخروج علی الخلفاء بمجرد الظلم او الفسق ما لم یغیر واشیئا من قواعد الاسلام (باب وجوب الانکار علی الامراء) اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغیر احکام سے جس میں بدعات قدیمہ ایشیائیہ وجدیدہ اور بائبہ سب آ گئیں خروج جائز ہے۔

دفع: یہ تغیر وہ ہے جو حد کفر تک پہنچ جاوے۔ وقد سبق دلیله اور تغیر

حد کفر تک پہنچنے والی وہ ہے جس میں استخفاف یا استقباح امور دین کا ہو جس کا بیان قسم ثالث کے ذیل میں گزر چکا ہے یہاں احکام کا بیان بھی ختم ہو گیا۔ اس تفصیل سے احادیث مذکور مقام و غیر مذکور مقام کی تطبیق میں اور زیادہ اعانت و ابانت حاصل ہو گئی اور سب احادیث کے محامل کی غالب تعیین سے ان کے معانی و مدلولات کی مزید تعیین ہو گئی اور یہی غرض تھی اس تفصیل کے ایراد سے

كما ذكرناه في تمهيد التفصيل ولنختم هذه العجالة التي هي في التطبيق بين احاديث الباب احسن مقاله، ولما كان لها نوع استقلال في الافاده، راينا تلقيها بجزل الكلام في عزل الامام، لنشاط اعاده، والحمدلله اولا و اخرا، وباطنا وظاهرا.

کتبہ اشرف علی لثلثہ خماس مضت من رمضان ۱۳۴۷ ہجری

تطبیق احادیث مخالفت امام اسلام

سوال: بعض احادیث میں تعارض کا شبہ ہوتا ہے، اس کو رفع فرما دیا جاوے، اول احادیث نقل کی جاتی ہیں پھر شبہ کی تقریر کی جائے گی۔

حدیث اول: عن عبادة بن الصامت قال بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة فی العسر واليسر والمنشط والمكره وعلى اثره علينا وعلى ان لاننازع الامر اهله وعلى ان نقول بالحق اينما كنا لانخاف في الله لومة لائم وفی رواية وعلى ان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان متفق عليه.

حدیث ثانی: عن عوف بن مالک الاشجعی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال خيار ائمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم قال قلنا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم افلا ننابذهم عند ذلک قال لا ما اقاموا فيكم الصلٰوة لا ما اقاموا فيكم الصلٰوة الا من ولی عليه من وال فرأه يأتی شيئا من معصية الله فليكره مايأتی من معصية الله ولا ينزعن يدامن طاعة رواه مسلم)

حدیث ثالث: عن ابی ذر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه رواه احمد و ابو داؤد.

حدیث رابع: عن عرفجة قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انه سيكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه

الامة وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان رواہ مسلم.

حدیث خامس: عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذٰلک اضعف الایمان رواہ مسلم (کلها فی المشکوٰۃ الثالث فی باب الاعتصام بالکتاب والسنة وآخرھا فی باب الامر بالمعروف والباقی فی کتاب الامارۃ والقضاء.)

شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حدیث اول میں مخالفت امام کی حد کفر صریح کو فرمایا گیا ہے اور حدیث ثانی میں ترک صلوٰۃ کو اور حدیث ثالث میں مطلق مفارقت جماعت کو (ولو فی بعض الاحکام کما یفهم من قوله شبراً) بحکم ترک اسلام فرمایا ہے، جس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا ہے جس کے اطلاق میں امام بھی داخل ہے اور اسی طرح حدیث رابع میں مطلق تفریق جماعت کو مبیح ضرب بالسیف فرمایا ہے جس میں تفریق بھی عام ہے گو بعض ہی احکام میں ہو اور مفرق بھی عام ہے گو امام ہی ہو اور اسی طرح حدیث خامس میں مطلق منکر پر تغیر بالید کا حکم فرمایا ہے، جس میں منکر بھی عام ہے۔ ہر منکر کو اور منکر علیہ بھی عام ہے امام وغیر امام کو اور تغیر بالید بھی عام ہے ہر مخالفت کو ولو بالسیف تو ان میں وجہ تطبیق کیا ہے۔ کیونکہ حدیث ثالث، رابع، خامس تحدید بالکفر وبترک الصلوٰۃ کی جو کہ حدیث اول وثانی میں وارد ہے نفی کر رہی ہے۔

افیدونا افادکم اللہ تعالٰی.

الجواب۔ تطبیق کی باحتمال عقلی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان سب منکرات کو مؤثر فی جواز الخروج علی الامام کہا جاوے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو مؤثر کہا جاوے اور بعض باقی میں جن کی دلالت ثابت نہیں وہاں عدم دلالت سے اشکال رفع کیا جاوے اور جس کی دلالت ثابت ہے اس کو اس بعض کی طرف راجع کیا جاوے۔ مگر وجہ اول سے دو امر مانع ہیں ایک حدیث کے الفاظ کہ نفی واستثناء سے حصر پر دال

ہیں جس سے دوسرے منکرات کے موثر ہونے کی صریح نفی ہو رہی ہے۔ دوسرا مانع اجماع دوسرے منکرات کے غیر موثر ہونے پر چنانچہ حصر کے الفاظ تو حدیث میں مشاہد ہیں، اور اجماع کو نقل کرتا ہوں۔

فی فتح الباری فی الباب الاول من کتاب الفتن وقد اجمع الفقهاء علی وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خیر من الخروج علیه لما فی ذلک من حقن الدماء وتسکین الدهماء وحجتهم هذا الخیر وغیره ولم یستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح فلا تجوز طاعته فی ذلک بل تجب مجاهدته لمن قدر علیها اھ

اور اجماع حجت قطعیہ ہے اس کے ترک کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے دوسرے منکرات کو موثر فی الخروج کہنا جائز نہیں، اگر مانع اول پر شبہ کیا جاوے کہ اس حدیث کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں چنانچہ فتح الباری میں عبارت بالا کے کچھ بعد ہے **ووقع عند الطبرانی من روایة احمد بن صالح عن ابن وهب فی هذا الحدیث کفرا صراحاً بالصاد المهملة مضمومة ثم راءٍ ووقع فی روایة حبان ابی النفر المذکور الا ان یکون معصیة الله بواحا،** طریق آخر کے الفاظ سے مطلق معصیت کا موثر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس میں دو احتمال ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ معصیت سے مراد کفر ہو دوسرے یہ کہ کفر سے مراد معصیت ہو، زجراً اس کو کفر کہہ دیا ہو، سو الفاظ کا مانع ہونا متیقن نہ رہا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اجماع نہ ہوتا تو یہ احتمال مضر ہوسکتا تھا لیکن اجماع کے بعد واجب ہے کہ دوسرے لفظ میں یا تو تاویل کی جاوے یا اس کا محمل بدلا جاوے، چنانچہ فتح الباری میں بعد عبارت بالا کے یہ دونوں وجہیں بھی نقل کی ہیں، اور خلاف اجماع کی تضعیف کی ہے۔

فی قوله قال النووی المراد بالکفر هنا المعصیة ومعنی

الحديث لاتنازعوا ولاة الامور فی ولايتهم ولا تعترضوا عليهم الا ان تروا منهم منكرا محققا تعلمونه من قواعد الاسلام فاذا رأيتم ذلک فانكرو اعليهم وقولوا بالحق حيثما كنتم انتهٰى وقال غيره المراد بالاثم هنا المعصية والكفر فلا يعترض على السلطان الا اذا وقع فی الكفر الظاهر والذی يظهر حمل رواية الكفر على ما اذا كانت المنازعة فی الولاية فلا ينازعه بالقدح فی الولالة الا اذا ارتكب الكفر وحمل رواية المعصية الٰی ما اذا كانت المنازعة فيما عدا الولاية فاذا لم يقدح فی الولاية نازعة فی المعصية الٰی ما اذا كانت المنازعة فيما عدا الولالة فاذا لم يقدح فی الولاية نازعة فی المعصية بان ينكر عليه برفق ويتوصل الى تثبيت الحق له بغير عنف وفعل ذلک اذا كان قادر او نقل ابن التين عن الداؤدی قال الذی عليه العلماء فی امراء الجور انه ان قدر علٰى خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب والا فالواجب الصبر وعن بعضهم لايجوز عقد الولاية لفاسق ابتداء فان احدث جورا بعد ان كان عدلا فاختلفوا فی جواز الخروج عليه والصحيح المنع الا ان يكفر فيجب الخروج عليه.

اوراگر مانع ثانی پرشبہ کیا جاوے کہ بعض علماء نے مطلق منکرات کوموثر فی جواز الخروج مانا ہے چنانچہ شوکانی نے باب الصبر علی جور الائمہ میں نقل کیا ہے۔ وقد استدل القائلون بوجوب الخروج على الظلمت ومنابذتهم السيف ومكافحتهم بالقتال بعمومات من الكتاب والسنة فی وجوب الامر بالمعروف والنهی عن المنكر اھ. اس کا جواب وہ ہے جوخود شوکانی نے اس قول کے نقل کے بعد دیا ہے۔ بقوله ولا شک ولاريب ان الاحاديث التی ذكرها المصنف فی هذا الباب وذكرناها اخص من تلک العمومات مطلقا وهی متواترة

المعنی کما یعرف ذلک من له السنة بعلم السنة اوراس جواب پر شبہ ہوسکتا تھا، اگر یہ جواب صحیح ہے تو بعض حضرات سلف نے ائمہ جور پر خروج کیوں کیا، اس کا جواب شوکانی نے متصلاً یوں دیا ہے۔ ولکنه لاینبغی لمسلم ان یحط علی من خرج من السلف الصالح من العترة وغیرهم علی ائمة الجور فانهم فعلوا ذلک باجتهاد منهم وهم اتقی الله اطوع لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم من جماعة ممن جاء بعدهم من اهل العلم اهـ

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء کے مقصد اول کی فصل اول میں دوسرے واضح عنوان سے جواب ارشاد فرمایا ہے۔ اور اوپر کے مجمل جواب کو بھی اس طرف راجع کر سکتے ہیں، اس طرح سے کہ شوکانی کے کلام میں جو عذر مبہم ہے، وہ شاہ صاحب کے کلام میں مفسر ہے وہو قولہ واگر تاویل مجتہد فیہ است نہ قطعی البطلان آں قوم نجات یافتہ باشند در زمان اول حکم ایں قوم حکم مجتہد مخطی بودن ان خطاً فلہ اجر چوں احادیث منع بغی کہ صحیح مسلم وغیر آں مستفیض ست ظاہر شد و اجماع امت براں منعقد گشت امروز حکم بعصیاں باغی کنیم اھ، حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ جن بزرگوں سے خلاف منقول ہے، وہ قبل انعقاد اجماع ہے، اس لئے اس پر ملامت نہیں، لیکن بعد میں اس پر اجماع منعقد ہوگیا، اب کسی کو اس کا خلاف جائز نہیں۔

اس تقریر سے دونوں مانع پر سے شبہ مرتفع ہوگیا اور ثابت ہوا کہ وجہ اول پر تطبیق نہیں ہوسکتی، پس وجہ ثانی متعین ہوگئی یعنی یا دلالت میں کلام کیا جاوے، یا بر تقدیر دلالت اس کو موثر کی طرف راجع کیا جاوے، چنانچہ ایک ایک حدیث کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

حدیث ثانی: میں ترک صلوٰۃ اس زمانہ میں کفر ہی کی علامت تھی، پس اس کا حاصل کفر ہی ہوا جیسے شد زنار کو شعار کفر فرمایا ہے، اس سے تمام احکام کفر کے جاری کر دیئے جاویں گے، اور اس زمانہ میں ترک صلوٰۃ کی علامت کفر ہونے کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ رواہ مسلم وعن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وعن عبداللہ بن شقیق قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایرون من الاعمال ترکہ کفرا غیر الصلوٰۃ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ)

اورحدیث ثالث: میں مفارقت جماعت کے مفہوم کا تحقق اول تو خارج علی الامام و جماعت میں زیادہ واضح ہے بہ نسبت ترک الامام لبعض الاحکام کے اور اقل درجہ احتمال تو ہو ہی گیا، اور اگر عموم سے حدیث کو امام کے لئے شامل کہا جاوے تو اوپر شوکانی کے اس قول میں اس کا جواب ہو چکا ہے۔

ولا ریب ان الاحادیث الخ:

اورحدیث رابع: کی تفسیر خود ایک دوسری حدیث میں وارد ہے جو مشکوٰۃ میں اسی کے بعد متصل عرفجہ ہی سے بروایت مسلم مروی ہے **ولفظۃ وعنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ رواہ مسلم** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق سے مراد **تفریق الجماعۃ عن اطاعۃ امام واحد** ہے جس کی زیادہ توضیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے کہ وہ بھی مشکوٰۃ میں اسی کے قبل متصل مذکور ہے۔ **ولفظہ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منھما رواہ مسلم.**

اورحدیث خامس: میں اوّل تو وہ جواب ہے جو اوپر شوکانی کے قول میں گزرا، ثانیاً امر بالمعروف مستلزم خروج نہیں، پس اس میں بھی دلالت نہیں اگر کہا جاوے کہ تغییر بالید کا مدلول بجز قتال کے کیا ہو سکتا ہے، جواب یہ ہے کہ اول تو وہ مشروط ہے قدرت

کے ساتھ اور قدرت سے مطلق قدرت مراد نہیں، ورنہ عدم استطاعت تغییر بالید کا کبھی تحقق ہی نہ ہوگا، کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو۔ بلکہ مراد وہ قدرت ہے جس کے استعمال پر کوئی فتنہ ناقابل برداشت مرتب نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ رعیت کو ایسی قدرت بادشاہ پر نہیں ہے تو اگر تغییر بالید مرادف قتال کا بھی ہو تو عدم استطاعت کے سبب وہ مامور بہ نہیں۔ اور دوسرے نصوص سے وہ ماذون فیہ بھی نہیں، ثانیاً مرادفت ہی مسلم نہیں تغییر بالید کا تحقق اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے مثلاً کوئی تصویر ذی روح کی رکھی ہے، اس شخص نے اس کو توڑ پھوڑ دیا، یا شراب کا شیشہ رکھا ہے اس نے اس کو گرادیا، تو اگر کسی کو اس کی ہمت ہو اس کو اجازت ہے بہر حال اس سے خروج کا اذن لازم نہیں آتا، اور یہی تفسیر ہے اس حدیث کی جو مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف میں بروایت بیہقی مروی ہے۔

ولفظه عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه تصيب امتى فى اٰخر الزمان من سلطانهم شدائد لاينجو منه الارجل عرف دين الله فجاهد عليه بلسانه ويده وقلبه فذلک الذى سبقت له السوابق ورجل عرف دين الله فصدق به ورجل عرف دين الله فسكت عليه فان رأى من يعمل الخير احبه عليه وان رأى من يعمل بباطل ابغضه عليه فذلک ينجو علىٰ ابطانه كله، اور یہ بھی اسوقت جب اس کی سند صحیح ہو ورنہ اگر اس کی سند ضعیف ہو تو معارضہ ہی نہیں، اور حاجت تاویل ہی نہیں۔

یہاں تک احادیث کی شافی تطبیق اور اس کے ضمن میں اصل مسئلہ کی کافی تحقیق ہوگئی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق کچھ ضروری فروع ولواحق اقوال فقہاء سے نقل کردیئے جاویں، تاکہ احادیث مذکورہ دیگر احادیث باب کی مزید تبیین اور ان کے مدلولات کی غالب تعیین ہوجاوے۔

اور بعض میں جو ایہام تعارض ہوسکتا ہے وہ بھی مرتفع ہوجاوے کیونکہ ان اقوال

میں بطور استدلال کے اس قسم کی بہت سی احادیث سے تعارض ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء نے ان احادیث کے کیا معنی سمجھے ہیں، اور معانی احادیث کے سمجھنے میں بروئے شہادت اکابر امت فقہاء کے برابر کوئی طبقہ اہل علم کا نہیں سمجھا گیا۔ **کما نقله الترمذی عن الشافعی فی قول مالک لیس بغسل المیت عندنا حد موقت ولیس لذلک صفة معلومة ولکن یطهر اھ مانصه وکذلک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث (باب ماجاء فی غسل المیت)**

وہ فروع ولواحق یہ ہیں اور تتمیماً للضبط اس میں سب امور مخلہ امامت کے احکام اور اقسام کو لے لیا ہے، اوّلاً وہ اقسام بشکل جدول بھی اور عبارت میں بھی لکھے جاتے ہیں، اس کے بعد احکام ذکر کئے جاویں گے۔ وہ اقسام یہ ہیں۔

امرِ مخل بالامامت

عذر			منکر			
		کفر	فسق			
اختیاری یعنی خلع بلاسبب	غیر اختیاری مثل مرض مانع عن العمل واسر ممتد و عجز عن العمل		غیر متعدی الغیر مثل شرب خمر وغیرہ	متعدی یعنی ظلم باخذ الاموال اجتہادی	غیر اجتہادی	بالاکراہ علی المعصیۃ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۸

یہ کل سات قسمیں ہیں امور مخلۂ امامت کی۔

قسم اول: عذر اختیاری یعنی اپنے کو بلاسبب امامت سے معزول کردے۔

قسم ثانی: عذر غیر اختیاری جیسے کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاوے جو اعمال امامت سے مانع ہو، جیسے جنون، یا اندھا، بہرا گونگا ہو جانا یا کفار کے ہاتھ میں اس طرح اسیر

ہو جاتا کہ زمانہ ضرورت تک اس کی خلاصی کی امید نہ ہو، یا اس میں کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو، یا نہ رہے یا رعایا کو دبا نہ سکے۔

قسم ثالث: نعوذ باللہ کافر ہوجاوے خواہ بکفر تکذیب وجحود خواہ بکفر عناد و مخالفت خواہ بکفر استخفاف و استقباح اُمور دین ﴿یہ امور دین خواہ اصول ہوں یا فروع فرائض وواجبات ہوں یا سنن و مستحبات عبادات ہوں یا عادات حتیٰ کہ عمامہ کی ہیئت مسنونہ قصداً استخفاف ہو یا دلالۃً، ملاحظہ ہو در مختار و رد المحتار کی عبارت منقولہ متن ولاعتبار التعظیم سے احفاء شاربہ تک ۱۲. اشرف علی﴾ کما بسطه فی اول باب المرتد من الدر المختار وردالمحتار ولنقتصر علٰی نقل بعض العبارة منه قال منه قال فی المسایرة وبالجملة فقد ضم الی التصدیق بالقلب او بالقلب واللسان فی تحقیق الایمان امور الاخلال بها اخلال بالایمان اتفاقاً کترک السجود لصنم وقتل النبی والاستخفاف به وبالمصحف والکعبة وکذا مخالفة أو انکار ما أجمع علیه بعد العلم به لان ذلک دلیل علٰی ان التصدیق مفقود الٰی قوله ثم قال ولا عتبار التعظیم المنافی للاستخفاف کفر الحنفیة بالفاظ کثیرة وافعال تصدر من المنتهکین لد لا لتها علی الاستخفاف بالدین کالصلٰوة بلا وضوء عمد ابل بالمواظبة علٰی ترک سنة استخفافا بها بسبب انه فعلها النبی صلی الله علیه وسلم زیادة اواستقباحها کمن استقبح من اٰخر جعل بعض العمامة تحت حلقه أو احفاء شاربه اھ قلت (ای الشامی) ویظهر من هذا ان ماکان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم یقصد الاستخفاف اھ

البتہ اگر قبل عزل توبہ کر لے تو کفر کا حکم مرتفع ہو جائے گا، احکام آخرۃ میں تو فوراً اور

احکام دنیویہ میں جبکہ قرائن وآثار سے اخلاص فی التوبہ قلب شہادت دے۔

كما صرح هذا الشرط فى توبة قاطع الطريق والمرتد بقولهم حتٰى يتوب لا بالقول بل بظهور سيما الصلحا وبقولهم حتٰى يظهر عليه التوبة وبقولهم حتٰى يظهر عليه آثار التوبة ويرىٰ انه مخلص وبقولهم حتٰى يرىٰ عليه خشوع التوبة وحال المخلص كذا فى الدر المختار و ردالمحتار والعلة صون المسلمين عن ضرر القاطع والمرتد ان لم يخلصا وهذا الضرر من السلطان اعظم ان لم يخلص فاشتراط فيه اولٰى.

قسم رابع: ایسا فسق اختیار کرے جو اس کی ذات تک محدود ہے، جیسے زنا وشرب خمر وغیرہ میں مبتلا ہو جاوے۔

قسم خامس: ایسا فسق اختیار کرے جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو جس کو ظلم کہتے ہیں اور اس ظلم کا محل صرف مال ہو یعنی لوگوں کے مال ناحق لینے لگے۔ مگر اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہوسکتا ہے، جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔

قسم سادس: یہی مالی ظلم کرے۔ مگر اس میں جواز کا بھی اشتباہ نہ ہو، بلکہ صریح ظلم ہو۔

قسم سابع: فسق متعدی یعنی ظلم اختیار کرے اور اس کا محل مظلومین کا دین ہو یعنی ان کو معاصی پر مجبور کرے، مگر یہ فسق اسی وقت تک ہے جبکہ اس کا منشاء استخفاف یا استقباح دین اور استحسان کفر یا معصیت نہ ہو، بلکہ اغاظت مکرہ ہو (جیسے اکثر کسی خاص وقتی اقتضاء سے کسی خاص شخص پر اکراہ کرنے میں ایسا ہی ہوتا ہے) ورنہ یہ بھی حقیقتاً کفر ہے، اور قسم ثالث میں داخل ہے، یا فی الحال تو منشاء اکراہ کا استخفاف وغیرہ نہ ہو، لیکن اکراہ عام بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المآل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جاوے گا تو ایسا اکراہ بھی بناء بر اصل **مقدمة الشیء بحکم ذلک الشیء** بحکم کفر ہوگا۔ (چنانچہ فقہاء کا اذان وختان کے (جو کہ سنن میں سے ہیں) ترک عام کو استخفاف دین یا موجب محاربہ تارکین فرمانا صریح دلیل ہے ایسے عموم کے بحکم کفر

ہونے کے ملاحظہ ہو در مختار و رد المحتار باب الاذان و مسائل شتیٰ حکم ختان ۱۲ اشرف علی﴾

یہ سب سات قسمیں ہوئیں، اب ان کے احکام لکھے جاتے ہیں، اولاً عبارات فقہاء کی نقل کرتا ہوں پھر احکام بیان کروں گا، اور ساتھ ہی ساتھ مواقع استدلال کی طرف اشارہ کروں گا۔

العبارة الاولى: فى الدر المختار باب الامامة يكره تقليد الفاسق ويعزل به الا لفتنة . فى رد المحتار ويعزل به اى بالفسق لوطرأ عليه المرادانه يستحق العزل كما علمت انفا ولذالم يقل ينعزل اھ

العبارة الثانية: فى الدر المختار باب البغاة فان بايع الناس الامام ولم ينفذ حكمه فيهم لعجزه عن قهر هم لايصير اماما فاذا صاراماما فجار لا ينعزل ان كان له قهر وغلبة لعوده بالقهر فلا يفيد والا ينعزل به لانه مفيده (خانيه) وتمامه فى كتب الكلام فى ردالمحتار قوله فلا يفيد اى لايفيد عزله قوله والا ينعزل به اى ان لم يكن له قهر ومنعة ينعزل به اى بالجور.

العبارة الثالثة: قال فى شرح المقاصد ينحل عقد الامامة بما يزول به مقصود الامامة كالردة والجنون المطبق وصيرورته اسيرا لايرجى خلاصه وكذا بالمرض الذى ينسيه العلوم وبالعمى والصمم والخرس وكذا يخلعه نفسه لعجزه عن القيام بمصالح المسلمين وان لم يكن ظاهر ابل استشعره من نفسه وعليه يحمل خلع الحسن نفسه واما خلعه لنفسه بلا سبب ففيه خلاف وكذا فى انعز اله بالفسق والاكثرون على انه لا ينعزل وهو المختار من مذهب الشافعى وابى حنيفةؒ وعن محمد روايتان ويستحق العزل بالاتفاق اھ

العبارة الرابعة: .وقال فى المسايرة واذا قلد عدلاثم جار

وفسق لاينعزل ولكن يستحق العزل ان لم يستلزم فتنة اهـ

العبارة الخامسة:. وفى المواقف وشرحه ان للأمة خلع الامام وعزله بسبب يوجبه مثل ان يوجد منه مايوجب اختلال المسلمين وانتكاس امور الدين كما كان لهم نصبه واقامة لانتظامها واعلانها وان ادى خلعه الى فتنة احتمل ادنى المضرتين اهـ

العبارة السادسة:. فى الدر المختار فاذا خرج جماعة مسلمون عن طاعته الى قوله حل لنا قتالهم ...... ومن دعاه الامام الى ذلك اى قتالهم افترض عليه اجابته لان طاعة الامام فيما ليس بمعصية فرض فكيف فيما هو طاعة (بدائع) لو قادر اوالالزم بيته. درر.

العبارة السابعة:. وفى المبتغى لو بغوا لاجل ظلم السلطان ولا يمتنع عنه لا ينبغى للناس معاونة السلطان ولا معاونتهم.

العبارة الثامنة:. فى ردالمحتار قوله افترض عليه اجابته ثم اذا امر العكسر بامرفهو علىٰ اوجه ان علموا انه نفع بيقين اطاعوه وان علموا خلافه كإن كان لهم قوة وللعدو مدد يلحقهم لايطيعونه وان شكو الزمهم اطاعته وتمامه فى الذخيرة قوله فى المبتغى الخ موافق لما مر عن جامع الفصولين ومثله فى السراج لكن فى الفتح يجب كل من اطاق الدفع ان يقاتل مع الامام الا ان ابدو اما يجوز لهم القتال كان ظلمهم او ظلم غيرهم ظلماً لاشبهة فيه بل يجب ان يعينوهم حتىٰ ينصفهم ويرجع عن جوره.

العبارة التاسعة: بخلاف ما اذا كان الحال مشتبها انه ظلم مثل تحميل بعض الجبايات التى للامام اخذها والحاق الضرر بها لدفع ضرر اعم منه.

العبارة العاشرة:قلت ویمکن التوفیق بان وجوب اعانتهم اذا امکن امتناعه عن بغیه والا فلا کما یفیده قول المبتغی ولا یمتنع عنه تامل اھ قلت وعبارة جامع الفصولین فی ما اول باب البغاة من رد المحتار تحت قول الدر المختار فی تعریف البغاة وشرعاهم الخار جون علٰی الامام الحق بغیر حق فلو بحق فلیسوا ببغاة وتمامه فی جامع الفصولین اھ ما نص قوله وتمامه فی جامع الفصولین حیث قال فی اول الفصل الاول بیانه ان المسلمین اذا اجتمعوا علٰی امام وصار وآمنین به فخرج علیه طائفة من المومنین فان فعلوا ذلک لظلم ظلمهم به فهم لیسوا من اهل البغی وعلیه ان یترک الظلم وینصفهم ولا ینبغی للناس ان یعینوا الامام علیهم لان فیه اعانة علی الظلم ولا ان یعینوا تلک الطائفة علی الامام ایضا لان فیه اعانة علٰی خروجهم علی الامام اھ

اب ہر قسم کا حکم بیان کرتا ہوں۔..........قسم اول کا حکم: اس میں اختلاف ہے۔ لقوله فی العبارة الثالثة اما خلعه بنفسه بلا سبب ففیه خلاف.

قسم ثانی کا حکم: معزول ہوجاوے گا۔ لقوله فی العبارة الثانیة لعجزه عن قهرهم لا یصیرا ماما وفی العبارة الثالثة والجنون المطبق الی قوله بمصالح المسلمین.

قسم ثالث کا حکم: معزول ہوجاوے گا اور اگر جدا نہ ہو بشرط قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے۔ لقوله فی العبارة الثالثة کالردة مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو۔ بدلیل الحدیث الاول کفرا بواحا عندکم من الله فیه برهان مع انضمام الاجماع المذکور سابقا اور جس طرح اس کا کفر ہونا قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو مثل رویت عین کے نہ کہ محض روایات ظنیہ کے درجہ میں کما دل علیه قوله علیه السلام الا ان ترو لمراد رویة العین بدلیل تعدیته الی مفعول واحد.

تنبیہ
کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت قرائن مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہوسکتا ہے اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہوسکتی ہے۔ کحرمۃ متروک التسمیۃ عامداً اسی طرح کبھی اجماع مختلف فیہ ہوسکتا ہے، چنانچہ عدم انعزال بالفسق پر جو اجماع ہے خود یہ اجماع بھی مجمع علیہ نہیں۔ **كما قال النووى فى باب وجوب طاعة الامراء من شرح مسلم قال القاضى وقد ادعى ابوبكر بن مجاهد فى هذا الاجماع وقد اورد عليه بعضهم هذا الى قوله وقيل ان هذا الخلاف كان اولاثم حصل الاجماع علىٰ منع الخروج عليهم. والله اعلم.** اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہوگا، اسی طرح ایک صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مساغ ہے وہ یہ کہ عبارت خامسہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضرتین کے تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضرات مختلف کے اخف واشد ہونے میں مختلف ہو۔ **كما سياتى فى تقرير دفع الشبهة الاولىٰ وبه ينحل كثير من الاشكالات من اختلاف جماعات الثقات فى مثل هذه المقامات.**

قسم رابع کا حکم: اگر بدون کسی فتنہ کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو جدا کر دیا جائے۔ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو صبر کیا جاوے۔ **لقوله فى العبارة الاولىٰ ويعزل به الالفتنة الخ ولقوله فى العبارة الرابعة ولكن يستحق العزل لم يستلزم فتنة** اور اگر نہی عن العزل صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامہ مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام حکم بھی کرے۔ **لقوله فى العبارة السادسة فاذا خرج جماعة مسلمون الخ.**

قسم خامس کا حکم: اطاعت کرے **لقوله فى العبارة التاسعة بخلاف ما اذا كان الحال مشتبهاً الخ.**

قسم سادس کا حکم: اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا اگر چہ قتال کی نوبت آ جائے۔

لقوله فی العبارة الثامنة الا ان ابدوا مایجوز لهم القتال الخ ولقوله فی العبارة العاشرة فان فعلوا ذلک لظلم ظلمهم به الخ، اورصبر بھی جائز ہے بلکہ غالبًا اولیٰ ہے۔لظاهر ماروی مسلم عن حذیفه رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث طویل اخبر فیه عن ائمة الجور قلت کیف اصنع یا رسول الله! ان ادرکت ذلک قال تسمع وتطیع وان ضرب ظهرک واخذ مالک فاسمع واطع. باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (الخ) وقال النووی وفی حدیث حذیفه هذا لزوم جماعة المسلمین امامهم ووجوب طاعته وان فسق وعمل المعاصی من اخذالاموال وغیر ذلک فتجب طاعته فی غیر معصیة.

اوراوپر کی ثامن وعاشر جو جواز قتال اوران مقاتلین کا باغی نہ ہونا مذکور ہے۔ یہ قتال للخروج نہیں ہے۔ بلکہ للدفاع ہے اورحدیث میں جو فاسمع واطع کا امر ہے، جو ظاہرا وجوب کے لئے ہے اس وجوب سمع واطاعت کی تفسیر عدم خروج ہے پس ان عبارات میں اورحدیث میں تعارض نہیں مگر چونکہ یہ دفاع بھی صورۃً خروج تھا لہٰذا صبر کی اولیت ظاہر ہے کہ اس میں اپنے دین کا شبہات سے استبراء ہے جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے، اور یہ حکم تو خود مظلومین کے قتال کا تھا باقی دوسروں کے لئے امام کے مقابلہ میں ان مظلومین کی اعانت کرنا یا ان کے مقابلہ میں امام کی اعانت کرنا سوامام کی اعانت تو اس صورت میں بالاتفاق حرام ہے باقی مظلومین کی اعانت کرنا، اس میں جامع الفصولین اور فتح کی عبارات سابعہ وثامنہ میں اختلاف ہے اورشامی نے عبارت عاشرۃ مبتغی کی ایک قید سے تطبیق کی کوشش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگراس اعانت کے مفید ہونے کی اُمید ہوتو اعانت کرے۔اورقواعد سے مفید ہونا وہ ہے کہ کوئی فتنہ مرتب نہ ہوورنہ اعانت نہ کرے۔ واللہ اعلم

قسم سابع کا حکم: یہ ہے کہ از قبیل اکراہ علی المعاصی، اس کا مفصل حکم مستقلاً کتاب

الاکراہ میں مذکور ہے، وہاں سے معلوم کیا جائے اور بعض صورتوں میں یہ اکراہ حقیقتاً یا حکماً داخل کفر ہو جاتا ہے، جیسا قسم سابع میں بیان کیا گیا ہے، کہ ایک صورت میں حقیقتاً کفر ہے اور ایک صورت میں حکماً کفر ہے، ان صورتوں میں اس کا حکم قسم ثالث کا سا ہو جاوے گا۔ یہاں تک اقسام اور سب اقسام کے احکام بیان کر دیئے گئے، اب بعض سطحی شبہات کا دفع لکھ کر جواب کو ختم کرتا ہوں۔

شبہ اولیٰ

عبارت خامسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلال المسلمین وانتکاس اُمور الدین جو کہ تمام مظالم ومنکرات وبدعات کو شامل ہے، نیز موجب خلع ہے، پھر کفر کی کیا تخصیص رہی۔

دفع

یہ غایت مافی الباب فسخ ہے، اور اس کے موجب خلع ہونے میں عدم فتنہ کی قید ثابت ہے جو کہ اس عبارت میں بھی مصرح ہے۔ **فی قوله وان ادی خلعه الٰی فتنة احتمل ادنی المضرتین اھ** البتہ اگر انتکاس درجۂ تغیر کفر ہی تک پہنچ جاوے تو اس کا حکم کفر کا ہے۔ **کما سیاتی فی دفع الشبهة الثالثة قلت واراقة الدماء اشد المضرتین واحتمال خروج السلطنة من یداهل الاسلام اشد منه واشد من هذا الخروج بقاء سلطنة اسم الاسلام وفناء حقیقة من الاحکام.** اور یہ بھی فتنہ ہے کہ اسکے خلع کے بعد اس سے بدتر کے تسلط کا ظن غالب ہو تو اس احتمال کا انتفاء بھی شرط ہے جواز خلع کی۔

شبہ ثانیہ

عبارت ثامنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی اطاعت اس کے مخالف کے مقابلہ میں علی الاطلاق فرض نہیں، جیسا عبارت سادسہ میں وجوب کا حکم کیا گیا ہے بلکہ اس میں مصلحت وعدم مصلحت سے فیصلہ کیا جاوے گا، اس سے مخالفت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

دفع

اس میں مطلقاً مصلحت عدم مصلحت پر نظر کرنا مذکور نہیں بلکہ اس کا حاصل صرف معصیت وعدم معصیت پر نظر کرنا ہے اوراس میں نہ کسی کو کلام نہ ہمارے مقصود کے منافی ہے۔

شبہ ثالث

قال النووی فی حدیث مسلم افلا نقاتلهم قال لا ماصلوا مانصه ففیه معنی ماسبق انه لایجوز الخروج علی الخلفاء بمجردالظلم او الفسق مالم یغیر واشیئًا من قواعدالاسلام (باب وجوب الانکار علی الامراء)

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغییر احکام سے جس میں بدعات قدیمہ ایشیائیہ وجدیدہ اور بائیہ سب آ گئیں، خروج جائز ہے۔

دفع

یہ تغییر وہ ہے جو حد کفر تک پہنچ جاوے وقد سبق دلیلہ اور تغییر حد کفر تک پہنچے والی وہ ہے جس میں استخفاف یا استقباح امور دین کا ہو جس کا بیان قسم ثالث کے ذیل میں گزر چکا ہے، یہاں احکام کا بیان بھی ختم ہو گیا، اس تفصیل سے احادیث مذکور مقام وغیر مذکور مقام کی تطبیق میں اور زیادہ اعانت وابانت حاصل ہوگئی اور سب احادیث کے محامل کی غالب تعیین سے ان کے معانی ومدلولات کی مزید تعیین ہوگئی، اور یہی غرض تھی اس تفصیل کے ایراد سے۔

کما ذکرناه فی تمهید التفصیل ولنختم هذه العجاله التی هی فی تطبیق بین احادیث الباب احسن مقالة ولما کان لها نوع استقلال فی الافادة رأینا تلقیبها بجزل الکلام فی عزل الامام، للنشاط اعانة، والحمدلله اولا واخرا وباطنًا وظاهراً.

کتبہ اشرف علی: لثلة خماس مضت من رمضان ۱۳۴۷ھ (النور ص:۱۴، ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ)

❀❀❀

آجکل کے لیڈر اور سیاسی تحریکات
حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا تفصیلی نقطہ نظر

ایک مولوی صاحب نے کشمیر کے متعلق چند سوالات کیے اس پر حضرت والا نے جو جوابات ارشاد فرمائے وہ بہ عنوان سوال و جواب ذیل میں درج کرتا ہوں۔

سوال: میں ایک خاص واقعہ کے متعلق اپنی تسلی کے لئے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں اگر حضرت والا بطیب خاطر اجازت فرمائیں۔

جواب: فرمایا نہایت خوشی سے اجازت ہے اس وقت اور بھی اہل علم موجود ہیں ضرور ان سے سوالات کو ظاہر فرمایئے۔

سوال: کشمیر پر جو مسلمانوں کے جتھے جا رہے ہیں ان کا وہاں پر جا کر لڑنا مقصود نہیں صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے یہ صورت شرعاً کیسی ہے؟

جواب: فرمایا یہ شرعی لڑائی تو ہے نہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز اگر قدرت ہے تو قتال اور اگر قدرت نہیں تو صبر درمیان میں اور کوئی چیز نہیں ہے نہ یہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اور نہ آجکل کی درمیانی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں سب دوسری قوموں کی تقلید ہے۔

سوال: اس وقت کے زمانہ کے لحاظ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ کمزور کو قوی کے مقابلہ میں اسی صورت سے کامیابی ہوسکتی ہے یعنی پبلک حکومت کا مقابلہ اسی صورت سے کرسکتی ہے۔

جواب: فرمایا یہ نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے اور اجتہاد کا ہم کو حق نہیں۔ میں نے جو دو صورتیں بیان کیں یہ تو منصوص ہیں اور آپ جو تدابیر اور طریق کار بیان کر رہے ہیں یہ اس مضمون کا معارض ہے اسی لئے یہ طریق سلف سے منقول نہیں۔

سوال: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھدوائی تھی یہ شاہان عجم کی تدابیر میں سے تھی جو غیر قوم تھے۔

جواب: فرمایا کہ یہاں کوئی نص نہ تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل فرمالیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل فرمالینا منصوص نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور یہاں تو منصوص ہے یہاں پر یہ صورت اختیار نہیں کر سکتے۔

سوال: یہ صورت جو اختیار کی گئی ہے اس سے بھی کامیابی ہو جاتی ہے سکھ اس سے کامیاب ہو ہی گئے۔

جواب: فرمایا کہ سوال کامیابی عدم کامیابی کا نہیں ہے سوال یہ ہے کہ یہ صورت جو اختیار کی گئی ہے اس کا حکم شرعی کیا ہے اس کا میں جواب عرض کر رہا ہوں۔

سوال: اگر بغیر لڑے ہوئے اس صورت کو اختیار کر کے کامیابی ہو جائے تو اس صورت کے اختیار کرنے میں شرعاً کیا حرج ہے۔

جواب: فرمایا یہی کیا تھوڑا حرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا۔

سوال: کچھ نہ کریں مارے جائیں برباد ہو جائیں خاموش رہیں؟

جواب: فرمایا کہ یہ میں نے کب کہا ہے یہ بھی آپ کا اجتہاد ہے منجملہ اور اجتہادات کے میں نہ واقعات کی نفی کرتا ہوں اور نہ منفعت کی۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ صورت جو اختیار کی گئی ہے۔ یہ منصوص کے خلاف ہے آپ کے ذمہ ہے کہ آپ اس کا نصوص کلیہ میں داخل ہونا ثابت کریں۔

اگر داخل ہے تو مجھ کو بھی بتلا دیا جائے میں بھی مان لوں گا۔ خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے جس طرح میں صاف طور پر عرض کر رہا ہوں کہ یہ منصوص کے خلاف

اور نصوص کلیہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد اور قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرف کا حق ہے آپ بھی صاف بیان کریں جس وقت آپ سمجھا دیں گے میں بھی ان شاء اللہ تسلیم کرلوں گا۔

سوال: موجودہ صورت نصوص کے کلیہ میں تو داخل نہیں ہوسکتی لیکن یہاں پر قیاس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

جواب: فرمایا نص کے ہوتے ہوئے قیاس اور اجتہاد کیجئے میں کب منع کرتا ہوں مجھے تو بحمد اللہ کھلی آنکھوں نظر آتا ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل۔

سوال: اسی لیے تو دریافت کیا جارہا ہے۔

جواب: فرمایا اگر آپ کو شرح صدر ہو تو آپ عمل کیجئے یہی سمجھ لیجئے کہ مجھ کو شرح صدر نہیں مجھ کو اپنے فتویٰ میں شریک نہ کیجئے اور نہ مجھ سے امید رکھئے کہ میں منصوصات کے خلاف کروں یا اجتہاد کروں میں تو کٹر مقلد ہوں۔

صاحبین کا قول بھی کہیں اضطرار میں لے لیتا ہوں ورنہ میں تو امام صاحبؒ کے مذہب پر عمل کرتا ہوں آپ کی تو بھلا کیا تقلید کرسکتا ہوں آپ تو بچے ہیں اور میں بڈھوں کا مقلد ہوں پھر مزاحاً فرمایا کہ نہیں بڈھوں کا نہیں بلکہ ایک بڈھے کا۔

سوال: لڑ تو سکتے نہیں پھر کیا صورت ہو؟

جواب: جو میں عرض کررہا ہوں وہ منصوص ہے اسی پر عمل کریں یعنی قدرت کو دیکھ لیں اگر قدرت اور قوت ہے تو بجائے جتھے بھیجنے کے قتال کریں جہاد کریں تلوار ہاتھ میں لیں لڑیں اور اگر قدرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے صبر کریں نیز عجز کی صورت میں یہ بھی ہوگا کہ آئندہ اگر کوئی ضرر پیش آیا تو اس کے برداشت کی بھی قوت نہ ہوگی اور جس ضرر سے بچنے کی قدرت نہ ہو یا مشکل ہو اس میں نہ پڑنا چاہیئے۔

سوال: (آیت جہاد میں) من قوۃ نکرہ ہے اس وقت جیل جانے کی قدرت ہے؟

جواب: قدرت سے یہ قدرت مراد نہیں بلکہ وہ قدرت جس میں خصم کو کوئی

ضرر ہو اور اس کے ساتھ اپنا کوئی ضرر یقینی نہ ہو۔

سوال: جیل کے جانے میں تو کوئی ضرر نہیں معلوم ہوتا اور خصم کا ضرر ہے یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے؟

جواب: اگر قدرت علی الاضرار یہی ہے تو آج اس کی بھی قدرت ہے کہ ایک دشمن کے منہ پر تھوک دیں اس میں بھی اغاظہ ہے لیکن چونکہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ضرر اپنا ہے ایسا نہیں کرتے یا ایک دشمن کے ڈھیلا ماردیں اس کی قدرت بھی ہے مگر ایسا نہیں کرسکتے حاصل وہی ہے کہ قدرت سے مراد وہ قدرت ہے جس میں اس کا معتد بہ نہیں ۔خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں کہ ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اس پر تو ہم کو قدرت ہے لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے ان کی مدافعت پر بھی قدرت ہو۔

پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے اور دوسری صورت استطاعت شرعیہ خوب سمجھ لیجئے گا اور مدافعت کی فرضیت کیلئے پہلی استطاعت کافی نہیں بلکہ دوسری صورت یعنی استطاعت شرعیہ شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے۔

قال من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہٖ و ذالک اضعف الایمان (مسلم)

جب کوئی شخص کسی گناہ کو ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹادے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے اسکی برائی ظاہر کردے اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے (ضرور) اس کو برا سمجھے۔

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب محقق ہوگی۔یعنی اگر فعل کسی کی فرضیت کیلئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں ان کی مدافعت پر قادر ہونا شرط نہ ہو تو زبان

سے انکار کرنا ہر حالت میں فرض ہونا چاہئے کیونکہ زبان کا چلانا ہر وقت ہماری قدرت میں ہے پھر وہ کون سی صورت ہوگی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹادے اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت ہونے کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مقاومت اور مدافعت ومقابلہ بہ ظن غالب عادۃً ناممکن ہو ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

سوال: پھر کیا صورت ہے کشمیر کے مسلمانوں کی امداد کی؟

جواب: یہ صورت ہے کہ وہاں جا کر ان کو تبلیغ کی جائے اور آپس میں اتحاد کی ترغیب دی جائے اور جب قوت ہو جائے لڑیں جہاد کریں۔

سوال: دروازہ ہی پر روک لیا جاتا ہے گرفتار کرلیا جاتا ہے اندر جانے ہی نہیں دیا جاتا؟

جواب: آپ ہی دیکھ لیجئے کہ ایسی حالت میں آپؐ سے کشمیر کے مسلمانوں کو کیا امداد پہنچ سکتی ہے جب کہ وہاں تک پہنچنے پر بھی قدرت نہیں۔ جتھوں کا جیل میں جانا پڑنا، بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہنچے تو اس کا درجہ ظاہر ہے یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو کیا خودکشی کرنا جائز ہو جائے گا اور یہ جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کا مرادف نہیں ہے اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل ہی نہیں حضرت ہر منفعت کا اعتبار نہیں اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے اگر تم کنوئیں میں گر جاؤ تو اس کی جان بچانے کی غرض سے کیا کنوئیں میں گر جانا جائز ہوگا۔

سوال: تو کیا پھر قتال ہی کیا جائے؟ **جواب:** ضرور، مگر قدرت عادی شرط ہے اور محض کامیابی کی خیالی توقع قدرت نہیں ہے۔

سوال: ضرر تو قتال میں بھی ہے اشد ضرر کہ جان جاتی ہے۔

جواب: چونکہ قتال مقصود اور منصوص ہے اس لئے اس کا ضرر معتبر نہیں اور یہ تدابیر اور طریق کار غیر منصوص ہیں اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا۔اور وجہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو قتال فتنہ نہیں ہے کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے اور سکون ہوتا ہے۔اور ان امور میں تشتت اور پراگندگی اور اضاعت اوقات ہے۔اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے پروگرام بناتے وقت۔ اور فقہ کو محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں اور نہ مفید ہے بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے اس میں سب احکام اظہر من الشمس ہیں فن فقہ ہی دقیق ہے اسی واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں۔

سوال: **من قتل دون عرضه وماله فهو شهيد** جو شخص اپنی آبرو اور مال کے بچانے کے سلسلہ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔سے جان دینا جائز نکلتا ہے تو بھوک ہڑتال وغیرہ میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

جواب: قتل سے مراد خودکشی نہیں ہے بلکہ مراد قتال ہے یعنی لڑو جنگ کرو اس نیت سے کہ جان اور مال اور ایمان بچ جائے پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے تو چلی جائے وہ شہادت ہے اور خود قتل مقصود نہیں ہے وہ بھی جبکہ اس قتال کی سب شرطیں پائی جائیں اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے اور خود قتل کا مقصود نہ ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر جگہ **يقتلون** (بصیغہ مجہول) بعد میں ہے **يقتلون** (بصیغہ معروف) سے۔پس معلوم ہوا کہ **يقتلون** خود مقصود نہیں بلکہ **يقتلون** سے کبھی لازم آجاتا ہے۔

سوال: پوری قدرت تو نہیں مگر جو کچھ بھی ہے اسکا استعمال کس طرح کریں کچھ تو ہونا چاہئے؟ **جواب:** یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے میری تو سمجھ میں اس سے زیادہ نہیں آتا کہ ان کو تبلیغ کرو اور دین سکھلاؤ اس کے

بعد لڑاؤ۔ میں پوچھتا ہوں ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ میں تھے ان کی جانیں جاتی تھیں اس وقت اہل مدینہ نے ایک بھی جتھہ نہ بھیجا۔ کوئی بھی جتھا نہ گیا جب تک آیت قتال نازل نہ ہوئی۔ صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی پس جنگ اسلامی لڑو آئین یا ئین کہاں کی خرافات نکالی ہے۔

سوال: ایسے آئین اس وقت ایجاد نہ ہوئے تھے اگر ہوتے تو جنگ بھی ایسی ہی ہو جاتی؟ **جواب:** بہر حال اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ آئین منصوص تو ہے نہیں عقل ہی کا اختراع ہے تو صحابہ بھی عاقل تھے ان کے ذہن میں اور بڑی بڑی تدبیریں آئیں یہ تدابیر کیوں نہ آئیں اور یہ کیا آج کل کی اختراع شدہ تدابیر میں سے ایک بھی نہ آئی تو بس قتال کی آئی وہ بھی جب جبکہ آیت قتال نازل ہو چکی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر عمومات سے استدلال ہے تو سوال یہ ہے کہ آج تک امت میں عمومات سے استدلال کر کے کسی نے عمل بھی کیا ہے اور کیا تیرہ سو برس میں ایسی مظلومیت کی صورتیں پیش نہ آئیں تھیں۔ پھر یہ طریقے کیوں نہیں اختیار کئے گئے۔ دوسری بات یہ پوچھتا ہوں کہ ہجرت کے بعد جو مستضعفین مکہ میں رہ گئے تھے ان مسلمانوں میں بھی کچھ قوت اور استطاعت تھی یا نہیں اگر یہ کہا جائے ان میں قوت اس قدر نہ تھی کہ کسی قسم کا بھی مقابلہ کر سکتے جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے ان میں اس قدر قوت تھی کہ ہندوستان کی قوت ان کی قوت کے سامنے گرد ہے۔

سوال: مقابل کفار بھی ایسے ہی قوی تھے اس لئے وہ ان سے مقابلہ نہ کر سکے۔

جواب: یہ تو میرے کلام کا حاصل ہے یہی تو بات ہے اور اب کیا بات رہی اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا مطلب یہی تو ہوا کہ صبر ہی کرنا پڑے گا۔ عدم قدرت کی حالت میں جیسا کہ اہل مکہ نے کیا اور جب مدینہ والوں کو قوت ہو گئی اس وقت تلواریں ہاتھ میں لیں اور مکہ پر چڑھائی کی۔

سوال: پہلے آئین کی لڑائی نہ تھی اب تو آئین کی لڑائی ہے؟

جواب: اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے اب پھر سمجھ لیجئے کہ یہ آئین کہاں سے آئے یہ بھی تو گھڑے ہوئے ہیں اور صحابہ نے تو سلطنت کی ہے اتنی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ اس طرح جتھے بھیج کر مکہ والوں کی مدد کرتے خیر کچھ بھی ہو منقولات سے ثابت کیجئے عجیب بات ہے کہ آپ مجھ سے تو غیر منقولات منوانا چاہتے ہیں اور آپ منقولات کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ میں ہرگز ماننے کو تیار نہیں جب تک آپ منقولات سے ثابت نہ کریں جیسے ہمارے بزرگوں نے نظام دین کی حفاظت کیلئے قائم کیا یعنی تقلید۔ اس کو ایسی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے اور خرابی تو آجکل زیادہ اسی وجہ سے ہو رہی ہے کہ ہر شخص مجتہد بنا ہوا ہے۔ واقعی سلف صالحین بڑے ہی حکیم تھے دنیا میں یہ طبقہ حکماء کا ہے کہ اجتہاد ہی کو بند کر دیا وہ ہم سے زیادہ دین کو سمجھنے والے تھے۔

مزاحاً فرمایا کہ ہم لوگ تو عند اللہ بھی معذور ہوں گے پوچھا جائے گا عرض کر دیں گے کہ اے اللہ! کوئی دلیل ہی سمجھ میں نہ آئی تھی اور آپ سے پوچھا جائے گا کہ باوجود دلیل معلوم ہونے کے بھی کشمیر کے مسلمانوں کی کیوں امداد نہیں کی اور وہاں پر کیوں نہیں گئے ہم تو وہاں پر بھی بری اور آپ سے وہاں بھی باز پرس!

میں ایک کام کی بات عرض کرتا ہوں کہ ان چیزوں میں نرے دلائل کافی نہیں تھوڑے سے ذوق کی بھی ضرورت ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ ان جدید تدابیر اور طریق کار میں غیر منصوص ہونے کے علاوہ میرا ذوق بھی ان چیزوں کے خلاف ہے اور مدار قبول اسکات خصم نہیں اسقاط ہے۔

سوال: ہم ہر طرح پر کمزور ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔

جواب: یا تو اس قدر قوت تھی جوش تھا کہ منصوص کے مقابلہ میں غیر منصوص پر عمل کرنے کو تیار تھے یا یہ عقیدہ کر لیا ہے کہ ہم کمزور ہیں کام کیجئے۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدود شرعیہ کو محفوظ رکھتے ہوئے کام کیجئے۔

انبیاء علیہم السلام کی تدابیر میں اثر نہ ہو غضب کی بات ہے اپنی اختراع کی ہوئی

تدابیر کو مؤثر سمجھیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ تدابیر کے استعمال میں خدا کے راضی کرنے میں کامیابی کا اثر ہوگا یا ناراض کرنے میں ظاہر ہے کہ راضی کرنے میں اثر ہوگا تو اسکی ایک ہی تدبیر ہے کہ تدابیر منصوصہ پر عمل کیا جائے۔

سوال: ان غیر منصوصہ پر جو عمل کیا جائے گا غیر مشروع اور برا سمجھ کر تھوڑا ہی کرینگے تو اس میں بھی خدا تعالیٰ کی ناراضی نہ ہوگی۔

جواب: یہ تو اور بھی برا ہے کہ معصیت کو معصیت بھی نہ سمجھا جائے بلکہ معصیت کو نیکی سمجھ کر کیا جائے یہ درجہ تو اس سے بھی برا ہے اور بہت برا ہے پھر بدعت کوئی چیز ہی نہیں رہتی اس لئے کہ بدعتیں جس قدر ہیں سب کو دین ہی سمجھ کر کرتے ہیں اہل بدعت یہی جواب دے سکتے ہیں کہ ہم برا سمجھ کر تھوڑا ہی کرتے ہیں اس سے تو سنت اور بدعت جائز اور ناجائز میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا ہر برے کام میں نیت اچھی کرلیا کریں کہ ہم جو کررہے ہیں یہ برا کام نہیں بلکہ نیک کام ہے۔آپ ہی بتلایئے کہ یہ کلیہ کہاں تک صحیح ہے جو آپ نے بیان کیا۔

سوال: منصوص تدابیر کے مقابل ان جدید تدابیر کو منہی عنہ نہیں فرمایا گیا نہ نہی وارد ہے نہ حکم ہے تو اس صورت میں مسکوت عنہ کہا جائے گا ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہ ہوئی ہو اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں وہ تو مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں لیکن ان چیزوں کی تو حاجت ہمیشہ ہی پیش آتی رہی پھر بھی نصوص میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہ ہوگا منہی عنہ ہوگا۔ کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا۔اختیار نہیں کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا۔

علاوہ ان سب باتوں کے ایک یہ بات باریک ہے جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کیلئے حدود کی ضرورت ہے ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے سو اس کا تحفظ کون کریگا یا کون کرائیگا۔ایک لڑکا زمانہ خلافت میں ہجرت کر گیا اس

کی ماں روتی روتی اندھی ہوگئی اس کو کون دیکھے گا کہ کس کو جانا چاہئے اور کس کو نہیں۔
اگر تدابیر جدیدہ جائز بھی ہوں تب بھی اس کی ضرورت ہے کہ کوئی امیر ہوتا کہ حدود کی رعایت خود بھی کرے اور دوسروں سے بھی کرائے۔ بلا امیر کے کچھ نہیں ہوسکتا۔

فرمایا! کہ امیر پر یاد آیا کہ ایک ڈاکٹر صاحب ہیں پنجاب میں بہت ہی مخلص اور سمجھدار شخص ہیں زمانہ تحریک خلافت میں ان کے ایک عزیز بڑے ہی جوش اور سرگرمی کے ساتھ حصہ لئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب ان معاملات سے یکسو تھے۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ اس تحریک میں حصہ کیوں نہیں لیتے ڈاکٹر صاحب نے میرا نام لے دیا کہ وہ شریک نہیں اس لئے میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ یہ سن کر بولے کہ میں اس کو تو پانچ منٹ میں اپنے ساتھ کرلوں گا۔ دیکھیں کیسے شریک نہیں ہوتے مجھ کو تھانہ بھون لے چلو میں گفتگو کروں گا۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ میرے بھائی ایسا کہتے ہیں اگر اجازت ہو ساتھ لے کر آؤں۔ میں نے لکھ دیا کہ ضرور لاؤ ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو اس قدر ذہین ہو مجھے خود ان سے ملاقات کا اشتیاق ہوگیا کہ اس لئے کہ ایسا ذہین آدمی کہاں ملتا ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میری ہمیشہ یہ نیت رہی اور ہے کہ مسلمان تو بڑی چیز ہیں اگر مجھ کو بھنگی کا بچہ بھی سمجھا دے میں مان لوں گا۔ خدانخواستہ کوئی ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے۔ ہاں اس کے ساتھ یہ بھی نیت رہی کہ بدوں مسئلے کو سمجھے ہوئے ایک انچ بھی قدم نہ اٹھاؤں گا۔ دوسرے یہ ہے کہ مصالح وغیرہ کو شریعت مقدسہ پر مقدم نہیں کرسکتا۔ یہ میرا فطری امر ہے میں اس میں مجبور ہوں مجھ سے مصالح پرستی نہیں ہوسکتی مصالح تو یہاں پر پیس دیے جاتے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ مصالحوں کو سل پر خوب پیسا جائے جتنا پیسا جائے گا اتنا ہی سالن لذیذ ہوگا۔

فرمایا کہ مصالح پر یاد آیا جان سے بڑھ کر کوئی مصالح نہ ہوں گے جس زمانہ تحریک خلافت کا شباب تھا شورش پسند طبیعتیں جوش میں بھڑک رہی تھیں چہار طرف

ایک آگ لگی ہوئی تھی یہاں تک نوبت آگئی تھی کہ علاوہ برا بھلا کہنے اور لعن طعن اور قسم قسم کے بہتان والزامات لگانے کی دھمکی کے خطوط میرے پاس آئے یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اس وقت غایت شفقت اور محبت کی بناء پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک خاص اور معتمد شخص کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ یہ وقت خطرہ کا ہے اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجائش ہے۔

میں نے کہلا بھیجا کہ یہ آپ کی محبت اور شفقت کا اقتضاء ہے مگر سب سے بڑا خطرہ جان کا چلا جانا تھا۔ سو اس کیلئے میں اپنے نفس کو تیار پاتا ہوں لیکن اس پر آمادہ نہیں ہوں کہ بلا سمجھے شرکت کر لوں اور نہ اس پر قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت کروں اور باطن میں الگ رہوں اس کو میں منافقت سمجھتا ہوں۔ اور بحمد اللہ اس وقت تک ہر خطرہ سے محفوظ آپ کے سامنے زندہ اور صحیح سلامت موجود ہوں۔ لڑکیوں کا کھیل بنا رکھا ہے یہ دین ہے کہ یا تو وہ کرو جو ہم کریں ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

اسی زمانہ میں جنگل معمول کے موافق صبح کو گیا ایک ہندو راجپوت بوڑھا تھانہ بھون ہی کا رہنے والا ملا بستی کے ہندو بھی جو پرانے خیال کے اور پرانے عمر کے ہیں محبت کرتے ہیں کہنے لگا مولوی جی کچھ خبر بھی ہے تمہارے واسطے کیا تجویزیں ہو رہی ہیں تنہا اس طرح جنگل میں مت آیا کرو۔ میں نے کہا کہ چودھری مجھ کو اس کی بھی خبر ہے اور ایک بات کی اور بھی خبر ہے جس کی تم کو خبر نہیں کہنے لگا کہ جی وہ کیا ہے میں نے کہا کہ بدوں اس کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ تھا تو ہندو مگر یہ سن کر اس قدر اس پر اثر ہوا جوش میں آ کر کہنے لگا کہ مولوی جی! تم جہاں چاہے پھرو تمہیں جوکھم (خطرہ) نہیں ایسے آدمی کیلئے گھر جنگل پہاڑ سب ایک ہی سے ہیں۔

غرضیکہ ڈاکٹر صاحب اپنے بھائی کو ہمراہ لے کر یہاں پر آئے پہلی ملاقات تھی مگر نہایت بے تکلفی سے گفتگو شروع کی۔ گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ آدمی سمجھ دار تھے مگر غلطی میں مبتلا تھے کہنے لگے کہ میں بلا تمہید عرض کرتا ہوں کہ آپ اس تحریک میں

شریک کیوں نہیں۔ میں نے کہا کہ میں بھی بلاتمہید عرض کرتا ہوں کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے اس میں ضرورت ہے اتفاق کی حدوثاً بھی بقاءً بھی۔ اور اول تو مجھ کو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے لیکن علیٰ سبیل التنزل اگر مان بھی لیا جائے تو بقا کا کون ذمہ دار ہے۔ اس لئے کہ بقاء کیلئے ارادت کافی نہیں قہر وقوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت امیر المومنین ہے اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیر یا سردار نہیں جو ان کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے جو روح ہے اس کام کے کرنے کی تو خلاصہ شرط کا یہ ٹھہرا کہ مسلمانوں کا کوئی امیر المومنین ہو سب سے بڑا اور اہم مسئلہ یہ ہے سو اس کی کیا صورت ہے کہنے لگا کہ ہم آپ ہی کو امیر المومنین بناتے ہیں۔

میں نے کہا کہ میں امیر المومنین بننے کو تیار ہوں مگر اس میں کچھ شرائط ہیں میں نے ان شرائط کی تقریر کی جس کا حاصل یہ ہے کہ اول شرط یہ ہے کہ تمام ہندوستان کے مسلمان اپنا تمام مال اور جائداد میرے نام ہبہ کردیں میں بھیک مانگنے والا امیر المومنین نہیں بنوں گا۔ اور مانگنے کی بھی کوئی حد ہے کوئی ایک دفعہ دیگا دو دفعہ دیگا تین دفعہ دیگا۔ بالآخر اکتا جائیگا کہ ان کو تو رات دن کا یہی قصہ ہے۔ دوسرے ایسے کام چندوں سے نہیں چلا کرتے۔ چندوں سے جن کے کام چلے ہیں ان کے مال وجان ان کی آبرو ان کے بیوی بچے سب خدا کی راہ پر اپنے کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اصل مقصد میں سب متحد تھے خلوص سے ان کے قلوب پر تھے ان کی کیا کوئی ہمسری کا دعوی کرسکتا ہے اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک یہ ضرورت رہے اور یہ میں جو کچھ عرض کررہا ہوں تجربات کی بناء پر اس لئے کہ آجکل چندوں کی اس قدر بھرمار ہے کہ لوگ دیتے دیتے اکتا گئے۔

تیسری یہ بات ہے کہ اگر کوئی ضرورت صرف کی فوری پیش آگئی اور پلے ہے نہیں اب اگر رقم وقت پر اپنے موقع پر نہ پہنچی تو کیا ہوگا سوائے اس کے ناکامیابی ہو اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے مثلاً ضرورت تو ہے آج اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کو۔ پھر اس

میں بھی یہ ضرور تھوڑا ہی ہے کہ فوری کامیابی ہو جائے یہ بھی تو احتمال ہے کہ کامیابی نہ ہو تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کر دینا یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے۔

اب بتلایئے کہ اس وقت چندہ کی فکر کیجئے گا یا کام کی تو پہلے اس کا انتظام کیا جائے۔ اب سنیئے کہ میں اس سرمایہ سے جو میرے نام ہبہ ہوگا۔ سامان جمع کروں گا اور یہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہبہ کے بعد ہبہ کرنے والوں میں سے کسی کو تکلیف نہ ہونے دوں گا سب کو حسب حیثیت اور مذاق انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں اور اگر اطمینان نہ ہو تو تحریر مجھ سے لکھالی جائے کہ بعد انفراغ اور کامیابی کے بجنسہٖ سب کی جائیداد وغیرہ واپس کر دوں گا رکھوں گا نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء اور لیڈروں کے دستخط کراؤ کہ وہ مجھ کو امیر المؤمنین تسلیم کر لیں اگر بلا اختلاف سب نے تسلیم کر لیا تو میں امیر المؤمنین ہوں گا۔ اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اختلاف کی صورت میں امیرا امیر نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تسلیم کے بعد پھر کوئی اختلاف یا خلاف کرے تو امیر کو حق ہے کہ وہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو دبائے اور ٹھیک کرے قبل از تسلیم حق نہیں کہ اس کو دبایا جائے ایک یہ کام کرا دیجئے۔

اب سنیئے کہ امیر المومنین ہونے کے بعد سب سے اول جو حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس سال تک سب خاموش ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور وغل بند! دس سال میں انتظام کروں گا۔ مسلمانوں کو مسلمان بنانے اور ان کی اصلاح کیلئے با قاعدہ انتظام ہوگا۔ غرضیکہ مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا حکم دوں گا۔ عملی صورت یہ ہے کام کرنے کی اور محض کاغذی امیر المؤمنین بنانا چاہتے ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج امیر المؤمنین ہوں گا کل کو اسیر الکافرین ہوں گا آج سردار بنوں گا کل کو سردار ہوں گا۔ یہ تقریر سن کر ان کی تو سب ذہانت ختم ہوگئی اور یہی مقصود تھا۔ اس تقریر سے کہ ان کو اپنے خیالی منصوبوں کی حقیقت معلوم ہو جائے ورنہ امیر المومنین کون بنتا ہے اور

کون بناتا ہے۔ یہ تقریر بھی ایک علمی ناول تھا جس میں فرضیات سے مفید سبق دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام اصول سے ہوسکتا ہے بے اصول تو گھر کا بھی انتظام نہیں ہوسکتا۔ ملک کا تو کیا خاک انتظام ہوگا۔ یہ ہیں وہ اصولی باتیں جن پر مجھ کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور قسم قسم کے الزامات و بہتان میرے سر تھوپے جاتے ہیں اور لوگ مجھ سے خفا ہیں اور وجہ خفا ہونے کی صرف یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اصول کے ماتحت کام کرو جوش سے کام مت لو۔ ہوش سے کام لو۔ جوش کا انجام خراب نکلے گا۔ حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو وہ ان باتوں کو اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر دین نہ رہا اور احکام اسلام کو پامال کرنے کے بعد کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہوگا۔ کیا یہ دین کی خیر خواہی اور ہمدردی کہلائی جاسکتی ہے۔

اے صاحبو! آج سے پہلے بھی تو اسلام اور مسلمانوں پر اس سے بڑے بڑے حوادث پیش آئے ہیں کہ اس وقت اس کا عشر عشیر بھی نہیں مگر انہوں نے اس حالت میں بھی اصول اسلام اور احکام اسلام کو نہیں چھوڑا اسلف کے کارناموں کو پیش نظر رکھ کر کچھ تو غیرت آنا چاہئے تم تو معمولی معمولی باتوں میں احکام اسلام کو ترک کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہو وہ حضرات عین قتال کے وقت بھی حدود کی حفاظت اور رعایت فرماتے تھے جس پر آج ہم کو فخر ہے اب تم ہی فیصلہ کرلو کہ وہ تھے خیر خواہ اسلام ہمدرد اسلام جانباز اسلام یا تم۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں صاف الفاظ میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا وقت نہیں کام کرنے کا وقت ہے۔

ایک مولوی صاحب نے جو تحریکات میں نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ کام کررہے تھے مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو وہ کام کرنے پڑے ہیں اس تحریک میں کہ اگر علماء کو معلوم ہوجائیں تو ہم پر کفر کا فتویٰ دیدیں۔

یہ تو حالت ہے اور اس پر دعویٰ ہے دین کی خدمت کا۔ خود ان خرافات اور بیہودگیوں کا اقرار ہے اور پھر ایسے معاملات میں کہ جن کو خود بھی شرک اور کفر تک سمجھتے

ہیں دوسروں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے کہ تم بھی ہم جیسے بن جاؤ۔

اس موقع پر یہ مقولہ صادق آتا ہے ''ہم تو ڈوبے ہیں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے'' یہ تو علماء کی حالت ہے جو ان تحریکات میں حصہ لے رہے ہیں۔ باقی عوام اور لیڈروں کی حالت کا اسی سے اندازہ کرلیا جائے کہ وہ کیا کرتے ہوں گے۔ اب جو ان باتوں پر تنبیہ کرے یا خاموش اور علیحدہ رہ کر خرافات کی شرکت سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرے اس پر لعن طعن سب وشتم کیا جاتا ہے۔ یہ سب خرابیاں امیر عادل نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر امیر عادل ہو وہ ان خرافات کا انسداد کرسکتا ہے وہی حدود کی رعایت کراسکتا ہے۔ غرض اصل چیز رعایت ہے حدود کی پھر اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو صبر کریں۔ اجی جان دینا تو مشکل نہیں مگر یہ تو اطمینان ہو کہ اپنے مصرف پر گئی جان بھی۔ کم بخت دی اور خلجان مول لیا کہ جس کام کیلئے جان دی ہے وہ دین ہے یا نہیں۔ یونہی بیٹھے بٹھلائے جاکر جان دے دینا کون سی انسانیت ہے اگر کوئی وقت آگیا جان دینے کا اور صحیح مصرف بھی ہوا تو سب سے پہلے یہ مدعیان خیر خواہی قوم اور ہمدردان اسلام ہی دم دبا کر بھاگتے نظر آئیں گے جس وقت حضرت مولانا دیوبندیؒ مالٹے سے دیوبند تشریف لائے تو میں حضرت کی زیارت کیلئے دیوبند حاضر ہوا تھا۔ وہاں پر ایک صاحب اس قسم کی گفتگو کرنے لگے اور یہ کہا کہ آپ کو تو معلوم ہے پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوئے تھے میں نے کہا مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوئے تھے اور اس کی بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے اور آخر تک بیٹھے ہی رہے۔

اب بتلاؤ کہ اپنے بزرگوں کے متبع ہم ہوئے یا تم اس لئے کہ تم منسوخ پر عمل کررہے ہو اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے پھر کچھ نہیں بولے خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے جن وجوہ اور اسباب کی بنا پر بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی وہی اسباب اب بھی موجود ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ ابتری اور کمزوری نظر آرہی ہے۔ اگر ذرا غور اور فکر سے کام لیں تو اس وقت اور اس وقت کی حالت کا تفاوت مشاہد ہوسکتا ہے کوئی باریک یا غامض بات نہیں

جس میں اختلاف کی گنجائش ہو اور یوں تو ہر بات کا جواب ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ جواب مقبول ہے یا مردود۔ اس لئے کہ شیطان نے بھی اللہ میاں کو جواب دیا تھا اس پر جو حشر اس کا ہوا کسی سے مخفی نہیں اور عوام کے بھروسہ جبکہ ان میں دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا بہت خطرناک بات ہے اور یہ خطرہ دنیا ہی کیلئے نہیں بلکہ اس کا اثر دین پر بھی ہو گا اور یہ نہایت قوی اندیشہ ہے خصوصاً اس حالت کے مضر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا جبکہ دوسروں کے کندھوں پر بندوق چلائی جارہی ہو۔

جیسا صاف کہتے ہیں کہ بدوں برادران وطن (ہندوؤں) کی شرکت کے ہم کچھ نہیں کر سکتے ایسی قوت کے بھروسہ کہ جس سے کسی وقت بھی اسلامی خیرخواہی اور ہمدردی کی امید نہیں کام کرنا کہاں عقلمندی کہلائی جاسکتی ہے نہ شرعاً نہ عقلاً۔ اس کو کوئی نافع تسلیم کر سکتا ہے ہزار ہا واقعات شب و روز مشاہد ہو رہے ہیں کہ وہ کسی طرح بھی اور کسی وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہو سکتے۔ خدا معلوم ان مشاہدات کو کس بناء پر نظر انداز کیا جارہا ہے اور جو اصل چیز ہے کہ مسلمانوں میں دین پیدا ہو ان کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو۔ ان کا کوئی امیر ہو اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں بھیڑ اچال ہے جس طرف کو ایک چل دی سب اسی طرف کو چل دیتی ہیں۔

میں بقسم عرض کرتا ہوں اور خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ اپنے دین کے پابند ہو جائیں اور تمام آپس کے مناقشات کو ختم کر کے متحد ہو جائیں اور اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں اور جس کو اپنا خیرخواہ سمجھ کر بڑا بنائیں اس کے کہنے اور مشوروں پر عمل کریں اس کی اتباع سے سر مو اعراض نہ کریں تو پھر ان کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت نہ ان کو کسی سے خوف کی ضرورت اور نہ ان کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے معمولی معمولی باتوں پر بغیر اصول پر عمل کئے آدمی ناکامیاب رہتا ہے یہ اتنا بڑا کام اور اس کا کوئی اصول نہ ہو سخت حیرت ہے ہمارا تو ہستی اور وجود ہی کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ جن کی مقبولیت اور فراست وعقل تمام دنیا کو تسلیم ہے اور بڑے بڑے عقلاء اس پر متفق ہیں۔انہوں نے بھی ساری عمر یہ کام کئے مگر اصول اور حدود کو ہاتھوں سے نہیں چھوڑا یہی راز ان کی کامیابی کا ہے یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے کہ ان کو کامیابیاں ہوئیں ان کی نصرت ہوئی وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت میں غالب آئے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ ان کا طریق کار کیا تھا ان کا اس جدوجہد سے کیا مقصود تھا انکی نیت کیا تھی ان کے اعمال کیسے تھے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے وہ احکام اسلام پر کس درجہ عامل تھے ان کے قلوب میں اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت اور محبت تھی ثمرات پر تو نظر ہے اسباب ثمرات پر بھی نظر ہونا چاہئے اور اس پر اپنی حالت کو منطبق کرنا چاہئے کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت معلوم ہوجائے گا اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ہم ان کامیابیوں اور نصرتوں کے مستحق ہیں یا نہیں۔نرے دعوے اور زبانی باتیں ہانکنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے؟ کام تو کام کرنے سے ہوا کرتا ہے میرا معمول ہے کہ مجھے جب کوئی اس قسم کا مشورہ دیتا ہے کہ یہ کرنا چاہئے اور یہ ہونا چاہئے۔ جواب میں ایسا طریقہ بتلا دیتا ہوں کہ اس میں ان حضرت کو بھی کچھ کرنا پڑے اور خود بھی شرکت کا وعدہ کر لیتا ہوں باوجود میرے وعدہ شرکت کے، کسی کو بھی آمادہ نہیں دیکھا دوسروں ہی کو چاہتے ہیں کہ سب یہ ہی کریں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے بطور مزاح فرمایا کہ پھر تو وہ اس کے مستحق ہوجاتے ہیں کہ ان کو یہ کہا جائے آمادہ (یعنی اے مادہ آجا) سب ترکی ختم ہوجاتی ہے۔ان لوگوں کی حالت بالکل اس کی مصداق ہے جیسے دو دوستوں کا ایک ساتھ سفر ہوا اول منزل طے ہونے کے بعد کسی مقام پر قیام۔ وہاں پر کھانے پکانے کی تجویز ہوئی۔ایک بولا کہ بھائی! میں تو بازار سے سودا لاتا ہوں تم جنگل سے لکڑیاں چن لاؤ۔ دوسرا کہتا ہے کہ دوست تم کو معلوم ہے کہ میں سفر کی وجہ سے تھکا ماندہ ہوں مجھ سے یہ کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔وہ بیچارا بازار سے سودا بھی لے آیا۔اور جنگل

سے لکڑیاں بھی چن لایا۔ پھر اس نے کہا کہ یہ کام تو ہو گیا اب تم آگ جلالو اور میں آٹا گوندھتا ہوں کہا کہ اتنی ہمت کہاں ہے بہت ہی خستہ حالت ہے اس نے یہ دونوں کام بھی انجام دیے پھر اس نے کہا کہ بھائی میں روٹی پکاتا ہوں تم آگ جلاتے رہنا اور روٹی سینکتے رہنا کہا کہ بیٹھنا موت ہے سفر کی تھکان سے ٹانگیں چور ہو رہی ہیں اس نے روٹی بھی پکالی پھر اس نے کہا کہ لو بھائی آ کر کھالو! تو کہتا ہے کہ بہت دیر سے دوست کے کہنے کی مخالفت کرر ہا ہوں آخر کہاں تک مخالفت کروں شرم معلوم ہوتی ہے دوست کہے گا کہ کسی بات میں بھی کہنا نہیں مانا لاؤ کھا تو لوں یہی حالت ان مشورہ دینے والوں کی ہے۔ پکی پکائی چاہتے ہیں کہ مل جائے ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے۔

میں پوچھتا ہوں کہ جو سلف کے کارناموں کو پیش کر کے دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں۔ کیا ان کی یہی حالت تھی جو تمہاری ہے کہ ہر کام سے خود تو جان بچاتے ہیں اور دوسروں کو پھانسنے کی فکر کرتے ہیں (یعنی عوام کو پھانس کر لیڈر خود مزے کرتے ہیں) ان کی تو یہ حالت تھی کہ کام تو ہے کیا بلا ایک سے پہلے دوسرا اپنی جان دینے کو تیار رہتا تھا۔ منجملہ اور وجوہ کے ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میں ایسے کاموں میں شرکت نہیں کرتا کہ ایسے کاموں کا تعلق دوسروں سے ہوتا ہے۔ اور یہ تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ کسی دوسرے کے بھروسہ کوئی کام کیا جائے کبھی انجام کو نہیں پہنچ سکتا یہ تو بہت بڑا کام ہے رات دن کے معاملات میں دیکھا جارہا ہے معمولی معمولی کاموں میں لوگ اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ اگر کسی کو کوئی کام سپرد کر دیا جاتا ہے تو آئندہ توبہ ہی کرنی پڑتی ہے یہ تو اس کے مصداق ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے　　یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

البتہ دو کاموں کے خوب ہیں ایک تو جو بات گاندھی کے منہ سے نکل جائے اس کو قرآن وحدیث میں ٹھونسنا اور اس پر منطبق کرنا دوسرا یہ کہ جہاں کوئی بات ہوئی لاؤ چندہ! ان دونوں چیزوں میں کمال حاصل کر لیا ہے۔

دیکھ لیجئے! اتنا زمانہ گزر گیا گاندھی نے کسی نئی بات کا اعلان نہیں کیا سب خاموش ہیں۔ اب وہ کسی نئی اسکیم کی فکر میں ہوگا۔ جستجو کر رہا ہوگا تو جہاں اس نے کسی چیز کا اعلان کیا پھر دیکھنا قرآن وحدیث میں بھی وہ چیز نظر آنے لگے گی۔ اور کوئی چیز بھی تو اس تمام تحریک کی ایسی نہیں جو کسی مسلمان لیڈر یا علماء کی تجویز کردہ ہو دیکھ لیجئے۔ اول ہوم رول گاندھی کی تجویز بائیکاٹ اس کی تجویز کھدر اس کی تجویز خلافت کا مسئلہ اس کی تجویز ہجرت کا سبق اس کی تجویز۔ غرضیکہ جملہ تحریکات میں جس قدر اجزاء ہیں سب اس کی تجویزات ہیں۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ جو اس نے کہا لبیک کہہ کر ساتھ ہو لئے کچھ تو غیرت آنا چاہئے ایسے بدفہموں نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا سخت صدمہ اور افسوس ہے۔

پھر غضب یہ ہے کہ اس کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کو فرض و واجب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے علیحدہ رہنے والے کو گمراہ اور مرتکب کبائر کا سمجھتے ہیں۔ خدا معلوم لکھ پڑھ کر کہاں ڈبو دیا۔ گاندھی کے اقوال کا انطباق قرآن وحدیث پر ایسا ہی ہے جیسے ایک گاؤں میں بوجھ بجھکڑ رہتا تھا اتفاق سے اس گاؤں کے رہنے والوں میں سے ایک شخص کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ چڑھ تو گیا تھا مگر اترا نہ گیا تمام گاؤں جمع ہو گیا مگر کسی کے کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی کہ اس کے اتر آنے کی درخت سے تدبیر ہے کیا۔ بالآخر بوجھ بجھکڑ بلائے گئے آ کر درخت کے پاس کھڑے ہوئے کبھی اوپر کو دیکھتے ہیں اور کبھی نیچے کو۔ سوچ ساچ کر بولے کہ رسی لاؤ۔ رسی لائی گئی کہا کہ اس میں گرہ لگا کر پھندہ لگاؤ اور اس کو قوت کے ساتھ اوپر پھینکو اور اس شخص سے کہا کہ اس کو پکڑ کر پھندہ کمر میں ڈال لے۔

غرضیکہ رسہ پھینکا گیا اس نے پکڑ کر کمر میں ڈال لیا۔ اب نیچے والوں سے کہا کہ زور سے جھٹکا مارو انہوں نے زور سے جھٹکا لگایا وہ پٹ سے نیچے آ پڑا۔ ہڈی پسلی ٹوٹ گئیں بھیجا نکل کر دور جا پڑا ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے دریافت کیا یہ کیسی

تدبیر تھی یہ تو مرگیا۔ بوجھ بجھکڑ جواب میں کہتے ہیں کہ مرگیا تو میں کیا کروں اس کی قسمت۔ میں نے تو سینکڑوں آدمی اس ہی صورت سے رسی کے ذریعہ کنوئیں سے نکلوا لئے ہیں تو جیسے اس بوجھ بجکڑ نے قیاس کیا کنوئیں پر کھجور کے درخت کو۔ ایسا ہی انطباق اور استدلال آجکل کیا جارہا ہے۔ اسی استدلال کی بدولت (مشاہدہ ہے) موپلوں کی قوم کو تباہ و برباد کرادیا۔ ان لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں نے لیکچر دیے عربی النسل تھے۔ جوش پیدا ہوگیا۔ بھڑک اٹھے پھر جو کچھ ان کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے پھر ایک لیڈر بھی وہاں نظر نہ آیا کسی نے بھی ان کی امداد نہ کی۔ چاہتے یہ ہیں کہ ہم تو کرسی صدارت پر بیٹھے رہیں اور لوگ جانیں دیتے رہیں یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کاموں کا، کہ موپلوں کی قوم تباہ و برباد ہوگئی۔

بجائے ترقی کے پستی کی طرف پہنچ گئے۔ بالکل وہی صورت ہے کہ کھجور کے درخت سے زمین پر لایا گیا۔ بلندی سے پستی کی طرف آیا۔ انجام ہلاکت ہوا تو یہ جس قدر من گھڑت تدابیر نصوص کے خلاف ہیں ان کا درجہ بھی اس بوجھ بجکو کی تدابیر سے کم نہیں جو انجام وہاں ہوا وہی یہاں ہوگا کہ بلندی سے پستی کی طرف آؤ گے۔ اور اصول کے خلاف مت کرو۔ حدود شرعیہ کا تحفظ کرو۔ ایڑی چوٹی تک لگاؤ زور، واللہ ثم واللہ ثم واللہ! ایک انچ بھی تو آگے نہیں چل سکتے۔ کر کے دیکھ لو۔ اور یہی دیکھ لو کہ کسی نتیجہ پر پہنچتے ہو یا نہیں مسلمانوں کی فلاح اور ان کی بہبودی تدابیر منصوصہ ہی میں ہے یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے بعض لوگ دعا ماثورہ کو چھوڑ کر اور طریق دعا کا اختیار کرتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر یہ طریق مقبول اور پسندیدہ خدا اور رسول کا ہوتا تو وہ بھی تو تعلیم کر دیا جاتا، جب نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ طریق مقبول اور پسندیدہ نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ غیر مقبول میں خیر اور برکت کہاں، بے برکتی بھی مشاہد ہے اور بے برکتی کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اس شخص کی تعلیمات اور تجویزات ہیں جو توحید اور رسالت کا منکر اسلام اور مسلمانوں کا دشمن رئیس

المشرکین والکافرین یہ سب اس کا سبق پڑھایا ہوا ہے۔

تحریک خلافت کے زمانہ میں ہجرت کا روزولیوشن پاس کر دیا۔ اسی پر مسلمان لبیک کہہ کر کھڑے ہو گئے۔ ہزاروں مسلمانوں کو بے خانماں کرادیا اس کا جو مسلمانوں کی ذات پر اثر ہوا اور نا قابل برداشت نقصان پہنچا وہ سب کو معلوم پھر ملازمتیں ترک کرنے کی تعلیم دی گئی جن کی متیں ماری گئیں تھیں وہ چھوڑ بیٹھے مسلمانوں نے تو چھوڑیں اور ہندوؤں نے ان جگہوں کو پر کیا بہت سے تو اب تک جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں بعضوں کے خطوط آتے ہیں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ حماقت ہو گئی تھی اب تک بے روزگاری ہے سخت پریشانی ہے یہ ہیں بے اصول کاموں کے انجام اگر کوئی اصول ہوتا یا کوئی مرکز ہوتا تو ان لوگوں کو کیوں پریشانی ہوتی اور کیوں بددل ہوتے۔

غرضیکہ قدم قدم پر ناکامی اور ذلت گلوگیر ہو رہی ہے مگر پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہیں اگر مسلمان تنہا اصول کے ماتحت حدود شرعیہ کے تحفظ کرتے ہوئے اور کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کریں اپنی مالی اور جانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں پھر کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے جو مقاصد شرعیہ یا اپنی بہبودی دنیا و دین کے لئے مطالبات ہیں مجھ کو ان سے اختلاف نہیں اور نہ کوئی مسلمان اختلاف کرسکتا ہے وہ تو سب ہی کو مطلوب ہیں مجھ کو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے ہے۔ حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہیں سردار یا امیر کوئی نہیں اختلاف اور خلاف کی یہ حالت ہے کہ پارٹی بندیاں ہو رہی ہیں کہ علماء ﴿یہ ملفوظ آج سے ستائیس سال پہلے کا ہے جب علماء کی اکثریت ایک طرف کو چلتی تھی لیکن آج عالم ہو یا لیڈر، ہر ہر فرد کا راستہ الگ الگ ہے۔ فالی اللہ المشتکی ۔۱۲﴾ ایک طرف کو چلے جا رہے ہیں لیڈر ایک طرف چلے جا رہے ہیں عوام کی یہ حالت ہے۔ کہ جس نے مرضی کے موافق فتوی دیدیا یا کوئی عالم یا لیڈر ان کے ساتھ ہولیا اس میں سب کمالات ہیں اس کو عرش پر پہنچا دیں گے اگر کسی نے مرضی کے خلاف کوئی

بات کی تو تحت الثریٰ میں اس کو جگہ ملنا مشکل۔

غرضیکہ ایک گڑبڑ ہے اور یہ طریقہ کار جو موجود ہے یہ تو سراسر اسلام اور شریعت سب کے خلاف ہے اس کو اسلام اور مسلمانوں سے کیا تعلق مثلاً کانگریس کی شرکت جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤں کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا ہے اور مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دینا اس کا ایک خاص فرض منصبی ہے یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہیں۔ بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کیا۔ مدارس دینیہ ومساجد کو خراب کیا وہ ساری دنیا کو معلوم ہے تو حضرت یہ سوراج سوراج ہانکتے پھرتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ اس میں کامیابی بھی ہوگئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائیگا برادران وطن اپنی رکیک حرکتوں سے باز نہ آئیں گے مسلمانوں میں اشتعال اور جوش ہوگا روزانہ قتال اور جدال رہے گا۔ شر کی ابتداء مسلمان کبھی نہیں کرتے یہ تو ہونے پر بھی بے حد درگذر کرتے ہیں مگر جب سر پر سے پانی گزرنے لگتا ہے تب بے شک یہ بھی ہاتھ پیر ہلاتے ہیں اس وقت چہار طرف سے غل مچایا جاتا ہے کہ یہ وحشیانہ حرکت ہے اور قومیں یہی حرکت کریں تو مہذبانہ حرکت ہے کیا انصاف ہے اور کیا سمجھ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کا کانگریس میں شرکت کرنا ہندوؤں کے ساتھ مل کر یا ان کو ساتھ ملا کر کام کرنا یہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے نہایت خطرناک بات ہے اور اس طریق کار کو کس طرح مقاصد شرعیہ کہا جا سکتا ہے وہ اس آڑے وقت میں بھی مسلمانوں کی کسی قسم کی مراعات نہیں کرتے ان کے مذہبی شعار کو ہندوستان میں باقی چھوڑنا نہیں چاہتے آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ کانپور اور کشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اب اگر اس پر بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے اس کا کیا علاج۔ ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے (وہ دفتر میں ملازم ہیں) کہ ہندوؤں کی بدولت ہر محکمہ اور دفاتر میں مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بے چارے لیڈروں یا ان

کے ہم خیال مولویوں کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہیں۔

غرضیکہ یہ مسلمانوں کی جان و مال ایمان سب کے دشمن ہیں اور انہیں کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ رکھا ہے یہی انکی بڑی زبردست نا کامی کا راز ہے جو شخص دوست دشمن میں امتیاز نہ کر سکے وہ کیا خاک کام کریگا اور اس کو پھر کامیابی ہوگی یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بناء پر کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا دیکھتی آنکھوں کس طرح مسلمانوں کو آگ میں گھسنے اور تباہ و برباد ہو جانے کی اجازت دے دوں۔ ان خرافات میں مبتلا ہیں اور آڑ بنایا جاتا ہے۔

حضرت دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ ان کے یہ مقاصد تھے۔ استغفر اللہ! حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی ایک جلسہ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا۔ حضرت بعض اعذار کی وجہ سے دہلی تشریف نہ لے جاسکے۔ اور ایک مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے اس میں اپنا خیال صاف صاف بدوں کسی خوف اور مداہنت کے ظاہر کردو۔ اس وقت قربانی گاؤ کے بند کردینے پر زور دیا جا رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذرا سی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں۔ ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی کرتے رہیں گے۔

حضرت مولانا قدس سرہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے اور عقیدت کا دم بھرنے والے حضرت کے اس فرمان سے سبق حاصل کریں کہ ادنیٰ ترمیم کو بھی شریعت مقدسہ میں گوارا نہیں فرماتے نہ یہ کہ سر سے پیر تک شریعت مقدسہ کے خلاف باتیں کی جائیں احکام اسلام کی کھلم کھلا مخالفت کی جائے اور اس کو حضرت مولانا قدس سرہ کی طرف منسوب کیا جائے ان باتوں کو حضرت کے مقاصد میں سے بتا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جائے۔ حضرت مولانا تو بڑی چیز ہیں سلاطین اسلام باوجود یکہ دنیا دار کہلاتے ہیں مگر ان میں سے جن کے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا۔

انہوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا اس کی بھی پرواہ نہیں

کی کہ سلطنت جائے گی یا رہے گی۔

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام کو فتح کیا ہے تو وزراء نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے نیا مفتوحہ ہے اس ملک کے لوگ نہایت سرکش اور سخت ہیں۔ اسلامی سیاسیات نرم ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر اور بھی کچھ قوانین اور قواعد نافذ کردیئے جائیں ان پر قابو رکھنے کے لئے تو زیادہ مناسب ہے۔

اس پر سلطان صلاح الدین نے جو جواب دیا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے وہ حکومت اور سلطنت کرنے کیلئے کیا ہے میں نے محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے یہ سعی اور کوشش کی ہے احکام اسلام ہی کو نافذ کروں گا اس پر چاہے ملک رہے یا جائے میں ایک حکم بھی احکام اسلام کے خلاف نافذ نہ کرونگا۔

اس واقعہ سے علماء اور لیڈر سبق حاصل کریں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ ان حضرات کی کامیابی کے یہ راز تھے اور یہاں یہ حالت ہے کہ نہ ابھی کوئی ملک قبضہ میں ہے نہ آئندہ ملنے کے بظاہر کوئی اسباب نظر آتے ہیں مگر شریعت مقدسہ کی قطع و برید پہلے ہی سے شروع کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا قدس سرہ کی حیات میں اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرتا تھا۔ حضرت کی وفات کے بعد سے دیکھ بھال کر عمل کرتا ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے واقف ہیں حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر بھی گرانی نہ تھی۔ پانی پت کے ایک مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مرض الموت میں دہلی حضرت کے پاس جب زیادہ اختلاف کی خبریں پہنچیں تو یہ فرمایا کہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لاؤ میں ہی کچھ اپنی رایوں سے ہٹ جاؤں۔ حضرت کی نظر میں اختلاف کا یہ درجہ تھا۔ ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانہ میں حضرت کی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے میرے متعلق برے بھلے الفاظ

کہہ رہے تھے کچھ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑے باہر تشریف لے آئے بہت خفا ہوئے ۔ اور یہ فرمایا کہ تم اس شخص کے بارے میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں مجھ کو وہ الفاظ بیان کرتے ہوئے بھی حجاب معلوم ہوتا ہے۔ جو حضرت نے فرمائے مگر چونکہ اب ذکر آ گیا عرض کرتا ہوں وہ الفاظ یہ ہیں کہ جس کو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں۔ اور یہ فرمایا خبردار! جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کئے اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کیا کوئی وحی آتی ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب ٹھیک ہے میری بھی ایک رائے ہے اُس کی بھی ایک رائے ہے۔

ایک مرتبہ حضرت نے یہ فرمایا کہ ہمیں تو اس پر بھی فخر ہے کہ جو شخص تمام ہندوستان سے بھی متاثر نہ ہوا اور کسی کی بھی پرواہ نہ کی وہ بھی ہماری ہی جماعت سے ہے حضرت کی نقل کو تو جی چاہتا ہے لوگوں کا۔ مگر حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کر لو۔ فلاں مولوی صاحب تحریک خلافت میں بہت سرگرم تھے مسلک میں اختلاف تھا اور ہے مگر کبھی ذرہ برابر نہ ان کو مجھ سے انقباض ہوا نہ مجھ کو ان سے۔

ایک مرتبہ دہلی سے یہاں پر آئے میں نے دریافت کیا کہ کیسے سفر کی صعوبت گوارا فرمائی ، کہنے لگے کہ مجھ کو خلوت میں کچھ کہنا ہے میں نے کہا صاف بات ہے اور معاملہ کی بات ہے وہ یہ ہے کہ تنہائی میں میں کوئی بات نہ کرونگا کیونکہ اس میں آپ کی تو کوئی مصلحت نہیں اور میری مصلحت کے خلاف ہے اس لئے کہ آپ تو حکومت اور مشین گنوں، توپوں اور فوجوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہیں اور اس کا آپ اعلان کر چکے ہیں اور میں ابھی تیار نہیں ہوا۔ آپ کو تنہائی اور غیر تنہائی سب برابر ہیں آپ کیلئے کوئی نیا خطرہ نہیں اور میرے لئے خطرہ ہے کہ نہ معلوم چپکے چپکے کیا مشورہ ہو جو بات ہو مجمع میں ہو۔ پھر یہ کہ آپ کو تردد تو ہے نہیں کیونکہ آپ اپنے مسلک کا اعلان کر چکے ہیں اور تردد کی حالت میں اعلان نہیں کیا جاتا تو گفتگو سے رفع تردد تو مقصود ہے نہیں صرف مجھ کو تبلیغ کرنا ہے سو میں نہایت خوشی سے سننے کو تیار ہوں مگر جب یہ تبلیغ ہے تو یہ بھی

ضروری ہے کہ آپ تقریر فرمائیں میں سنوں لیکن آپ کو یہ حق نہ ہوگا کہ آپ یہ دریافت فرمائیں کہ تو سمجھا یا نہیں۔ میں سمجھوں یا نہ سمجھوں آپ اپنا فرض تبلیغی ادا فرمائیں کیونکہ مبلغ کا فرض مخاطب کے جواب پر موقوف نہیں اگر معقول تقریر ہوگی میں اپنے مسلک سے رجوع کرلوں گا اور اعلان کردوں گا کہ پہلے میں غلطی پر تھا فلاں صاحب کے سمجھانے سے سمجھ میں آگیا اور اگر نہیں تو خاموش رہوں گا کچھ نہ کہوں گا اس پر مولوی صاحب راضی ہو گئے میں نے دو شخصوں سے کہا کہ پنسل کاغذ لے کر بیٹھ جانا اور جو مولوی صاحب تقریر فرمائیں اس کو ضبط کرلینا اس میں یہ مصلحت ہے کہ سب تقریر سننے سے دماغ میں رہ نہیں سکتی۔ضبط ہونے پر میں اس میں اچھی طرح پر غور کر سکوں گا۔اس سے مولوی صاحب پر ایک خاص اثر رکاوٹ کا ہوا۔

میں نے اس کا احساس کر کے کہا کہ ایک اور صورت اس سے بھی سہل سمجھ میں آئی اس میں تو پھر بھی ایک طول ہے یہ لوگ لکھیں گے پھر صاف کریں گے پھر آپ کے پاس نظر ثانی کرنے کو بھیجیں گے اور علاوہ طول کے اس میں وقت بھی زیادہ صرف ہوگا۔سہل صورت یہ ہے کہ آپ دہلی واپس تشریف لے جائیں اور اطمینان سے کتابیں دیکھ کر اور علماء اور عقلاء سے مشورہ لیکر تحریری تبلیغ میرے پاس بھیج دیں اس میں ایک اور مصلحت بھی ہے کہ علاوہ اس کے فی البدیہہ تقریر میں تمام جزئیات کا احاطہ نہیں کرسکیں گے بعد میں افسوس ہوگا۔

بس مولوی صاحب اس پر راضی ہو گئے اور اس پر گفتگو ختم ہوگئی کئی سال کی یہ بات ہوگئی وہ تبلیغ آج آرہی ہے یہ حالت تو اس تحریک میں پیشوا اور مقتداؤں کے کام کرنے کی ہے عوام بے چارے تو بھلا کس شمار میں ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱، صفحہ نمبر ۹۴، ملفوظ نمبر ۱۱۶)

الامتناع عن السباع

درخلاصہ معاملات تحریکات بعنوان لطیفہ

خوشتراں باشد کہ سردلبراں گفتہ آید درحدیث دیگراں

(ترجمہ: اچھا یہی ہے کہ محبوبوں کے راز دوسروں کی باتوں میں کہے جائیں)

تین رفیق سفر کر رہے ہیں کسی مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ عین راستہ پر ایک شیر کو تین چار بھیڑیئے لپٹ رہے ہیں اور راستہ بند ہے ان کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں البتہ ان کے سامنے اینٹیں پتھر پڑے ہیں ان تینوں میں اختلاف رائے ہوا اور رائے کے اختلاف سے عمل میں اختلاف ہوا ایک کی رائے ہوئی کہ شیر کی امداد کرنا مناسب ہے اگر یہ غالب آ گیا تو طبعاً اس احسان سے متاثر ہو کر مجھ سے مزاحمت نہ کرے گا اور میں اطمینان سے اپنے راستے پر چلا جاؤں گا۔ یہ خیال کر کے اینٹوں سے بھیڑیوں کو مارنا شروع کیا دوسرے کی یہ رائے ہوئی کہ شیر اکیلا بھیڑیئے متعدد ہیں غالباً غلبہ انہی کو ہوگا اگر ان کی نصرت کی تو طبعاً اس احسان سے متاثر ہو کر مجھ سے مزاحمت نہ کریں گے اور میں امن وامان کے ساتھ اپنے راستہ پر چلا جاؤں گا یہ خیال کر کے اینٹوں سے شیر کو مارنا شروع کیا تیسرے کی یہ رائے ہوئی کہ اینٹیں نہ شیر کی مدافعت کے لئے کافی ہیں نہ بھیڑیوں کے لئے کافی ہیں اور ایسی حالت میں اگر منصور مغلوب ہو گیا تو غیر منصور کو خواہ مخواہ چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا اور اگر غالب بھی ہو گیا تب بھی جانور سے جس کی طبیعت عقل پر غالب ہے کیا توقع ہے کہ احسان سے متاثر ہو کر رعایت کرے گا موقع

پا کر وہ بھی طبعاً مزاحمت کرے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک قابل اطمینان اپنے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو کسی کی نصرت نہ کی جائے بلکہ جس طرح ممکن ہو اپنی حفاظت کی کوشش کی جائے پھر خواہ غلبہ کسی کو ہو ممکن ہے کہ ہمارے عدم تعرض کے سبب یہ بھی تعرض نہ کرے اور اگر تعرض ہی کیا تو اس کا افسوس نہ ہوگا۔ کہ ہم نے خواہ مخواہ خود چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا اس لئے یہ دونوں سے علیحدہ ہو کر اپنی حفاظت میں مصروف ہو گیا اور جس طرح بن پڑا ان کی زد سے سکوت و سکون کے ساتھ نکل گیا اور دور سے چکر کاٹ کر اسی راستہ پر جا پڑا اب آگے اس کی قسمت کو وہ شیر اور بھیڑیے وہاں بھی پہنچ گئے یہ تین جدا جدا طریقے ہیں جن کو ان تین شخصوں نے اپنے لئے اختیار کیا اگر ان لوگوں نے قوانین عقلیہ کی مخالفت نہ کی اور نیت بھی کسی کی فاسد نہ ہو تو کسی شخص پر کوئی عقلی ملامت نہیں ہو سکتی اور اگر کسی شخص کو اس کے مجوزہ طریق کا مضر ہونا صحیح دلیل سے بتلا دیا جائے اور اس کے پاس کوئی معقول جواب بھی نہ ہو اور وہ پھر بھی اسی پر مصر رہے تو پھر وہ ضرور مستحق ملامت ہوگا۔ یہ مثال ہے بعض خاص معاملات اور آراء کی واللہ اعلم میزان الکل مضمون بروایت بعض شعراء مجنون۔

جبکہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

۲۷۔ شعبان ۱۳۵۱ھ یوم دوشنبہ

عود الی السابق

نقول بالا سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا کہ سیاسی تحریکات میں حضرت والا کا مسلک کس درجہ مصالح دینیہ و دنیویہ پر مبنی تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ حضرت والا کے نزدیک حالات حاضرہ میں اس قسم کی تحریکات نہ شریعت کے مطابق ہیں نہ مصلحت کے رہا یہ سوال کہ پھر مسلمانوں کی بہبودی کے لئے کون سا طریق عمل اختیار کیا جائے۔

اس کے لئے حضرت والا نے ایک نہایت ہی مفید رسالہ حیوٰۃ المسلمین تصنیف فرمایا جس کے سہل اور جامع بنانے میں حضرت والا نے اتنی مشقت اٹھائی کہ اتنی کسی تصنیف میں نہیں اٹھائی۔ یہ رسالہ بہت مقبول ہوا اور بعضے انجمنوں نے بھی اس کو عام طور سے شائع کیا اور بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے جیسا کہ تفصیل اعتناء اہل علم بتالیفات حضرت صاحب سوانح سے معلوم ہوگا جو فہرست تالیفات کے بعد ہے۔ یہ رسالہ کتب فروشوں کے یہاں سے مل سکتا ہے پھر اس رسالہ حیوٰۃ المسلمین کا ایک مکمل نظام عمل بھی تجویز فرما کر صیانۃ المسلمین عن خیانۃ غیر المسلمین کے نام سے شائع فرما دیا عمل کرنا نہ کرنا دوسروں کے قبضہ کی بات تھی۔

اس نظام عمل کو بلفظہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے وہ نظام عمل یہ ہے۔

صیانۃ المسلمین عن خیانۃ غیر المسلمین

(از النور بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ)

امابعد الحمد والصلوٰۃ فعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف و فی کل خیر الحدیث رواہ مسلم آج کل مسلمانان ہند جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں ان میں دوطریق مشروع ہیں ایک ضعفاء کے لئے کہ سکوت محض سے کام لیں نہ حفاظت کا کوئی سامان کریں نہ مدافعت کا اہتمام کریں دوسرا اقویاء کے لئے کہ حفاظت و مدافعت کی تدبیر کریں اپنے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی۔ اور حدیث بالا سے جس طرح دونوں طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے اسی طرح دوسرے طریق کی ترجیح بھی معلوم ہوتی ہے اور حفاظت کا محل دو چیزیں ہیں ایک دین اور اصل یہی ہے دوسرے دنیا اس کی حفاظت کی فضیلت بھی مع فضیلت حفاظت دین کے اس حدیث سے ثابت ہے ومن قتل دون مالہ فھو شھید و من قتل دون دمہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید و من قتل دون اھلہ فھو شھید (جمع الفوائد عن اصحاب السنن) اور یہ امر تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر افراد حفاظت کے خصوص دوسروں کی مطلقاً حفاظت اور اپنی دنیا کی حفاظت کے افراد عادۃً موقوف ہیں قوت اجتماعیہ اور اتفاق منظم پر اس لئے حفاظت کی ضرورت داعی ہوگی اجتماع و اتفاق و تنظیم مذکور کی طرف اور ہمارے بھائیوں میں یہ قریب قریب مفقود ہے۔ اسی لئے ہر مسلمان بجائے خود اپنے کو تنہا دیکھ کر اپنے ضعف سے پریشان ہے ورنہ اہل باطل کے مقابلہ میں اہل حق کی

پریشانی کا احتمال ہی نہیں ہوسکتا اور اگر کہیں برائے نام تنظیم ہے تو اس سے محض اغراض دنیویہ مقصود ہیں بلکہ اکثر تو دین کو ان اغراض میں مخل سمجھ کر قصداً اس سے اعراض کرتے ہیں ایسی بیچارگی کے وقت میں رحمتہ الٰہیہ نے دستگیری فرمائی کہ بعض بندوں کے قلوب میں ایسی تنظیم کی ضرورت اور عملی صورت لقا فرمائی جس سے دین اصالۃً اور دنیا تبعاً محفوظ رہ سکے۔ اس لئے ہم چند خدام اسلام نے اس تنظیم کی غرض سے ایک مجلس قائم کی اور چونکہ ہر عمل میں تحقیق حکم شرعی کی ضرورت ہے اس لئے اس کی دفعات کے متعلق فتویٰ شرعی بھی حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی سے حاصل کیا جو ذیل میں منقول ہے اور چونکہ اس کی ضرورت ہر مقام پر عام ہے اس لئے دیگر اہل اسلام کے نفع کی غرض سے اس کو شائع بھی کیا جاتا ہے اگر مقامی مصلحت سے اس میں کہیں جائز کمی بیشی کرلی جائے اس کا مضائقہ نہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں آج کل مسلمانان ہند جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور آئندہ اس سے زیادہ مبتلا ہونے کا خطرہ ہے ان سے خود محفوظ رہنے اور دوسرے بھائیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک جماعت نے ایک مجلس قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کی دفعات حسب ذیل ہیں اب سوال یہ ہے کہ یہ دفعات شریعت مطہرہ کے خلاف تو نہیں تاکہ ایسی دفعہ کو بدل کر شریعت کے موافق کرلیا جائے وہ دفعات یہ ہیں۔

(نمبر۱) احکام شرعیہ پر پورے اہتمام سے عمل کرنا اور جن اعمال پر قدرت نہ ہو ان میں معذور رہی ہے۔

(نمبر۲) دوسروں کو ان احکام کی اور ان کی پابندی کی تبلیغ کرنا۔

(نمبر۳) خصوص احکام ذیل جن کو خاص دخل ہے حفاظت مقصودہ میں وہ احکام یہ ہیں۔ اسلام پر قائم رہنا، علم دین سیکھنا اور سکھلانا۔ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت درجہ عشق میں رکھنا، تقدیر پر ایمان لانا اور خدا تعالیٰ پر

بھروسہ رکھنا۔ دعا مانگنا' نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا اور جوان میں گزر گئے ہیں۔ ان کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھانا یا سننا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا پڑھنا یا سننا۔ مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کر ادا کرنا اپنی جان کے حقوق ادا کرنا' اس میں یہ بھی داخل ہے کہ حکام کا مقابلہ نہ کریں بلکہ تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کریں اگر حسب مرضی انتظام نہ ہو صبر کریں اور اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش ہو تو حکام ہی کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کریں پھر خواہ وہ خود انتظام کر دیں خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں نیز جان کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ ورزش کریں۔ حدود قانون کے اندر فن سپاہ گری سیکھیں۔ نماز کی پابندی رکھنا۔ ضرورت کے مقام پر مسجد بنانا۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ نیز دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا۔ روزے رکھنا۔ حج کرنا۔ اور اگر وسعت یا ہمت ہو روضہ شریف کی زیارت بھی کرنا۔ اور اگر اس میں کوئی روک ٹوک کرے تو اس دستور العمل کو اختیار کریں جو ابھی اپنی جان کے حقوق میں مذکور ہوا۔ آمدنی اور خرچ کا انتظام رکھنا۔ نکاح سے نسل بڑھانا۔ دنیا سے دل نہ لگانا۔ گناہوں سے بچنا۔ صبر و شکر کرنا۔ صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ جہاں شریعت کا حکم ہو وہاں مالی یا جانی کیسی ہی تکلیف ہو اس کو برداشت کرنا۔ مشورہ کے قابل امور میں مشورہ لینا۔ باہم محبت و ہمدردی و اتفاق رکھنا۔ امتیاز قومی یعنی اپنا لباس اپنی وضع اپنی بول چال اپنا برتاؤ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا (ان اعمال کی تفصیل رسالہ حیٰوۃ المسلمین میں کی گئی ہے جو قابل ملاحظہ ہے)

(نمبر۴)......طریق عمل احقر کے ذہن میں یہ ہے کہ جس جگہ جس جماعت کو گو وہ قلیل ہی ہو توفیق ہو ایک مجلس بنا کر ان احکام پر عمل کرنے اور کرانے کی کوشش شروع کر دیں۔

(نمبر۵)......سہولت نظم کے لئے اس مجلس کا کوئی لقب بھی تجویز کر لیا جائے مثلاً صیانۃ المسلمین یا اور کچھ اور باقاعدہ اس کے کچھ عناصر بھی مقرر کر دیئے جائیں جن کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا۔

(نمبر۶)...... یہ عناصر تین قسم کے ہوں گے ایک ارکان یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا مشورہ مجلس کے ہر کام کے لئے شرط ہوگا اور رکن کا چندہ گزار ہونا شرط نہیں دوسرے معین یہ چندہ گزاروں کا لقب ہوگا تیسرے عامل یہ ان لوگوں کا لقب ہوگا جو نہ مشیر ہیں نہ چندہ گزار بلکہ محض بلا معاوضہ اپنی خدمات مجلس کے لئے وقف کرتے ہیں اور مجلس کی طرف سے جو خدمت ان کے سپرد کی جائے وہ اس کو حسبۃً للہ بجالاتے ہیں ان تینوں عناصر کا تعلق باضابطہ ہے چوتھے محبین جو محض خیراہی ودعا میں مشغول ہیں اور کوئی مناسب رائے خیال میں آتی ہے اس کی اطلاع مجلس میں کرتے ہیں اس طبقہ کا تعلق باضابطہ نہیں۔

(نمبر۷)...... طبقہ ارکان میں سے ایک شخص کو اس مجلس کا صدر تجویز کیا جائے جس کا انتخاب ارکان کے اتفاق سے ہوگا۔

(نمبر۸)...... ارکان کا عدد بہت زیادہ نہ ہونا چاہیے بلکہ ہر مقام پر ایسا عدد ہو جن کا اجتماع مشورہ کے لئے سہل ہو خواہ وہ مقامی ہو یا بیرونی ہوں مگر ضرورت کے وقت بسہولت جمع ہو سکتے ہیں۔ اور بقیہ تین طبقوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔

(نمبر۹)...... جدید رکنیت کے لئے قدیم ارکان کی متفقہ منظوری شرط ہے جس میں وہ مختار ہیں اور بقیہ تین عناصر کی خدمات کا قبول کر لینا ارکان کے ذمہ لازم ہے الا لمانع شرعی مفوض الی رایھم۔

(نمبر۱۰)...... ایک شخص دو خدمتیں لیکر دو طبقوں میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

(نمبر۱۱)...... کوئی شخص خود رکنیت کی درخواست نہ کر سکے گا بلکہ ارکان سابق خود اس سے رکنیت کی درخواست کریں گے اور معین اور عامل خود درخواست کر سکتے ہیں ان کی درخواست پر ان کو ایک فارم دیا جائے گا جن میں ان کو اپنا نام نشان اور وعدہ خدمت لکھنا ہوگا جس کا نقشہ ارکان تجویز کر سکتے ہیں اور یہ سب فارم مجلس میں محفوظ رہیں گے اور محبین خود بھی درخواست کر سکیں گے اور ان سے بھی درخواست کی جا سکتی ہے مگر یہ سب زبانی ہوگی۔ اور اگر کسی جانب سے بھی خاص درخواست نہ ہو تب بھی ہر

مسلمان سے عام درخواست اس وقت کی جاتی ہے کہ نیک مشوروں سے اور دعا سے اس مجلس کی مدد فرماتے رہیں۔...... (نمبر۱۲)......صدر اور رکن کا تقرر جیسے اتفاق ارکان سے ہوا تھا اسی طرح ان کا عزل بھی اتفاق ارکان سے ہوگا۔

(نمبر۱۳)......اور صدر اور رکن کا استعفاء کسی کی منظوری پر موقوف نہیں لیکن ان کا احسان ہوگا اگر دو ہفتہ قبل اطلاع دے دیں۔

(نمبر۱۴)......باستثناء وقتی کاموں کے کوئی کام بدوں مشورہ نہ کیا جائے۔

(نمبر۱۵)......مشورہ کے لئے صدر اور تین مشیروں کا اجتماع کافی ہے۔ اگر صدر کو کچھ عذر ہو وہ وقتی مشورہ کے لئے کسی رکن کو اپنا قائم مقام بنادے اور اگر صدر سفر میں ہو خود ارکان کسی کو صدر کا قائم مقام بنالیں۔

(نمبر۱۶)......اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہو جائے تو جس جانب صدر کی رائے ہو قطع نظر اقلیت یا اکثریت سے اس کو ترجیح ہوگی اور اگر اہل شوریٰ اور صدر میں اختلاف ہو جائے تو احتیاط کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی یعنی اگر امر متنازع فیہ ایک رائے میں نافع محض غیر محتمل الضرر ہو اور دوسری رائے میں نہ نافع ہو نہ مضر تو نافع والی رائے کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو کرلیا جائے گا اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع مگر غیر ضروری تو مضر والی کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو ترک کردیا جائے گا اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع اور ضروری اور صرف یہ اختلاف اہم واشد ہے تو صدر کی رائے کو ترجیح ہوگی۔

(نمبر۱۷)......کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جائے گا نہ کوئی رائے خلاف شرع قبول کی جائے گی اگر جواز وعدم جواز میں تردد ہو علماء سے استفتاء کیا جائے گا اگر انتخاب مفتی میں اختلاف ہو جائے یا علماء کے فتاوے میں اختلاف ہو جائے تو صدر کے تجویز شدہ مفتی کا فتویٰ معمول بہ ہوگا لیکن جس رکن کو اس میں شرح صدر نہ ہو وہ عمل پر مجبور نہ کیا جائے گا اس کو سکوت کی اور اس کام میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے گی مگر

مناقشہ کی اجازت نہ ہوگی اسی طرح کوئی کام خلاف قانون بھی نہ کیا جائے گا۔

(نمبر۱۸)......اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے کسی پر اصرار نہ کیا جائے بہتر تو یہ ہے کہ ترغیب بھی نہ دی جائے لیکن اگر کسی مقام پر اس میں مصلحت ہو تو ترغیب میں مخاطب کی طیب خاطر و انشراح قلب سے تجاوز نہ کیا جائے۔ صرف مجلس کے اغراض و مقاصد کی خصوصی یا عمومی اطلاع دے دی جائے جو شخص خود یا جائز ترغیب سے شرکت کرے اس کو شریک کرلیا جائے۔

(نمبر۱۹)...... اس مجلس کی طرف سے کچھ مخلص و اہل مبلغ بھی مقرر کئے جائیں کہ وہ احکام شرعیہ کی عموماً اور احکام مذکورہ نمبر۳۔ کی خصوصاً اشاعت کریں اور یہ تبلیغ بہ خطاب عام ہوگی اور اس تبلیغ میں غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی بھی ترغیب دیا کریں اور مناظرہ وغیرہ کسی سے نہ کریں۔ اگر کوئی خود درخواست کرے اس کو مناظرین کا پتہ بتلا دیں۔

(نمبر۲۰)......اس مجلس کی طرف سے کچھ فہیم و سلیم رضا کار بھی مقرر کئے جائیں کہ ان کا کام تبلیغ بہ خطاب خاص ہوگا۔ مثلاً نمازوں کے وقت مشغولین غافلین کو نرمی اور محبت سے نماز کا یاد دلانا۔ کوئی شخص خلاف شرع کام کرتا ہو یا اس کا ارادہ کرتا ہوا دیکھا جائے جیسے بدکاری یا شراب خواری یا قمار بازی اس کو نرمی سے شرعی وعیدیں یاد دلا کر سمجھا دینا لیکن اگر اس سے کوئی نہ مانے تو پھر اس پر مسلط ہو جانا یا کسی طرح سے زور دینا خواہ سختی سے خواہ ہاتھ جوڑ کر یا راستہ میں لیٹ کر یہ مناسب نہیں بلکہ جب ناصح کی باضابطہ حکومت نہ ہو ایسا کرنا اکثر مضر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے اگر یہ رضا کار کسی پر ظلم ہوتا ہوا دیکھیں مثلاً کوئی شخص ایک مباح معاملہ کر رہا ہے جیسے کپڑا خریدنا یا بیچنا اور دوسرا اس کو معاملہ نہ کرنے پر مجبور کر رہا ہے تو یہ رضا کار اس مظلوم کی مدد کریں لیکن صرف مدافعت کی حد تک رہیں ظالم سے انتقام نہ لینے لگیں۔ اسی طرح راستہ میں کسی حاجت مند کا بوجھ اٹھوا دینا کسی کو سوار ہونے میں مدد دینا کسی پیاسے کو پانی پلا دینا کسی انجان کو راستہ بتلا دینا دو

شخص لڑتے ہوں ان میں صلح کرادینا یہ سب رضا کاروں کی خدمات ہیں اور اس نظام پا حاجت مند میں یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ اپنے مذہب کا ہے یا دوسرے مذہب کا سب کی مدد کرنا چاہیے۔رضا کاری کی یہ شرائط ہیں اسلام عقل بلوغ ذکورت' طالب علمی میں مشغول نہ ہونا خواہ علم معاش ہو خواہ علم معاد ہو۔کسی کا ماتحت یا ملازم نہ ہونا۔

(نمبر۲۱) ان مبلغین اور رضا کاروں کی کوئی امتیازی علامت بھی ہو تو قرین مصلحت ہے۔.........(نمبر۲۲) یہ مبلغین اور رضا کار سب صدر مجلس کے ماتحت ہوں گے کوئی کام بدوں اس کی اجازت کے نہ کرسکیں گے۔

(نمبر۲۳)...... یہ رضا کار روزانہ اور مبلغین ماہانہ صدر کے پاس یا صدر جس کو اپنی نیابت میں اس کام کے لئے منتخب کردے اس کے پاس جمع ہوکر اپنی کارگزاری کی اطلاع دیا کریں اور آئندہ کے لئے مناسب احکام حاصل کیا کریں اور ارکان مجلس کا جلسہ کم از کم ماہانہ ہوا کرے جس میں ضروری مشورے طے ہوا کریں۔

(نمبر۲۴)......ان مبلغین و رضا کاروں کی مالی خدمت کے لئے کچھ چندہ کا انتظام بھی کیا جائے مگر اس میں شرعی حدود کا اہتمام واجب ہے اگر چندہ کم ہو کام مختصر پیانہ پر کیا جائے۔اور جن رضا کاروں کو دلچسپی ہو ان کو ورزش وغیرہ بھی سکھلائی جائے۔

(نمبر۲۵)......اگر مجلس میں ایسے حضرات شریک ہوجائیں جو مسلمانوں کی دوکان کھلوانے کا انتظام کرسکیں تو مجلس اس خدمت کو بھی اپنے فرائض میں داخل کرلے۔

(نمبر۲۶)......اور اگر مجلس میں ایسے حضرات شریک ہوجائیں جو مسلمانوں کی تکالیف کا چارہ کار یا ان کے حقوق آئین اور تہذیب کے حدود میں رہ کر گورنمنٹ سے طلب کرسکیں تو مجلس اس خدمت کو بھی اپنے فرائض میں داخل کرے۔

(نمبر۲۷)......وقتاً فوقتاً مجلس کی کارگزاری مع حساب چندہ شائع ہونا چاہیے۔

(نمبر۲۸)......اس کارگزاری کی عام روئداد بھی اور اس کی جزئیات وقتیہ خاص طور پر زبانی بھی حکام رس حضرات کے توسط سے حکام کو پیش کرتے رہیں تاکہ کسی

مخالف کو بدگمانی پیدا کرنے کی گنجائش نہ ہو۔

(نمبر ۲۹)......اس مجلس کا مرکزی مقام دہلی ہوگا اور دوسرے مقامات پر اہل مقام کو اختیار ہے خواہ مستقل طور پر اپنے یہاں ایسی مجالس قائم کریں خواہ اس مرکزی مجلس کی شاخیں بنا دیں اور شاخ بنانے کی صورت میں مرکز اور شاخوں کے باہمی تعلقات وحقوق وشرائط کے متعلق زبانی مشورہ کرلیا جائے۔

(نمبر ۳۰)......شعبہ تبلیغ کے تحت میں مفید رسالے بھی حسب ضرورت وحسب وسعت وقتاً فوقتاً خرید کر مجلس میں محفوظ رہیں گے اور ایک خاص وقت میں عام مسلمانوں کو وہاں آ کر مطالعہ کی اجازت ہوگی اور اگر وسعت ہوتو ایسے رسائل چھپوا کر یا خرید کر عام مسلمانوں میں شائع بھی ہو جایا کریں گے مگر مجلس کے سرمایہ سے کوئی اخبار نہ خریدا جائے گا۔ اگر کوئی مالک اخبار بلا معاوضہ بھیج دیا کرے یا ارکان یا غیر ارکان بطور خود خرید کر خواہ مجلس میں داخل کر دیں خواہ بطور خود مطالعہ کر کے استحضار واقعات سے مشورہ میں کام لیں اس کی اجازت ہے مگر ہر حالت میں یہ وصیت کی جاتی ہے کہ محض اخبار میں کسی واقعہ کے درج ہونے سے بدوں اذن شرعی کوئی اثر نہ لیں۔

(نمبر ۳۱)...... چونکہ مذکورہ بالا کارگزاریوں کے لئے ضبط کی بھی ضرورت ہوگی اس لئے مجلس میں ایک فہیم مستعد محرر کا مقرر کرنا بھی ضروری ہے جس کی خدمت کی نگرانی صدر کے یا جس کو صدر تجویز کر دیں اس کے ذمہ ہوگی۔ اسی طرح دفتر کے لئے ایک مکان کی بھی ضرورت ہوگی اور یہی مکان انعقاد مجلس کے بھی کام آئے گا۔

نوٹ:...... یہ مجلس خالص مذہبی ہے سیاسیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ کسی کی مدافعت میں نہ مخالفت میں۔ اور محکومین کا حکام سے اپنا جائز حق حدود قانون میں مانگنا سیاست نہیں جیسا جائز ملازمت کی درخواست کو کوئی شخص سیاست نہیں کہہ سکتا۔

الجواب:...... یہ سب دفعات بالکل شریعت کے ایسے موافق ہیں کہ دلائل کی بھی حاجت نہیں لیکن چونکہ اس مجموعہ کی ضرورت اجتہادی ہے اس لئے اگر باوجود

اعتقاداان کے استحسان کے ان کوعمل میں لانے سے کسی کو دلچسپی نہ ہواور وہ اپنے اپنے ذوقاً یکسوئی کو اسلم سمجھے اور اس مسلک کو پسند کرے جس کو احقر نے رسالہ حاملۃ المسلمین کے نوٹ نمبر۲۔ میں اپنے لئے طریق عمل تجویز کیا ہے اس پر اس مجلس کی شرکت کے لئے اصرار نہ کیا جائے چنانچہ خود مجلس مسئول عنہ کی دفعہ نمبر ۱۸۔ میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔اب اس جواب کواس دعا پرختم کرتا ہوں۔

اللهم اجعل هذه الجماعة صيانة و حماية للمسلمين.

عن كل خيانة و نكاية من غير المسلمين.

کتبہ اشرف علی ۲۴۔ربیع الاول۔الاعز الاجل ۱۳۴۹ھ

نوٹ:...... یہاں تک تو تحقیق دلائل شرعیہ کی بناء پر تھی ان دلائل کی تائید میں بہت سے صالحین کے منامات مبشرہ صریحہ بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً رسالہ النور میں شائع ہوتے رہے ہیں اور تربیت السالک میں موجود ہیں وہاں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

اس جگہ تائیداً صرف ایک خواب الصدق الرؤیا کے حصہ غیر مطبوعہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جناب مولانا مولوی محمد حسن صاحب امرتسری جو ایک نہایت مقدس صالح اور ثقہ عالم اور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔اپنے ایک خواب کے سلسلہ میں جس کو صاحب ممدوح نے ۱۳۴۰ھ میں دیکھا تھا حضرت والا کو تحریر فرماتے ہیں کہ پھر اسی خواب کے سلسلہ میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد کے اندرونی حصہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہما باہر تشریف لا رہے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف اپنی اپنی گردن جھکا کر بطور سرگوشی کے چپکے چپکے آپس میں بحوالہ حضرت والا مدظلکم العالی یہ ذکر کر رہے ہیں کہ تحریک خلافت کے متعلق ان کی رائے نہایت صحیح ہے یعنی حضرت والا کی۔

پھر ان دونوں حضرات میں سے ایک صاحب تو مسجد کے اندر واپس تشریف لے گئے اور دوسرے صاحب باہر تشریف لے گئے۔اھ۔

ختم کلام

تحریکات کے زمانہ میں حضرت والا پر ایسے ایسے بے بجا اتہامات لگائے گئے اور مخالفین اس قدر درپے آزار رہے کہ اگر حفاظت خداوندی اور تائیدِ غیبی شامل حال نہ رہتی تو نہ معلوم کیا نوبت پہنچتی مگر حضرت والا نے ہمیشہ نہایت صبر وتحمل سے کام لیا اور مردانہ وار جادۂ مستقیم پر ثابت قدم رہے۔ مخالفتوں کے سینکڑوں واقعات ہیں لیکن ان کو بیان کرنے سے حضرت والا نے اس بناء پر ممانعت فرما دی ہے کہ ممکن ہے کسی کو ناگوار ہو اور رنج پہنچے۔ اور فرمادیا کہ بس یہ اشعار لکھ کر اس بحث کو ختم کر دیا جائے۔

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب　　کسی سے کیا ستم و جورِ خدا کہیے
اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ: میں تیرے سامنے اپنے دل کا غم تھوڑا سا بیان کیا ہے اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ تو پریشان ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔)

گفتگو آئین درویشی نبود　　ورنہ　　باتو ماجرا　　ہا داشتیم
(گفتگو کرنا درویشی کے قواعد کے مناسب نہیں ورنہ ہمیں آپ کو بڑی کہانیاں سنانی تھیں)

حضرت والا سے بہت مخالفین نے جنہوں نے تحریکات کے شور وشر کے زمانہ میں آپے سے باہر ہو کر حضرت والا پر خلاف تدین اور خلاف واقع الزامات لگائے تھے۔ بعد جوش فرو ہونے کے نہایت عجز وندامت کیساتھ معافیاں مانگیں تو حضرت والا نے معاف فرمادیا بلکہ عام معافی کا اعلان فرمادیا لیکن خصوصی تعلقات اور قلب کی صفائی کے متعلق صاف فرمادیا کہ یہ میرے قبضہ میں نہیں اور یہ شعر لکھ دیا۔

بسالے زجورت جگر خوں شود　　بیک ساعت از دل بروں چوں شود

جب کسی نے قلب کی صفائی کی تدبیر پوچھی تو فرمادیا کہ اپنی خطا کا اعلان شائع کریں لیکن اس پر مجبور نہیں فرمایا کہ اپنی رائے بدلیں بلکہ بالتصریح فرمایا کہ اعلان میں یہ صاف لکھ دیں کہ ہماری رائے اب بھی وہی ہے۔

لیکن ہم نے جو بلا دلیل برا بھلا کہا اس سے ہم رجوع کرتے ہیں۔ اور اظہار ندامت کرتے ہیں۔ بس دل کی صفائی کے لئے اتنا کافی ہے۔ اھ

سبحان اللہ حضرت والا کس قدر وسیع الخیال اور ہر شئے کو اس کی حد پر رکھنے والے ہیں۔ پھر بعض نے ایسا ہی کیا بلکہ بعض کے مسودہ میں حضرت والا نے خود ترمیم فرما کر اس کو ایسا کر دیا کہ ان کی اہانت نہ ہو۔ ان کے اس طرح اعلان کر دینے کے بعد حضرت والا کے تعلقات ان کے ساتھ پھر ویسے ہی شگفتہ قائم ہو گئے جیسے پہلے تھے۔ اور حکم خداوندی فاصفح الصفح الجمیل کی تعمیل ہوگئی اور حضرت والا اس مصرع کے مصداق ہو گئے۔

ع　ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

(یہ کام تجھ سے ہوتا ہے اور مرد ایسے کام کیا کرتے ہیں)

اہتمام اصلاح اُمت

ناظرین کرام پر ابواب ماسبق کے ملاحظہ سے یہ امر واقع اظہر من الشمس ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی ذات بابرکات کو اصلاح اُمت اور تجدید ملت ہی کی اہم ترین خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے جس کو حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ اس حسن وخوبی سے انجام دیا ہے اور انجام دے رہے ہیں کہ منجانب اللہ حضرت والا کو عموماً حکیم الامۃ اور مجدد الملۃ ہی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق یاد آئی۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدفیضہم جن کو مولانا ممدوح سے شرف بیعت حاصل ہے اپنی ایک یادداشت میں جو احقر کو لکھ کر حوالہ فرمائی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ جب کسی تحریر میں حضرت کے نام کے ساتھ حکیم الامۃ لکھا ہوا نہ پاتے تو بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جب قلوب رجال میں ان کے لئے ایک لقب ڈال دیا ہے تو اس کو چھوڑنا نہ چاہیے کہ اس میں حضرت حق کے

ساتھ سوءادب ہے (اوکمال قال قدس اللہ سرہ) اھ۔

چونکہ حضرت والا کی گویا تمام زندگی ہی اہتمام اصلاح اُمت میں بسر ہوئی ہے اور ہو رہی ہے لہٰذا اس کے متعلق واقعات وحالات کا استیعاب تو درکنار ان کا عشرِ عشیر بھی احاطہ تحریر میں لانا زبس دشوار ہے تاہم بمصداق

آب جیحوں را اگر نتواں کشید ہم بقدر تشنگی باید چشید

(ترجمہ: دریا کا سارا پانی اگر نہیں کھینچا جا سکتا تو پیاس کے مطابق تو چکھنا چاہیے)

بقدر ضرورت واقعات وحالات سوانح ہذا میں تحریر کیے جا چکے ہیں اور اس جگہ بھی دو خاص مضمون ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

پہلا مضمون خود حضرت صاحب سوانح کے رسالہ اصلاح انقلاب کا دیباچہ جس میں حضرت ممدوح نے اصلاح امت کا ایک ایسا جامع مانع طریق تحریر فرما دیا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اُمت کے ہر طبقہ کی اصلاح نہایت سہولت کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

یہ مضمون تو منجملہ صدہا نظائر افادات علمیہ مفیدہ کے حضرت والا کے علمی اہتمام اصلاح اُمت کا ایک مفید اور کارآمد نمونہ پیش کرے گا اور دوسرے مضمون میں عملی اہتمام کی چند مثالیں ناظرین کرام کے ملاحظہ سے گذاریں گی جو احقر کی استدعاء پر مکرمی ومحترمی جناب مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے قلمبند فرما دی ہیں۔ اس میں اصلاح اُمت کے متعلق حضرت والا کی مساعی خاصہ کے دس واقعات مذکور ہیں جن کا نام اس باب فواضل کے ساتھ معنوی مناسبت کی بناء پر نیز جناب جامع کے اسم گرامی کے ساتھ مادی مناسبت کے لحاظ سے ''مکارم عشرہ'' تجویز کیا جاتا ہے۔ اس ضروری تمہید کے بعد مذکورہ بالا دونوں مضمونوں کو علی الترتیب نقل کیا جاتا ہے۔

(اشرف السوانح، جلد سوم، صفحہ ۳۰۰)

ادب السیاسۃ

یعنی اصلاح کے آداب

ایک صاحب کی غلطی پر حضرت والا مواخذہ فرمارہے تھے ان سے جواب طلب ہورہا تھا وہ صاحب خاموش تھے ایک صاحب نے جو کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ان صاحب سے خطاب کیا کہ آپ جواب دیجئے۔ اس پر حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ بس آپ دخل نہ دیجئے آپ کو میں نے وکیل نہیں بنایا آپ کیوں دخل در معقولات دیتے ہیں اس طرز میں بڑے مفسدے ہیں ایک مفسدہ تو یہ ہے کہ ایک غریب پر چہار طرف سے ہنگامہ برپا ہوجاتا ہے جس سے اسکی دل شکنی ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ مخاطب کو مجھ سے تو محبت ہے اس لئے اس کو میری ہر بات گوارا ہوگی اور تم سے محبت نہیں اس لئے اس کو ناگواری ہوگی اور ایک تیسری بات ان دونوں سے باریک ہے جس پر بدون غور کے نظر پہنچنا مشکل ہے وہ یہ کہ میری اس میں اہانت ہے اب تو کافی نہیں ہمارے جوڑ لگانے کی ضرورت ہے اور ان ناصح صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ آپ کو بیٹھے بٹھلائے کیوں جوش اٹھا آدمی کو پہلے اپنی فکر چاہئے یہ سب فضول باتیں بے فکری سے ہوتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس طریق کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں اس طریق میں پہلا قدم اپنے کو مٹانا فنا کرنا ہے۔

یہاں پر آنیوالوں کو تو ایسا رہنا چاہئے کہ دوسرا سمجھ ہی نہ سکے کہ کوئی یہاں پر رہتا بھی ہے عرض کیا کہ معاف کیجئے غلطی ہوئی آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی ایسی غلطی نہ

ہوگی فرمایا کہ معافی تو میں کوئی انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں معاف ہے مگر کیا غلطی پر متنبہ بھی نہ کروں ہمیشہ اس کا خیال رکھئے کہ جہاں پر آدمی جائے اول وہاں کے اصول اور قواعد اور آداب معلوم کرے۔ ہر جگہ کے جدا اصول اور قواعد ہوتے ہیں دوسرے آدمی کو نئی جگہ میں بولتے ہوئے ویسے بھی تو حجاب ہوتا ہے خصوصاً میرے یہاں آنیوالوں کو اور رہنے والوں کو تو اس کا مصداق بنکر آنا اور رہنا چاہئے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

ان ہی بدتمیزیوں کی وجہ سے میں ایسے لوگوں سے جن سے بے تکلفی نہ ہو یا بے تکلفی ہو مگر اس شخص میں سلیقہ نہ ہو کوئی خدمت نہیں لیتا اس لئے کہ اس حالت میں بجائے راحت کے تکلیف ہوتی ہے اب پنکھا ہی ہے اس کو کھینچنے میں بعض بد تمیزی کرتے ہیں مشین بنجاتے ہیں اس کا بھی خیال نہیں کرتے کہ مجلس سے کوئی اٹھ رہا ہے اس کے سر میں لگ جاویگا کچھ پروا نہیں اور میں تو عین مواخذہ کی حالت میں بھی مخاطب کی رعایت رکھتا ہوں کہ اس کی اہانت نہ ہو ذلت نہ ہو اور اہانت تو وہ کریگا جو اپنے کو اس سے افضل خیال کرتا ہو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ عین مواخذہ کے وقت بھی میں اسی کو اپنے سے افضل اور بہتر سمجھتا ہوں اور اسوقت اسکا استحضار ہوتا ہے کہ معلوم نہیں خدا تعالی کے نزدیک بوجہ نیت کے اس کی بات پسند ہو اور میری ناپسند ہو اسوقت مجھ پر خوف کا غلبہ ہوتا ہے ڈرتا رہتا ہوں تو بھلا ایسا شخص کیا کسی کی دل سے اہانت کرسکتا ہے یا اس کو ذلیل سمجھ سکتا ہے۔

اب رہا یہ شبہ کہ عتاب کی حالت میں معتوب کو ذلیل نہ سمجھے یہ دونوں چیزیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں تو بعض اکابر نے اس کی ایک عجیب مثال فرمائی ہے کہ کسی شہزادے کے کسی جرم پر بادشاہ بھنگی کو حکم دے کہ اس کے بید لگاؤ تو عین بید لگانے کے وقت کیا بھنگی اپنے کو شہزادے سے افضل سمجھے گا ہرگز نہیں یہ ہی سمجھے گا کہ شہزادہ شہزادہ ہی ہے میں بیچارہ بھنگی میرا کیا وجود اور کیا ہستی مگر چونکہ بادشاہ کا حکم ہے

اس فرض کو پورا کر رہا ہے اور یہ خیال بھی لازم حال ہے کہ اگر حکم کے خلاف ہاتھ ہلکا بھی پڑا تو کہیں اسکی جگہ میں نہ رکھا جاؤں ان دونوں کو جمع کرنیکی مثال اس سے زیادہ واضح دوسری نہیں ہوسکتی اسی طرح واللہ کبھی وسوسہ بھی میرے قلب میں اس کی اہانت کا نہیں ہوتا اسی کو افضل سمجھتا ہوں مگر چونکہ حکم ہے اس لئے کہنے کی بات کہتا ہوں اصلاح کا کام سپرد ہو گیا ہے اس لئے ضروری بات نہ کہنے کو خیانت سمجھتا ہوں حضرت مولانا دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق اظہر من الشمس ہیں مگر اخیر میں سنا ہے کہ، حضرت بعض لوگوں کے متعلق یہ رائے ظاہر فرما دیتے تھے کہ ایسے متکبرین کا علاج تھانہ بھون، ہوسکتا ہے۔

ہمارے مجمع میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری بے انتہا خلیق تھے ان کا اخلاق کی یہ حالت تھی کہ جو کسی نے دوا بتائی کھالی بعض دفعہ اس سے تکلیف بھی ہوجاتی لیکن اگر وہ، شخص پوچھتا ہے کہ حضرت کو دوا نے نفع دیا فرماتے بڑا فائدہ ہوا اور میری حالت یہ ہے کہ اکثر طبیب بھی آتے رہتے ہیں اگر وہ کسی موقع پر مجھ سے کسی دوا کے استعمال کو کہتے ہیں تو میرا معمول ہے کہ میں صاف کہدیتا ہوں کہ میرے معالج فلاں حکیم صاحب ہیں آپ ان کو مشورہ دیجئے میں ان کے کہنے، سے کھالوں گا آپ کے کہنے سے نہیں کھاؤں گا۔

غرض مجھ سے ان کے اخلاق بدرجہا بڑھے ہوئے تھے، لیکن باوجود اس کے اخیر میں جب حضرت مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور اسمیں بھی لوگوں نے چین نہیں دیا تب فرمایا کہ واقعی اشرف علی کے ضوابط اور قواعد کی سخت ضرورت ہے یہ مقولہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا ہے خود پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ ایک خانصاحب آپ کی خدمت میں اکثر دوپہر کے وقت آیا کرتے وہی وقت، حضرت کے آرام کا ہوتا تھا مگر ان کی وجہ سے دوپہر میں بیٹھے رہتے اور کبھی منع نہیں فرمایا ایک روز حافظ محمد

ضامن صاحب نے دیکھ لیا فرمایا کہ خانصاحب رات بھر تو جورو کی بغل میں پڑے سوتے رہتے ہو اور اللہ..... والے رات کو جاگتے ہیں یہ دو پہر کو قیلولہ کر لیتے ہیں اسمیں بھی آ کر تم مخل ہوتے ہو خبردار جو کبھی دو پہر میں آئے جب خانصاحب کا آنا بند ہوا مگر حضرت نے اپنی زبان سے کبھی منع نہیں فرمایا مگر باوجود ان اخلاق کے اب حضرت کی رائے کا واقعہ یہ ہے کہ مولوی ظفر احمد حضرت، مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہیں انہوں نے ایک روز حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعاء کر دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں حضرت نے فرمایا کہ صاحب نسبت تو ہو مگر اصلاح کی ضرورت ہے لیکن اگر اصلاح کراؤ تو اپنے ماموں سے کرانا اس سے میں مراد ہوں تو دنیا میں رہنے والوں کی اور آخرت میں دیکھنے والوں کی سب بزرگوں کی، رائے یہاں کے قواعد اور ضوابط اور اصول کے نافع ہونے پر متفق ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۳، ص ۲۲۷)

اِصلاح المخبوط بالقول المضبوط

یعنی گورنمنٹ سے ڈرنے کا الزام اور اس کا جواب

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل تو ایسی گڑ بڑ ہو رہی ہے کہ اہل علم تک غلط مسائل بتانے لگے اور احکام شرعیہ میں تحریف کرنے لگے۔ فرمایا کہ جی ہاں بے سری فوج ایسی ہی ہوا کرتی ہے ہر شخص آزاد ہے کوئی سر پر تو ہے نہیں جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے' احکام شریعت کو اپنے اغراض و مقاصد کا آلہ کار بنا رکھا ہے۔ یہ سب خرابیاں قلب میں خدا کی خشیت نہ ہونے سے ہو رہی ہیں۔ عرض کیا کہ بتلانے اور سمجھانے پر یہ جواب دیتے ہیں کہ تم پرانے خیال کے ہو اب وہ زمانہ نہیں رہا' اب زمانہ ترقی کا ہے' فرمایا کہ پرانی تو بہت چیزیں ہیں ان کو بھی چھوڑ دینا چاہیے' زمین بھی پرانی ہے' آسمان بھی پرانا ہے اور اس میں جو ستارے ہیں مثلاً چاند ہے سورج ہے یہ بھی پرانے ہیں' ان سے بھی انتفاع نہیں کرنا چاہیے۔

خواجہ صاحب نے ایک مسٹر کی بے پردگی کی حمایت پر ایک رسالہ نظم میں لکھا ہے اس کا نام مسٹر اور ملا کی نوک جھونک ہے اس میں کچھ اشعار مسٹر نے پرانی ہی باتوں کی تحقیر پر لکھے ہیں۔ خواجہ صاحب نے ان اشعار کا خوب جواب دیا ہے وہ اشعار مجھ کو یاد نہیں' بڑے مزے کے اشعار ہیں۔ (احقر جامع عرض کرتا ہے کہ مسٹر کے بعد وہ اشعار جن میں پرانے لوگوں کی اور پرانی دلیلوں کی تحقیر کی ہے یہ ہیں:

پرانی یہ دلیلیں ہیں نہیں ان میں اثر باقی

نہ ہونا دیکھ اب اس راہ میں سرگرم جولانی
مرے مردوں کو سونے دے نہ قبریں کھود اب انکی
ہوئی مدت کہ رخصت ہوچکا دنیا سے خاقانی

اس کے جواب میں خواجہ صاحب کے اشعار حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

پرانی جو دلیلیں تھیں نہ سمجھا تھا اثر جن میں
نئی تیری دلیلوں پر انہیں سے پھر گیا پانی
پرانوں کی ذرا تو سوچ کر تحقیر کر مسٹر
پرانے تو بہت سے ہیں نہیں صرف ایک خاقانی
پرانا تیرا پردادا پرانی تیری پردادی
پرانا تیرا پرنانا پرانی تیری پرنانی
پرانے چاولوں کو پا نہیں سکتے نئے چاول
پکالے ان سے خشکہ پک نہیں سکتی ہے بریانی
جو ہے ایسی ہی نفرت ہر پرانی چیز سے تجھ کو
نہ اس دنیا میں بھی رہ بنا اک عالم ثانی

(احقر جامع ۱۲منہ) کہتے ہیں یہ ترقی کا زمانہ ہے تو گویا سلف سے اس وقت تک تنزل ہی رہا نالائقوں کو خبر نہیں کہ مسلمانوں کی اصل ترقی کیا ہے۔ دوسری قوموں کی ترقی کو اپنی ترقی کا بھی معیار سمجھنے لگے اگر ملک اور مال جاہ ثروت ہی...... ترقی کا معیار ہیں تو پھر شداد نمرود فرعون ہامان قارون تو انبیاء علیہم السلام سے بھی بہت زیادہ ترقی یافتہ تھے خدا معلوم ان بدفہموں کی عقلوں کو کیا ہوگیا' سمجھتے ہی نہیں ارے مسلمانوں کی ترقی کا معیار ہے دین اگر دین درست ہے اور اللہ راضی ہے یہ ان کی ترقی ہے اور اگر دین درست نہیں اور اللہ ناراض ہے تو تنزل ہے آخر کفر اور اسلام میں فرق ہی کیا ہوا' ہاں اگر دین کے ہوتے ہوئے دنیا بھی تمہارے پاس ہو تو کون منع کرتا

ہے بلکہ اس کی وجہ سے اشاعت دین تبلیغ دین میں امداد ملے گی پھر وہ دنیا دنیا ہی نہ ہوگی بلکہ عین دین ہوگا۔ فرمایا کہاں تک بیان کروں اہل علم ہی کی بدولت عوام زیادہ گمراہی میں پھنسے۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں وہ ہر بونگ مچایا کہ الامان الحفیظ نہ احکام کی پرواہ نہ حدود کی رعایت جو جی میں آیا کیا جو منہ میں آیا بکا' مجھ پر ہی قسم قسم کے بہتان باندھے گئے' الزام لگائے گئے ایک صاحب نے میری نسبت میرے ایک دوست سے کہا کہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔ انہوں نے کہا اس سے تو معلوم ہو گیا کہ اس کو گورنمنٹ سے خوف تو نہیں ورنہ تنخواہ دینے کی کیا ضرورت تھی ہاں طمع ہے تو اس کا بہت سہل علاج یہ ہے کہ گورنمنٹ تین سو روپیہ ماہوار دیتی ہے تم پانچ سو روپیہ دے کر دیکھو۔ جب طمع ہی ٹھہری تو تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔ ایک مولوی صاحب سے سوال کیا گیا کہ سچ سچ جیسا زبان سے کہہ رہے ہو ایسا ہی دل میں بھی سمجھتے ہو کہ حاشا وکلا پوچھا گیا کہ پھر کیوں ایسا کہتے ہو تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اپنی آواز کو زور دار بنانے کیلئے یہ صاحب عالم تھے' واعظ تھے اور دین اور دیانت کی یہ کیفیت ذرا غور کیا جائے یہ بھی اس زمانہ میں کہا گیا کہ ان کے چھوٹے بھائی سی آئی ڈی میں ہیں۔ انہوں نے ڈرا رکھا ہے کسی کو کیا خبر وہ خود نہیں ڈرے وہ مجھے کیا ڈراتے' ایک وقت میں میری نسبت یہ بھی شہرت دی گئی کہ وہ بھی خلافت میں شریک ہو گیا تو ان بھائی سے ایک بہت ذمہ دار حاکم نے پوچھا کہ معلوم ہوا کہ وہ بھی خلافت میں شریک ہو گئے اس کی کیا اصل ہے۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ نفی کرتے جو مطابق واقع کے بھی تھی اور حاکم کی خوشنودی کی مؤجب بھی تھی جواب میں یہ کہا کہ ہو گئے ہوں گے ان کی علیحدگی کسی دنیوی مصلحت سے نہیں تھی' دین کی مصلحت سے تھی اگر دین کی مصلحت شرکت میں سمجھی ہوگی تو شریک ہو گئے ہوں گے وہ مذہبی آدمی ہیں یہ جواب دیا سو وہ مجھ کو کیا ڈراتے' جب خود ہی نہیں ڈرے اور میں تو کہتا ہوں کہ اپنے ضروری مصالح پر نظر کر کے اگر کوئی خطرات سے احتیاط بھی کر لے اور اہل قدرت

سے ڈرے تو وہ ایسا ہے جیسے شیر سے سب ڈرتے ہیں۔ میرے متعلق یہ کہنا کہ گورنمنٹ سے ڈرتا ہے بھائی میں تو سانپ سے بھی ڈرتا ہوں' بچھو سے بھی ڈرتا ہوں حتیٰ کہ بھڑ' مچھر اور پسو سے بھی ڈرتا ہوں جتنی چیزیں موذی ہیں سب سے ڈرتا ہوں تو حکام کی زد سے نہ ڈرنے کے کیا معنی اور یہ تو ایک فطری چیز ہے جو چیزیں ڈرنے کی ہیں ان سے ڈرنا ہی چاہیے اور ہر ڈر نہ نقص ہے اور نہ مذموم بلکہ بعض موقع پر اس کا عکس نقص ہوگا یہ تو عقل کی بات ہے اور عقل کا اقتضاء ہے کہ ہر چیز اپنی حد پر رہے ورنہ بے حس سمجھا جائے گا جیسے ایک شخص تندرست ہے اس کے تو کوئی سوئی چبھو کر دیکھے تو مزا آجائے اور ایک مفلوج ہے اس کے اگر چاقو بھی جسم میں گھونپ دیا جائے اس کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اب آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اس میں بہادری اور عدم بہادری کی کیا بات ہوئی۔ ایک میں حس ہے ایک بے حس ہے۔

حضرت امور طبعیہ فطریہ وہ چیزیں ہیں کہ انبیاء علیہم السلام جو سب سے زیادہ قوی القلب تھے ان پر بھی ان کا اثر ہوتا تھا۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو ارشاد فرمایا ہے ان میں صریح دلالت ہے کہ ایسی چیزوں سے انبیاء علیہم السلام بھی متاثر ہوتے تھے میں ان واقعات کو عرض کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے:

اذهبا الٰی فرعون انه طغی فقولا له قولا لینا لعله یتذکر اویخشٰی

دونوں عرض کرتے ہیں: "**قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغٰی**" اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "**قال لاتخافا اننی معکما اسمع و اریٰ**" اور سنئے موسیٰ علیہ السلام اژدھا سے طبعاً ڈرے یہ واقعہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

والق عصاک فلما راٰها تهتز کانها جان ولی مدبراً
ولم یعقب یموسٰی لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "یموسیٰ اقبل ولا تخف انک من الآمنین"
ایک اور واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے جب موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی سے عصا کو زمین پر ڈالتے ہیں تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن جاتا ہے اس پر حکم ہوتا ہے:

خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ

پکڑو ڈرو نہیں اور ایک واقعہ مذکور ہے کہ جب جادوگروں نے اپنا جادو شروع کیا اور سانپ بننے شروع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ خواہ خوف کا سبب کچھ ہی ہو جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لاتخف انک انت الاعلیٰ

غرض جو چیزیں ڈرنے کی ہیں ان سے ڈرو اور جو نہ ڈرنے کی ہیں ان سے مت ڈرو اور بالکل خوف نہ ہونا نقص ہے فطرتی کمی ہے کمال یہی ہے کہ خوف بھی ہو اور قوت بھی ہو اور امور طبعیہ کا اثر ہونے میں بڑی حکمتیں ہیں سب میں بڑی حکمت تو یہ ہے کہ انسان کو اپنا عجز اور ضعف معلوم ہو کر شان عبدیت کا استحضار رہتا ہے جو روح ہے تمام مجاہدات اور ریاضات کی ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ زمانہ غدر میں شریک جنگ ہوئے۔ اول مرتبہ جو بندوق چلی ثقات نے بیان کیا کہ بیہوش ہو گئے اس کے بعد تلوار لے کر خود لڑے سو یہ کوئی نقص کی بات نہیں طبعی بات ہے عقلی بات جو تھی وہ یہ کہ جنگ میں شرکت کی اس میں خوف نہیں ہوا دوسری مثال سنئے مثلاً حکم ہے کہ طاعون سے بھاگنا جائز نہیں آگے دو صورتیں ہیں ایک تو طبعی خوف ہے اس سے اگر وحشت دہشت کے زوال کی تدابیر کرے یا مبتلاء ہو کر علاج کرے جائز ہے بلکہ علاج کرنا ضروری ہے دوسرا عقلی خوف ہے وہ مذموم ہے کہ وہاں سے بھاگے امور طبعیہ کے وجود و عدم کا مدار ایمان یا کفر پر نہیں اس میں سب شریک ہیں۔

اب اگر کوئی شخص کہنے لگے کہ میں شیر سے نہیں ڈرتا تو یہ کوئی بہادری کی شرط نہیں بہادری یہی ہے کہ گو ڈرے بھی مگر جب موقع آ جائے تو مقابلہ کرے ساتھ ہی بچنے کی

تدبیر کرے اور اگر عدم خوف مطلقاً کمال ہے تو اگر کوئی کہنے لگے کہ میں خدا سے نہیں ڈرتا تو کیا یہ عقل کی بات ہوگی یا بیوقوفی کی ظاہر ہے کہ محض بے وقوفی ہے جیسے ایک بہادر قوم کے ایک بزرگ جنگل میں رہا کرتے تھے۔ کچھ لوگ زیارت کو گئے ان میں سے ایک نے کہا جنگل میں رہتے ہیں شیر بھیڑیوں سے ضرور ڈر لگتا ہوگا' وہ بزرگ جواب میں فرماتے ہیں کہ شیر بھیڑیوں سے تو میں کیا ڈرتا' میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں۔ ایک اور اسی قوم کے ایک بزرگ کی حکایت ہے ان کے معتقد ان کی تعریف کررہے تھے۔ دوسرے شخص نے کہا یا تو وہ اس قوم کے نہ ہوں گے یا بزرگ نہ ہوں گے۔ معتقد نے کہا کہ ان میں دونوں وصف جمع ہیں اس نے کہا چلو امتحان کریں چنانچہ وہاں پہنچے جا کر ادب سے سلام کیا' مصافحہ کیا' بیٹھ گئے' وہ غیر معتقد شخص بولا کہ دو تین روز ہوئے ایک عجیب واقعہ ہوا' کسی جولاہا سے اس قوم کے ایک شخص کی لڑائی ہوگئی' جولاہا نے اس شخص کو خوب پیٹا یہ کہنا تھا کہ وہ بزرگ بگڑ گئے اور غصہ میں فرمایا کہ سسرا وہ شخص اس قوم کا نہ ہوگا جو جولاہا کے ہاتھ سے پٹ گیا' بھلے مانس نے ظالم غیر ظالم کا بھی سوال نہ کیا' علی الاطلاق حکم لگا دیا تو صاحب اگر یہی بہادری ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی بہادری سے پناہ دے' غرض ہر شے اپنے محل پر محمود ہوتی ہے' بہادری بھی احتیاط بھی خوف بھی عدم خوف بھی تو ہر جگہ یہ الزام دینا کہ فلاں شخص ڈر گیا' محض بے اصول الزام ہے حقیقت کو سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲، صفحہ ۱۷۴)

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

11

نسائیات

یعنی مسلمان خواتین کے متعلق

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل

پردہ کے شرعی احکام

(تین اہم رسائل کا مجموعہ)

ثبات الستور لذوات الخذور..... (1)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ، کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں پردہ مروجہ کے متعلق ''الانصار'' دیوبند کے

ایڈیٹر صاحب کے سوالات کا شرعی جواب ہے۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! یہ مجموعہ جو اس وقت آپ کے سامنے پیش خدمت ہے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین اہم رسائل پر مشتمل ہے، ان رسائل میں پردہ کے شرعی احکام سے متعلق کافی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔

۱۔ پہلے رسالہ کا نام "ثبات الستور لذوات الخدور" ہے۔ اس میں عورتوں کے مروجہ پردہ سے متعلق چند ضروری مسائل پر شریعت کا حکم واضح کیا گیا ہے، اسی ضمن میں ان علمی شبہات کا بھی ازالہ ہو گیا ہے جو اکثر حضرات کو پیش آتے ہیں۔

۲۔ دوسرے رسالہ کا نام "القول الصواب فی تحقیق مسألۃ الحجاب" ہے اس میں قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پردہ کا حکم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پردے کی صورت، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لباس اور حجاب کی کیفیت اور موجودہ دور میں پردہ کا شرعی دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسرے رسالہ کا نام "القاء السکینۃ فی تحقیق ابداء الزینۃ" ہے۔ جس میں حضرت قدس سرہ العزیز نے آیت حجاب پر ایک علمی اشکال کا مفصل جواب تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالے کی مشکل علمی زبان کے پیش نظر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی رحمہ اللہ نے تسہیل فرمائی جو حاشیہ پر درج ہے۔ اُمید ہے کہ اہل علم اور عامۃ المسلمین کما حقہٗ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

تمہید

جناب ایڈیٹر صاحب ''الانصار'' دیوبند نے عورتوں کے پردہ مروجہ کے متعلق ایک سوال حضرت حکیم الامت تھانوی دام ظلہم کی خدمت میں بھیجا تھا تا کہ اس کے متعلق شریعت کا حکم معلوم کیا جاوے۔ چناں چہ حضرت نے اس کا جواب نہایت جامع ومدلل تحریر فرما کر ارسال فرمادیا تھا جو ''الانصار'' مورخہ ۲۴ جون ۲۸ء میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ اُس جواب کو دیکھ کر بعض خیر خواہانِ دین کی خواہش ہوئی کہ اس کی تسہیل شرح سے ہو جائے تو بہتر ہے، کیوں کہ عام طور پر دین اور علوم دین سے اس قدر بے تعلقی ہو گئی ہے کہ مضامین دینیہ کا سمجھنا لوگوں پر بہت ہی مشکل ہو گیا ہے۔ چناں چہ حضرت نے اس کو منظور فرمایا اور برادرِ مکرم مولوی ظفر احمد صاحب کو تسہیل کا امر فرمایا۔ چناں چہ برادر ممدوح نے نہایت خوبی کے ساتھ اس جواب کی تسہیل فرمادی اور اصل جواب میں بھی حضرت نے جا بجا اضافہ ضروری فرمایا، اور اس کے ساتھ ایک تتمہ ایک ضمیمہ بھی ملحق فرمایا اور اصل جواب کا نام "ثباث الستور لذوات الخدور" رکھا اور اس کی تسہیل کا نام "القول المیسور فی تسهیل ثبات الستور" تجویز فرمایا۔

اب علی الترتیب اول ایڈیٹر صاحب ''الانصار'' کا سوال اور پھر بطور متن کے اصل جواب اور اس کے نیچے بطور شرح کے اس نقل کی جاتی ہے جس سے امید ہے کہ طالب حق کی تو تسلی ہو جاوے گی، ہاں جو لوگ ایک رائے قائم کر چکے ہیں اور دین سے بے تعلقی اختیار کر چکے ہیں اور حیاوشرم کو بالائے طاق رکھ چکے ہیں ان کے لیے ایسے ایسے ہزاروں رسالے بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

امید ہے کہ اس پوری تحریر کو نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے اور پردہ جو مستورات کیلئے مایہ ناز اور محافظِ عصمت ہے اس میں کمی فرما کر خسر الدنیا و الآخرة کا مصداق نہ بنیں گے۔

والسلام احقر مدیر

ثبات الستور لذوات الخدور

مشتمل بر اصل سوال و جواب

سوال: حضرت مولانا دام ظلکم العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاجِ اقدس۔ چند سوالات بھیجتا ہوں امید ہے کہ جناب ان کے جوابات سے مشرف فرمائیں گے۔

ا۔ پنجاب میں شریف عورتیں بلا استثنا برقعہ اوڑھ کر پیدل یا تانگہ میں سوار ہو کر رشتہ داروں سے ملنے یا دوسری دینی و دنیاوی ضرورتوں سے بے تکلف باہر جاتی ہیں، اسے وہاں کوئی معیوب نہیں سمجھتا، کیوں کہ وہاں پردہ کا مفہوم یہی ہے کہ عورت اپنا چہرہ ،جسم اور زینت غیر محرموں سے مخفی رکھے۔ اور وہاں شُرفا و اراذِل میں مابہ الامتیاز چیز یہی ہے کہ ادنیٰ طبقہ کی عورتیں کھلے چہرے پھرتی ہیں، شریف خواتین برقعہ اوڑھ کر جاتی ہیں، غرض پردہ مروجہ شرفائے پنجاب شرعی پردہ کہلاسکتا ہے یانہیں؟ اگر نہیں تو ان کے پردہ میں شرعی محذور وقباحت کیا ہے؟

۲۔ یہاں دیو بند میں دیکھا گیا ہے کہ شریف عورتیں نقاب وتستّر کے ساتھ باہر نکلنا بھی معیوب خیال کرتی ہیں اور اس سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ کیا مسلمات ایسے پردے کی مامور ہیں یا چہرہ اور جسم چھپا کر باہر نکلنے کی اجازت ہے؟

۳۔ اگر ہر جوان عورت کے لیے غیر محرموں سے چہرہ چھپانا واجب اور ضروری ہے تو گھر کی خادمائیں اور باندیاں جو زرخرید نہیں ہوتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یانہیں؟ بصورت اول استثنا کی شرعی دلیل کیا ہے؟

بصورت ثانی گھر کے مرد جوان کے چہروں کی طرف بلا تکلف دیکھتے اور ان سے ہم کلام ہوتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

۴۔ بعض گھروں میں جوان یا بڈھے مرد کام کاج کے لیے نوکر رکھے جاتے ہیں، اگر کسی فتنہ کا خوف نہ ہو تو گھر کی مستورات کا اُن کے سامنے چہرہ کھولنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

۵۔ سیاہ فام بدصورت جوان عورت جس کے چہرہ کھولنے میں کسی فتنہ کا خوف نہیں اگر وہ چہرہ نہ چھپائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

۶۔ کسی سلیم الفطرت، مامون عن الشہوۃ جوان آدمی کا کسی غیر محرم خوبصورت جوان عورت سے بلا ضرورت شدید ہم کلام ہونا اور گفتگو کرتے ہوئے بلا شہوت اس کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی عدم جواب کی دلیل کیا ہے؟ یہ بات پیش نہادِ خاطر اطہر رہے کہ بعض صحابیات کھلے چہرے کے ساتھ حضور سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے حاضر ہوتی تھیں اور خاکسار کو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کبھی انہیں پردہ کا حکم دیا ہو۔

۷۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت حجاب صرف اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے نازل ہوئی تھی، عامۃ المسلمات اس حکم میں داخل نہیں ہیں، کیا یہ خیال صحیح ہے؟

والسلام خاکسار ابوالقاسم ۸ جون

جواب منجانب حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی

اول ایک مقدمہ عرض کرتا ہوں پھر ہر ہر سوال کا جواب عرض کروں گا۔ مقدمہ یہ ہے کہ مسلمہ، حرہ، مراہقہ یا بالغہ، شابہ یا عجوز کے ستر عن غیر المحارم کے تین درجے ہیں؟

اول: بجز وجہ کفین اور عند البعض بجز قدمین بھی تمام بدن کپڑے سے چھپانا اور یہ درجہ ادنیٰ ہے۔

ثانی: وجہ وکفین وقد مین کو بھی برقع وغیرہ سے چھپانا اور یہ درجہ اوسط ہے۔

ثالث: پسِ دیوار یا پسِ پردہ آڑ میں رہنا اور یہ اعلیٰ درجہ ہے۔

اور یہ تینوں درجے نصوص میں مذکور اور شرعاً مامور بہ ہیں۔ چناں چہ آیت (ولا یبدین زینتھن الاماظھر منھا) وفسر بالوجه والكفين اور حدیث: یا اسماء! ان المراة اذا بلغت المحیض لم تصلح ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھه و کفیه (رواہ ابوداود) میں اول درجہ کا ذکر ہے اور آیت (یدنین علیھن من جلابیبھن) اور (ولا یغرنک ما قاله بعض اھل التلبیس من التعارض بین الاحزاب والنور وتاخر الثانی عن الاول لان التعارض حیث لا یصح الجمع واذ لیس فلیس) اور حدیث: قالت امراة یا رسول اللہ! احدانا لیس لھا جلباب قال : لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا (متفق علیه) اور حدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم ترخی (المراة الازار) شبراً فقالت ام سلمة: اذا تنکشف اقدامھن؟ قال فیرخین ذراعاً (رواہ ابوداود) میں دوسرے درجہ کا ذکر ہے۔ (اسی باب میں یہ حدیث ہے جس کو ابوداود نے کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم میں روایت کیا ہے:

عن قیس بن شماس قال؟ جاء ت امراة الی النبی صلی اللہ علیه واله وسلم یقال لھا : ام خلاد وھی متنقبة تسال عن ابنھا وھو مقتول ، فقال لھا بعض اصحاب النبی صلی اللہ علی واله وسلم جئت تسالین عن ابنک وانت متنقبة؟ فقالت: ان ارزا ابنی فلن ارزا حیائی. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم ابنک له اجر شھیدین ، قالت: ولم ذاک یا رسول اللہ ؟ قال لانه قتله اھل الکتاب)) اور آیت (وقرن فی بیوتکن) (الاحزاب: ۳۳) اور آیت (واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن

من وراء حجاب) (الاحزاب:۵۳) اور آیت (لا تخر جوهن من بيوتهن ولا يخرجن) (الطلاق: ۱) اور حدیث قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم (لام سلمة و ميمونة) احتجبامنه (اى من ابن ام مكتوم) فقلت : يا رسول الله ! اليس هو اعمى لا يبصرنا ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم : افعميا وان انتما ؟ الستما تبصرا نه؟ (رواه احمد والترمذی وابو داود) اور حدیث ثم قال لسودة بنت زمعة: احتجبی منه لما رای من شبهه بعتبة اور حدیث المراة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان (رواہ الترمذی) میں تیسرے درجہ کا ذکر ہے۔ تو ان نصوص سے ان سب درجوں کا مامور بہ اور واجب ہونا ثابت ہو گیا۔ البتہ ان میں اتنا تفاوت ہے کہ درجہ اولیٰ کا وجوب لذاتہ ہے اور ثانیہ وثالثہ کا وجوب لغیرہ، مگر یہ تفاوت اشتراکِ وجوب کو مضر نہیں جیسا فرضِ علمی وفرضِ عملی میں درجہ کا تفاوت ہوتا ہے مگر نفس فرضیت دونوں میں مشترک ہے۔ اور چوں کہ درجہ اولیٰ کا وجوب لذاتہ ہے کسی عارض کے سبب نہیں اس لیے اس کا حکم شواب وعجائز سب کے لیے عام ہے۔ یعنی بجز وجہ وکفین کے کسی حصہ بدن سر وغیرہ کا کشف اجنبی کے روبرو عجائز کو بھی جائز نہیں۔ اور درجہ ثانیہ وثالثہ کا وجوب چوں کہ لغیرہ ہے اس لیے یہ وجوب اس غیر کے ساتھ دائر ہوگا اور وہ غیر احتمال فتنہ ہے۔ يدل عليه قوله عليه السلام استشر فها الشيطان. الحديث. وقوله تعالىٰ : (فيطمع الذى فى قلبه مرض) (الاحزاب:۳۲)۔ پس محل فتنہ میں تو ان دو درجوں کا وجوب ہوگا اور غیر محل فتنہ میں ان کا وجوب نہ ہوگا، اور اس محل فتنہ کی تعیین ہماری رائے پر نہیں رکھی گئی، بلکہ اس کا فیصلہ بھی خود ہی فرما دیا گیا۔

چناں چہ ارشاد ہے: (والقواعد من النساء التى لا يرجون نكاحا فليس عليهن جناح ان يضعن ثيابهن غير متبرجات بزينة وان يستعففن خير لهن) (النور:۶۰)

جس کا حاصل یہ ہے کہ جو عورتیں سن ایاس کو پہنچ گئی ہوں ان کو اظہار زینت کی تو اجازت نہیں جس کی تفسیر تمام بدن ہے۔ بجز وجہ وکفین کے جیسا دوسری آیت میں ہے: (ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) (النور:۳۱) لیکن اور ثیاب زائدہ جن سے منہ ہاتھ چھپایا جاتا ہے اگر اتار دیں تو گناہ نہیں، لیکن اگر یہ عجائز بھی ان درجوں پر عمل رکھیں تو مستحسن ان کے لیے بھی ہے (وان یستعففن) کا یہی مدلول ہے۔ اور اس آیت نے بتلا دیا کہ اس عارضی یعنی احتمال فتنہ کو صرف عجائز درد (بڑھیا کھوسٹ) ہیں سے منفی قرار دیا گیا ہے غیر عجائز یعنی شواب وکہول سے منفی نہیں ہے بلکہ ان میں وہ عارض ثابت ہے۔ اور جب شارع نے شواب وکہول میں احتمال فتنہ کے وجود کا حکم کر دیا، اب کسی کو اپنی رائے سے اس کی نفی کرنے کا اختیار نہیں، لقولہ تعالیٰ: (وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم) (الاحزاب:۳۶) یہ تو ان درجوں میں تفاوت تھا باعتبار اشتراط وعدم اشتراط احتمال فتنہ کے، کہ درجہ اولیٰ میں احتمال فتنہ شرطِ وجوب نہیں اور درجہ ثانیہ وثالثہ میں شرطِ وجوب ہے۔ اور ایک تفاوت ان میں باعتبار تاثیر ضرورت کے ہے، یعنی نفس استثنا مواقع ضرورت تو سب میں مشترک ہے۔ حدیث بخاری اس کی دلیل ہے:

عن عائشة رضی الله عنھا قالت : خرجت سودة بعد ما ضرب الحجاب لحاجتھا الی قولھا فقالت: یا رسول الله انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر کذا و کذا (یعنی اما والله ما تخفین علینا) فاوحی الله الیه فقال : انه قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن (تفسیر سورۃ الاحزاب)

مگر پھر باہم ان میں یہ تفاوت ہوگا کہ درجہ اول میں جس کا وجوب عام ہے شواب وکہول وعجائز کے لیے اشد ضرورت ہے استثنا ہوگا، مثل تداوی وغیرہ۔ یعنی بدوں ایسی ضرورت کے کشف بدن اجنبی کے روبرو نہ شواب وکہول کو جائز ہوگا نہ عجائز

کو۔ اور درجہ ثانیہ میں جس کا وجوب خاص ہے شواب و کہول کے ساتھ شدید غیر اشد ضرورت میں بھی استثنا ہو جائے گا۔ یعنی اجنبی کے روبرو وجہ وکفین کا کھولنا جائز کو تو جائز ہوگا گو ترک مستحب ہوگا، کما ذکر۔ اور شواب و کہول کو بدوں ضرورت شدیدہ حرام ہوگا۔ فقہاء کا یہ حکم اسی اصل پر ہے: وتمنع الشابة وجوبا عن كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة كذا فی " الدر المختار" وغیره واللفظ للدر اور ضرورت میں جائز ہوگا بشرطیکہ دوسرے موانع نہ پائے جائیں، مثل مس ونظر وخلوت کہ ان سب کی حرمت منصوص ہے اور حدیث لعن الله الناظر والمنظور اليه میں جو منظور الیہ پر لعنت آئی ہے وہ اسی صورت میں ہے جب بلا ضرورت کشف وجہ وغیرہ ہو ورنہ منظور الیہ معذور ہے۔

اور درجہ ثالثہ میں ضرورت غیر شدیدہ میں بھی بشرطیکہ ضرورت کا درجہ باقی رہے (جس کی تفسیر یہ ہے کہ بدوں اس کے کوئی معتد بہ ضرر وحرج لاحق ہو جائے) استثنا ہو جائے گا۔ یعنی تمام بدن چھپا کر برقع کے ساتھ گھر سے نکلنا شواب کہول کے لیے بدوں ایسی ضرورت کے تو ناجائز ہوگا اور ایسی ضرورت میں جائز ہوگا۔ اور دونوں درجوں یعنی درجہ ثانیہ وثالثہ کی رخصت میں چوں کہ احتمال فتنہ کا بھی ہے، گو ضرورت پر نظر کر کے اس کو موجب تنگی نہیں بنایا گیا مگر اس احتمال کا انسداد خاص احکام سے کر دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا: ان المراة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی كذا و كذا يعنی زانية اور مثلاً: ارشاد فرمایا: ولكن ليخرجن وهن تفلات. (ابو داؤد 91/1)

پس خلاصہ ان سب احکام کا یہ ہوا کہ عجوزہ پر درجہ اولیٰ واجب اور ثانیہ وثالثہ مستحب اور ضرورتِ اشد میں اس درجہ واجبہ میں بھی اس کے لیے استثنا ثابت، اور شواب و کہول کے لیے بھی درجہ اولیٰ واجب اور اشد ضرورت کے مواقع کا استثنا بھی ثابت اور درجہ ثانیہ وثالثہ بھی واجب اور غیر اشد ضرورت کے مواقع کا استثنا بھی ثابت۔ یعنی اگر شدید درجہ

کی ضرورت ہوتو وجہ اور کفین کا کشف بھی جائز مع انسداد احتمال مفاسد اور سر اور ساعد اور ساق کھولنا بھی حرام ہوگا اور زیب وزینت کرنا بھی حرام ہوگا اور اگر شدید درجہ سے کم ضرورت ہومگر ضرورت ہو محض خیالی مصلحت نہ ہوتو خروج عن البیت بھی جائز مگر مع تغطیة الوجه والكفين و مع سد المفاسد یعنی وجہ وکفین کھولنا حرام ہوگا۔

اوراسی طرح زینت کے کپڑے پہننا حرام ہوگا۔ والسر فی کون الضرورة فی الدرجة الاولیٰ اشد وفی الثانیة شدیدا وفی الثالثة مطلقة، کون الوجوب فی الاول اکیدا وفی الثانیة اکیدا وفی الثالثة مطلقا، فلا بد من ان یکون المغیر مبنیا للفاعل وهو العذر مماثلا فی القوة للمغیر مبنیا للمفعول وهو الوجوب وهذا ظاهر ، فافهم۔

اس مقام کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی ہے، وہ یہ کہ احکام مذکورہ میں سے جن احکام کا مدار احتمال فتنہ کے وجود و عدم یا ضرورت کے وجود و عدم پر ہے، ان میں اختلاف احوال سے یا ایک ہی حال میں اختلاف اجتہاد سے حکم شرعی مختلف ہوسکتا ہے اور یہ احکام درجہ ثانیہ وثالثہ کے ہیں، کیوں کہ درجہ اولیٰ میں محل فتنہ بھی شرعاً متعین ہے اور ضرورت اشد بھی متعین، اس لیے اجتہاد کا اس میں دخل نہیں، مگر اس کا فیصلہ کرنے کا منصب کہ فتنہ یا ضرورت ہے یا نہیں، ان ہی کو ہے جو فتویٰ کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یعنی جو علم وفہم، تقویٰ واخلاص کے ساتھ متصف ہوں غیر اہل کا قول مسموع نہ ہوگا۔ خصوصاً جس میں ایک شرط بھی اہلیت کی بدرجہ ضعیف بھی نہ ہو اور اس کے مضاد تمام نقائص بدرجہ قوی موجود ہوں، جیسے آج کل کے ماحیان پردہ (جن کی یہ حالت ہے کہ محض انگریزی پڑھ کر یا قرآن کا ترجمہ دیکھ کر یا برائے نام کچھ عربی ادب کی کتابیں پڑھ کر اجتہاد کے مدعی ہو جاتے ہیں) سو وہ تو کس شمار میں ہیں، کما قال تعالیٰ: (هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون) (الزمر:۹)

ثم کما قال الشیرازی رحمه الله:

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اور اس اختلاف احکام کی حقیقت (جس کا ذکر ہورہا ہے) احکام کا زمانہ کے تابع ہونا نہیں ہے جیسے بعض اہل زیغ کا زعم باطل ہے، بلکہ خاص خاص قید کے ساتھ دونوں حکم شرعی ہیں۔ سو وہ اختلاف درحقیقت اس قید کے وجود وعدم وجود میں ہے، جس نے کسی قید کو موجود پایا ایک حکم کردیا جس نے اس کو معدوم پایا دوسرا حکم کردیا۔ اور دونوں حکم شارع ہی کے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ اور یہی اصل مبنی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتوں کے ماذون بحضور مساجد ومصلی ہونے کا اور زمانہ صحابہ میں ممنوع عن الحضور ہونے کا جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد میں ہے:

لو ادرک رسول الله ما احدث النساء لمنعهن کما منعت نساء بنی اسرائیل

(رواہ مسلم) اور جس کی پسندیدگی خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاد میں ہے:

صلاة المراة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها (رواه الطبرانی فی "الاوسط" بسند جید)

اور اس وقت کی ضرورتیں باقتضائے وقت قوی تھیں اور غلبہ صلاح وخوف تعزیر سے فتنہ ضعیف تھا اور بعد میں عکس ہوگیا، جس میں تغیر حالت نساء کو بھی دخل تھا اور یہی معنی ہے فقہائے متاخرین کے اس فتویٰ کا جس میں بعض محارم کو مثل اجانب ٹھہرایا ہے:

ویکره الخلوة بالصهرة الشابة لفساد الزمان، جس کی اجازت خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم ہوتی ہے: "احتجبی منه یا سودة" کما سبق، جس میں محرم شرعی سے احتیاطاً پردہ کا حکم دیا گیا۔

ویتاید هذه الفتویٰ کما "الترغیب" عن عقبة بن عامر رضی الله

عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: ایاکم والدخول علی النساء ، فقال رجل من الانصار: افرایت الحمو؟ قال: الحمو الموت(رواہ البخاری و مسلم الترمذی) ثم قال: ومعنی کراھیۃ الدخول علی النساء علی نحو ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: لا یخلون رجل بامراۃ الا کان ثالثھما الشیطان الحم بفتح الحاء المھملۃ وتخفیف المیم والبات الواو ایضا وبالھمز ایضا ھو ابو الزوج ومن ادلی بہ کالا خ و العم و ابن العم ونحو ھم وھو المراد ھھنا، کذا فسرہ اللیث بن سعد وغیرہ الی قولہ: قال ابو عبید فی معناہ: یعنی فلیمت ولا یفعلن ذلک، فاذا کان ھذا روایۃ فی اب الزوج وھو محرم فکیف بالغریب

اوراسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ نص سے معارضہ نہیں ہے بلکہ بواسطہ علت کے نص ہی کا اتباع اسی قبیل سے ہے:انتھاء الحکم بانتھاء العلۃ جس کا اعتبار سہم مولفۃ القلوب میں کیا گیا ہے۔اور یہی مبنی ہے امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے اختلاف فی حضور المساجد کا: فیکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب منھن لما فیہ من خوف الفتنۃ، ولا باس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء، وھذا عند ابی حنیفۃ وقالا: یخرجن (ای العجائز) فی الصلات کلھا الی اخر ما قال: وعلل کلا القولین بعلتین مختلفتین (الھدایۃ) مقدمہ ختم ہوا۔اوراسی مقدمہ میں تمام سوالوں کا اجمالاً جواب آ گیا،صرف تفصیل تطبیق اور بعض سطحی شبہات کا جواب باقی رہ گیا۔س عرض کرتا ہوں:

جواب سوال اول: اس میں ایک درجہ واجبہ پردہ کا متروک ہوا اور وہ درجہ ثالثہ ہے۔اور بلاضرورت متروک ہوا، کیوں کہ تانگہ پر پردہ چھوڑا جا سکتا ہے۔اوراگر برقع

مزین ہے تو درجہ ثانیہ بھی متروک ہوا، کیوں کہ اس کے جواز کی شرط مفقود ہوئی۔

جوابِ سوال دوم: ایسے پردہ کا مامور بہ ہونا ثابت ہو چکا ہے اور اس کا سقوط ضرورت میں ہوتا ہے۔

جوابِ سوال سوم: کشف وجہ یہ ادنیٰ درجہ کا پردہ ہے جو بضرورت کافی ہے باقی دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے اس کی اجازت نہ ہوگی۔ لعن الله الناظر وارد ہے۔ اور ہم کلامی اگر بضرورت ہے تو **الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ** کی حد کے اندر جائز ہے اور بلا ضرورت حظِ نفس کے لیے حرام ہے۔ اللسان یزنی۔

جوابِ سوال چہارم: کشف وجہ بلا ضرورت حرام ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں، خصوصاً جب کہ غالب بلکہ یقینی ہے کہ سر وغیرہ بھی کھل جاتا ہے۔ بعض اوقات خلوت کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے جو کہ حرام ہے۔

جوابِ سوال پنجم: سیاہ وسفید کے احکام میں شریعت نے فرق نہیں کیا جو کہ ان کو مطلقاً محل فتنہ قرار دیا ہے۔ نیز مشاہد ہے کہ بعض کا یہ مذاق بھی ہے:

اے پیک پے خجستہ چہ نامی فدیت لک ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بدیں نمک

اور مسلّم ہے لکل ساقطة لا قطة یعنی ہر گندہ پزے را گندہ خورے۔

جوابِ سوال ششم: جائز نہیں دلائل مذکور ہو چکے ہیں اور کہیں ثابت نہیں کہ ان صحابیات کا کشف وجہ بلا ضرورت تھا۔ پھر ضرورت میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیسے منع فرماتے خصوص جب کہ آپ عام نصوص میں حکم شرعی ظاہر بھی فرما چکے تو ان کا استثنا مبنی بر ضرورت تھا۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم اُن کی طرف نظر فرماتے تھے، نہ یہ ثابت ہے کہ بے پردگی کی عام عادت تھی۔ احادیث ذیل ملاحظہ ہوں:

۱۔ عن ام عطية قالت: امرنا ان نخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور (الحديث متفق عليه، مشكاة) ذوات الخدور اس مدعا کو بتلا رہا ہے۔

۲. عن عائشة رضی الله عنها قالت: او مت امراة من وراء ستر بیدها کتاب الی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم

(الحدیث رواہ ابو داود و النسائی ، مشکاۃ)

اس میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پردہ درجہ ثالثہ کا کرنا مذکور ہے۔

۳. عن ابی السائب عن ابی سعید الخدری فی قصة الفتی حدیث العهد بعرس فاذا امراته بین البابین قائمة فاهوی الیها بالرمح لیطعنها به و اصابته غیرة الحدیث (رواہ مسلم مشکاۃ)

معلوم ہوتا کہ پردہ کی رسم اس درجہ طبائع میں مرکوز تھی کہ دروازہ پر عورت کو کھڑا دیکھ کر طیش سے بے تاب ہو گئے۔ اور قصہ افک میں خالی ہودج باندھ دینا اور یہ خیال کرنا کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہیں نہایت محکم تائید ہے اس وقت کی ڈولی کی رسم کی اور کہاروں سے بی بی کے نہ بولنے کی۔ ان سب احادیث میں اس زمانہ میں پردہ متعارف کا ہونا مصرّح ہے۔

جواب سوال ہفتم: اول تو یہ دعویٰ محتاج اثبات ہے محض خیال کافی نہیں۔ دوسرے مطلق تخصیص سے تخصیص خاص لازم نہیں آتی، ممکن ہے کہ اس درجہ ثالثہ کا وجوب حضرات ازواج کے لیے لعینہ ہو اوروں کے لیے لغیرہ اور نفس وجوب مشترک ہو۔ نیز ممکن ہے کہ حجاب للاحترام ازواج کے ساتھ خاص ہو اور حجاب لسد المفاسد عام ہو۔ اور علی الاطلاق تخصیص وجوب کا دعویٰ کیسے ہو سکتا ہے جب دلائل سے عموم ثابت ہے کما ذکر۔ نیز جن آیات میں حضرات ازواج کو اس کا خطاب ہے امر تعبدی کے طور پر نہیں بلکہ ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان فرمائی ہے۔

(ذلکم اطهر لقلوبکم و قلوبهن) (الاحزاب:۵۳) اور یہ علت مشترک بلکہ دوسرے محل میں اقویٰ ہے، کیوں کہ حضرات ازواج میں جانبین میں اسباب

مفسدہ کے مفقود ہیں۔ دوسرے محل میں جانبین میں موجود تھے۔ جب علت منصوص ہو گئی تو حکم کے تعدیہ میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ وھذا ظاھر جدا

الحمد للہ! جوابات بقدر ضرورت ختم ہوئے۔ اگر زیادہ بسط مطلوب ہو احقر کا رسالہ "القول الصواب فی تحقیق مسألة الحجاب" اور لطائف رشیدیہ مکتوبہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ مطبوعہ ساڈھورہ ۱۳۳۱ھ میں بالکل اخیر مسئلہ اور رسالہ "قبول الصواب" (جو نو تعلیم یافتگان کے مذاق کے موافق لکھا گیا ہے) ملاحظہ فرمالیا جائے۔ اب ایک تذئیل پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

القول المیسور فی تسھیل ثبات الستور

مشتمل بر ح و تسہیل اصل جواب

مسلمان عورت جو آزاد ہو زرخرید باندی نہ ہو، بالغ ہو چکی ہو یا بالغ ہونے کے قریب ہو، جوان ہو یا بوڑھی اس کے لیے اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے تین درجے ہیں:

ایک یہ کہ بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے اور بعض کے نزدیک بجز پیروں کے بھی باقی تمام بدن کو کپڑے سے چھپایا جائے اور یہ ادنیٰ درجے کا پردہ ہے۔ دوسرے یہ کہ چہرہ اور ہتھیلیوں اور پیروں کو بھی برقع وغیرہ سے چھپایا جائے، یہ درمیانی درجہ کا پردہ ہے۔

تیسرے یہ کہ عورت دیوار یا پردہ کے پیچھے آڑ میں رہے کہ اس کے کپڑوں پر بھی اجنبی مردوں کی نظر نہ پڑے، یہ اعلیٰ درجہ کا پردہ ہے۔ اور یہ تینوں درجے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اور شریعت میں ان کا حکم موجود ہے۔ چناں چہ آیت (ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) (النور ۳۱) اور حدیث یا اسماء! ان المراۃ اذا بلغت المحیض لم تصلح ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ و کفیہ" (رواہ ابوداؤد) میں پہلے درجے کا ذکر ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ

عورتیں اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اُن میں سے (غالبًا) کھلا ہی رہتا ہے جس کی تفسیر حدیث میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے ساتھ کی گئی ہے (کہ ان کا کھولنا ضرورت کی وجہ سے مستثنٰی ہے اور پیروں کو فقہاء نے قیاسًا اس میں داخل کیا ہے)۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو سوا اس کے اور اس کے، اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلی پر اشارہ فرمایا اور کسی عضو کا اجنبی مردوں کے سامنے کھولنا جائز نہیں، اس کو ابوداود نے روایت کیا ہے، اور ایک آیت میں ہے (یدنین علیھن من جلابیبھن) (الاحزاب ۵۹) کہ عورتیں اپنے اوپر چادریں ڈال لیا کریں۔ اور ایک حدیث میں جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے وارد ہے کہ ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو (تو عید کی نماز کو کیوں کر جائے؟) حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی ساتھ والی اس کو اپنی چادر اوڑھادے۔ اور ایک حدیث میں جس کو ابوداود نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنی ازار کو (پنڈلی سے) ایک بالشت نیچے لٹکائے تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اس صورت میں ان کے پیر کھلے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تو ایک ہاتھ لٹکا لیا کرے۔ ان احادیث و آیات میں پردہ کے دوسرے درجہ کا ذکر ہے۔ اور ایک آیت میں ہے: (وقرن فی بیوتکن) (الاحزاب: ۳۳) (اور اے بیبیو! تم اپنے گھروں میں رہا کرو) اور ایک آیت میں ہے (واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب) (الاحزاب ۵۳) (اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز استعمال کے لیے مانگو تو پردہ کی آڑ میں ہو کر مانگو)۔ اور ایک آیت میں ہے: (لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن) (الطلاق: ۱) (اور عورتوں کو اُن کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ وہ خود

نکلیں)۔اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (حضرت اُم سلمہ و میمونہ رضی اللہ عنہن سے) فرمایا کہ ان سے پردہ کرو (یعنی عبداللہ بن ام مکتوم نابینا سے) حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ اندھا نہیں ہے جو ہم کو دیکھ نہیں سکتا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کیا پھر تم بھی اندھی ہو؟ کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟ اس کو امام احمد و ترمذی و ابوداود نے روایت کیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ تم اس سے (یعنی زمعہ کے باندی زادہ سے) پردہ کرو (حالاں کہ آپ نے فیصلہ یہ کیا تھا کہ یہ لڑکا زمعہ ہی کا ہے کیوں کہ اس کی باندی کے بطن سے ہے، مگر حضرت سودہ کا اس سے پردہ کا) اس لیے (حکم دیا) کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت زیادہ پائی (اور عتبہ کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ لڑکا میرا ہے جو قانون شرعی سے رد کردیا گیا تھا۔راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس حکم کے بعد اس لڑکے نے عمر بھر حضرت سودہ کو نہیں دیکھا۔اس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔ اور ایک حدیث میں ہے **المراۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطان** کہ عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (اور اس کے درپے) ہوتا ہے۔اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ان آیات واحادیث میں پردہ کے تیسرے درجہ کا ذکر ہے، ان سب آیات و احادیث سے پردہ کے تینوں درجوں کا واجب و لازم ہونا ثابت ہو گیا ، اور یہ کہ شریعت نے ان سب درجوں کا حکم کیا ہے۔البتہ ان میں اتنا تفاوت ضرور ہے کہ پہلا درجہ اپنی ذات سے واجب ہے اور دوسرا تیسرا درجہ کسی عارض کی وجہ سے واجب ہے، مگر اس تفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان تینوں میں سے کوئی درجہ واجب نہ رہے، بلکہ اس تفاوت کے ساتھ بھی تینوں درجے واجب ہیں، کیوں کہ درجات کے تفاوت

سے نفس وجوب پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا فرض اعتقادی اور فرض عملی میں درجہ کا تفاوت ہوتا ہے، مگر فرض دونوں ہیں اور نفس فرضیت دونوں میں موجود ہے۔ اور چوں کہ پہلا درجہ اپنی ذات سے واجب ہے اس لیے اس کا حکم بھی جوان اور بوڑھی عورتوں سب کو عام ہے۔ یعنی بجز چہرہ اور ہاتھوں کے باقی بدن یا سر کے کسی حصہ کا اجنبی کے سامنے کھولنا بوڑھی عورتوں کو بھی جائز نہیں، اور دوسرے تیسرے درجہ کا پردہ چوں کہ عارض کی وجہ سے واجب ہے اس لیے ان کے واجب ہونے کا مدار اُس عارض ہی پر ہے۔ جہاں وہ عارض موجود ہوگا وہاں یہ درجے واجب ہوں گے اور جہاں عارض موجود نہ ہوگا وہاں یہ درجے بھی واجب نہ ہوں گے۔ اور وہ عارض فتنہ کا اندیشہ ہے جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"**استشرفها الشيطان**" **الحديث** کہ جب عورت باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس کی دلیل ہے (**فيطمع الذى فى قلبه مرض**) (الاحزاب: ۳۲) کہ جس کے دل میں خرابی ہے وہ ہوس کرنے لگے گا۔ رہا یہ کہ فتنہ کا اندیشہ کہاں ہے اور کہاں نہیں؟ اس کی تعیین ہماری رائے پر نہیں رکھی گئی بلکہ قرآن میں اس کا فیصلہ بھی خود ہی فرما دیا گیا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

(**والقواعد من النساء التى لا يرجون نكاحا فليس عليهن جناح ان يضعن ثيابهن غير متبرجات بزينة وان يستعففن خير لهن**)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں (جن سے چہرہ وغیرہ چھپایا جاتا ہے) بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہیں کریں اور اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ جو بوڑھی عورتیں نکاح کے قابل نہیں رہیں ان کو زینت

ظاہر کرنے کی تو اجازت نہیں جس سے مراد تمام بدن ہے، ہاں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت ہے جیسا دوسری آیت میں ہے: (ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) جس کی تفسیر اوپر گذر چکی ہے۔ پس بوڑھی عورتیں اگر ان زائد کپڑوں کو اجنبی کے سامنے اتار دیں جن سے منہ ہاتھ چھپایا جاتا ہے (جیسے برقع و چادر) تو اس میں گناہ نہیں، لیکن اگر یہ بڑی بوڑھی اس سے بھی احتیاط رکھیں اور دوسرے اور تیسرے درجہ کا پردہ اختیار کریں تو مستحب ان کے لیے بھی یہی ہے: (وان یستعففن خیر لھن) کا مطلب یہی ہے۔ اس آیت نے بتلا دیا کہ فتنہ کا اندیشہ صرف ان بوڑھی عورتوں میں موجود نہیں ہے جو نکاح کے قابل نہیں رہیں اور ان کے سوجوان اور ادھیڑ عورتوں سے اندیشہ فتنہ کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ ان میں یہ اندیشہ موجود ہے اور یہی وہ عارض ہے جس پر دوسرے اور تیسرے درجہ کے واجب ہونے کا مدار تھا۔ اور جب شارع نے جوان اور ادھیڑ عورتوں کے بارہ میں یہ حکم کر دیا کہ ان میں فتنہ کا اندیشہ موجود ہے، اب کسی کو اپنی رائے سے یہ کہنے کا اختیار نہیں کہ ان میں فتنہ کا اندیشہ موجود نہیں۔ لقوله تعالیٰ: (وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم) (الاحزاب: ۳۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورتوں کو گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو ان کو اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے (یعنی اختیار باقی نہ رہے گا بلکہ اس پر عمل کرنا ہی واجب ہوتا ہے) یہ تفاوت تو ان درجوں میں احتمال فتنہ کے شرط ہونے اور شرط نہ ہونے کے اعتبار سے تھا کہ پہلے درجہ کے واجب ہونے میں احتمال فتنہ شرط نہیں بلکہ وہ ہر حال میں واجب ہے اور دوسرے اور تیسرے درجہ کے واجب ہونے کے لیے احتمال فتنہ شرط ہے۔ ایک تفاوت ان درجوں میں اور ہے جس کے سمجھنے کے لیے اول اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ پردہ کے ان تینوں

درجوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ضرورت کے مواقع ان سے مستثنیٰ ہیں جس کی دلیل ''بخاری'' کی یہ حدیث ہے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے نکلیں (پھر کچھ قصہ اس کا بیان کر کے فرمایا کہ) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنی ایک حاجت کے لیے باہر نکلی تھی تو مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ایسا کہا (یعنی یوں کہا کہ اے سودہ! خدا کی قسم! تم ہم سے چھپ نہیں سکتیں) مطلب یہ تھا کہ تم کو باہر نہ نکلنا چاہیے، کیوں کہ تم چادر برقع پہن کر بھی کسی سے چھپ نہیں سکتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وحی نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے واسطے نکلنے کی تم کو اجازت دے دی ہے۔ (تفسیر سورۃ الاحزاب) مگر ان تینوں درجوں میں اس اعتبار سے تفاوت ہے کہ کون سی ضرورت کس درجہ میں موثر ہے اور کس درجہ میں موثر نہیں ہے۔ چناں چہ پہلا درجہ جو کہ جوان اور ادھیڑ اور بوڑھی سب عورتوں پر واجب ہے، اس سے بہت سخت مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے، جیسے: علاج معالجہ کی ضرورت۔ یعنی بدوں ایسی سخت ضرورت کے اجنبی کے سامنے بدن کا کھولنا نہ جوان اور ادھیڑ کو جائز ہے نہ بوڑھی عورتوں کو۔ اور دوسرے درجہ سے جو کہ صرف جوان اور ادھیڑ عورتوں پر واجب ہے بوڑھیوں پر واجب نہیں، سخت مجبوری کی صورت میں مستثنیٰ ہے گو بہت سخت مجبوری نہ ہو، یعنی اجنبی مرد کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کا کھولنا بوڑھی عورتوں کو تو جائز ہوگا گو چھپانا ان کو بھی مستحب ہے جیسا پہلے مذکور ہوا۔ اور جوان اور ادھیڑ عورتوں کو بدوں سخت مجبوری کے اجنبی کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا حرام ہوگا۔ چناں چہ فقہاء کا یہ حکم اسی قاعدہ پر مبنی ہے: وتمنع الشابة وجوبا عن كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة، كذا في " الدر المختار"

وغیرہ واللفظ للدر اور جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے وجوب کے درجہ میں منع کیا جائے گا، نہ اس وجہ سے کہ چہرہ ستر بالذات میں داخل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ جوان عورت کے چہرہ کھولنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے (تو ستر للعارض ہوا)۔ یہ ''درمختار'' کے الفاظ ہیں اور یہ مسئلہ فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اور سخت مجبوری کی حالت میں چہرہ اور ہاتھ کا کھولنا جائز ہوگا بشرطیکہ کوئی دوسرا مانع نہ پایا جائے ، جیسے: اجنبی مرد کا اس کو چھونا یا اُس کو چھونا، یا اجنبی مرد کو گھورنا یا اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا ملنا کہ ان سب کی حرمت شریعت سے ثابت ہے۔ اور اس سخت مجبوری کی صورت میں اگر کوئی مرد اس کو گھورنے لگے تو اس سے عورت کو گناہ نہ ہوگا۔ اور حدیث میں جو آیا ہے لعن الله الناظر و المنظور اليه (مشكاة المصابيح ص ۲۲۸) کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے پر بھی لعنت کی ہے اور اس پر بھی جس کو دیکھا جائے، تو یہ لعنت عورت پر اسی صورت میں ہے جب کہ اس نے بدوں سخت مجبوری کے اپنا چہرہ وغیرہ کھولا ہو، ورنہ اگر سخت مجبوری سے اُس نے کھولا اور پھر کسی مرد نے اس کو گھورا تو اس گھورنے سے عورت کو گناہ نہ ہوگا۔ اور تیسرے درجہ میں مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے گو سخت مجبوری یا بہت سخت مجبوری کی صورت نہ ہو مگر مجبوری کا درجہ موجود ہو، اور اس مجبوری کے معنے یہ ہیں کہ اگر گھر سے یا پردہ سے نہ نکلیں تو کوئی غیر معمولی نقصان یا حرج لاحق ہو جائے۔ ایسی ضرورت میں تمام بدن چھپا کر برقع کے ساتھ گھر سے نکلنا جوان اور ادھیڑ عورتوں کے لئے جائز ہوگا، اور بدوں ایسی مجبوری کے برقع کے ساتھ تمام بدن چھپا کر بھی ان کو نکلنا جائز نہ ہوگا۔ اور اس دوسرے اور تیسرے درجہ کے پردہ میں مجبوری اور سخت مجبوری کے وقت جو آسانی کی گئی ہے اس میں چوں کہ فتنہ کا بھی احتمال ہے گو ضرورت پر نظر کر کے آسانی کردی گئی اور تنگی نہیں کی گئی مگر اس احتمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ خاص خاص احکام سے اس کا انسداد بھی کر دیا گیا، مثلاً: عورتوں کو عطر د

خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے ان المراۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا و کذا یعنی زانیۃ عورت جب عطر لگا کر کسی مجلس سے گزرے تو وہ ایسی ویسی ہے، یعنی زانیہ ہے۔ اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور ارشاد فرمایا: ولکن لیخرجن وھن تفلات لیکن عورتوں کو میلے کچیلے کپڑوں میں (ضرورت کے وقت) باہر نکلنا چاہیے۔ (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور اس پر سکوت کیا (صفحہ ۹۱ جلد ۱) پس حدیث حسن ہے)

خلاصہ ان سب احکام کا یہ ہوا کہ بوڑھی عورتوں پر پہلا درجہ تو واجب ہے اور دوسرا تیسرا درجہ مستحب ہے اور بہت سخت مجبوری کی حالت میں پہلے درجہ میں بھی جو کہ واجب ہے کچھ سہولت و وسعت کر دی گئی۔ اور جوان اور ادھیڑ عورتوں کے لیے پہلا درجہ بھی واجب ہے اور بہت سخت مجبوری میں اس میں کچھ سہولت و وسعت بھی ہے۔ اور دوسرا اور تیسرا درجہ بھی ان پر واجب ہے اور بہت سخت مجبوری سے کم درجہ کی مجبوری اور ضرورت کے مواقع میں کچھ سہولت و وسعت بھی ثابت ہے۔ یعنی اگر سخت مجبوری کا درجہ ہو گو بہت سخت مجبوری نہ ہو تو چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا اجنبی کے سامنے ان کو جائز ہے بشرطیکہ فتنہ وفساد کے احتمال کا انسداد بھی کر لیا جائے۔ یعنی سر اور کلائی اور پنڈلی وغیرہ کا کھولنا حرام ہوگا۔ اسی طرح زیب زینت کے ساتھ اجنبی کے سامنے آنا حرام ہوگا، اور سخت مجبوری کے درجہ سے کم ضرورت ہو مگر مجبوری متحقق ہو محض خیالی مصلحت نہ ہو تو اس صورت میں برقع کے ساتھ گھر سے باہر نکلنا جوان عورت اور ادھیڑ عورت کو جائز ہے مگر چہرہ اور ہاتھوں کا کھولنا حرام ہوگا، اسی طرح زیب وزینت کے کپڑے پہن کر نکلنا حرام ہوگا۔

والسر (اس عبارت کی تسہیل نہیں کی گئی کیوں کہ اس میں دلیل کا ذکر ہے جس سے عوام کو تعلق نہیں) فی کون الضرورۃ فی الدرجۃ الاولی اشد فی الثانیۃ

شديدا وفي الثالثة مطلقة كون الوجوب في الاولى اكدا وفي الثانية اكيدا وفي الثالثة مطلقا، فلا بد من ان يكون المغير مبنيا للفاعل وهو العلر مماثلا في القوة للمغير مبنياً للمعفول وهو الوجوب وهذا ظاهر، فافهم.

اس مقام کے متعلق ایک ضروری بات قابل اطلاع یہ ہے کہ اوپر جو احکام مذکور ہوئے ہیں، ان میں سے جن احکام کا مدار اندیشہ فساد وفتنہ کے ہونے یا نہ ہونے پر ہے اُن میں حالات کے بدلنے سے یا ایک ہی حالت میں رائے کے اختلاف سے حکم شرعی بدل سکتا ہے (اور اس قسم کے احکام دوسرے اور تیسرے درجہ کے پردے میں ہیں، کیوں کہ پہلے درجہ میں تو شریعت ہی نے خود اس کی تعیین کردی ہے کہ فتنہ کا اندیشہ کہاں ہے اور ضرورت کا درجہ کون سا ہے، اس میں کسی کی رائے اور فہم کا کوئی دخل نہیں) مگر جن احکام میں رائے اور فہم کو دخل بھی ہے ان میں اس کا فیصلہ کرنے کا حق کہ فتنہ کا اندیشہ ہے یا نہیں اور ضرورت کا تحقق ہے یا نہیں؟ ان ہی کو ہے جن میں فتویٰ دینے کی لیاقت وقابلیت موجود ہو۔ یعنی جن میں علم دین اور تقویٰ واخلاص موجود ہو اور اس کے ساتھ ان کی رائے اور فہم بھی صحیح ہو، نااہلوں کی بات اس بارہ میں ہرگز نہ سنی جائے گی۔

خاص کر ایسے نااہلوں کی جن میں قابلیت کی ایک شرط بھی کسی کمزور درجہ میں بھی نہ پائی جائے بلکہ برعکس اس کے نام اہلیت کی تمام شرطیں قوی درجہ میں موجود ہوں، جیسا کہ اس وقت جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں اور اس رسم کو مٹانا چاہتے ہیں وہ سب اسی قسم کے ہیں جن کی لیاقت کی حالت یہ ہے کہ محض انگریزی پڑھ کر قرآن کا ترجمہ دیکھ کر یا برائے نام عربی ادب کی چند کتابیں پڑھ کر اجتہاد کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ سو یہ تو کسی شمار میں بھی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون) (الزمر: ۹)

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی (کہیں) برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جیسا

کہ عارف شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجا ست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اور حالات کے بدلنے یا رائے کے بدلنے سے جو احکام بدل جاتے ہیں اس کے یہ معنے نہیں کہ احکام شرعیہ زمانہ اور وقت کے تابع ہیں جیسا بعض نادانوں کا خیال ہے، بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع نے خاص قید کے ساتھ حکم کو بیان کیا تھا کہ اگر یہ قید پائی جاوے تو یہ حکم ہے نہ پائی جاوے تو دوسرا حکم ہے۔

اب حالات یا رائے کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ اس قید کے وجود یا عدم میں اختلاف ہے۔ جس نے قید کو موجود پایا ایک حکم کر دیا جس نے اس قید کو موجود نہ پایا دوسرا حکم کر دیا اور یہ دونوں حکم دراصل شارع ہی کے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کے لیے مساجد اور عید گاہ میں جانے کی اجازت کا اور صحابہ کے زمانہ میں اس سے ممانعت ہو جانے کا مدار اسی قاعدہ پر ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ما احدث النساء بعدہ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل (رواہ مسلم)

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس حالت کا مشاہدہ فرما لیتے جو عورتوں نے آپ کے بعد اختیار کی ہے تو یقیناً آپ ان کو (مساجد و عید گاہ میں جانے سے) روک دیتے، جیسا بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی (اپنے اخیر وقت میں) عورتوں کے لیے اسی کو پسند فرمایا اور اسی کی ترغیب دی ہے (کہ وہ نماز کے لیے مسجدوں میں نہ جایا کریں) چناں چہ ارشاد ہے:

صلاۃ المراۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا و صلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا (رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند جید) کہ عورت کا گھر کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر کے اندر پڑھنے سے افضل ہے (اس کو طبرانی نے اوسط میں سند جید سے روایت کیا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صرف ترغیب پر اکتفا فرمایا، سختی کے ساتھ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہیں روکا کیوں کہ) اس وقت عورتوں کو باہر نکلنے کی ضرورتیں زیادہ تھیں اور عام طبائع میں نیکی کا غلبہ اور سزا کا خوف ایسا تھا جس کی وجہ سے فتنہ وفساد کا احتمال کمزور تھا اور بعد میں عام طور پر حالت بدل گئی جس میں عورتوں کی حالت بدلنے کو بھی خاص دخل تھا۔ اور اسی قاعدہ پر فقہائے (پچھلے زمانہ کے علماء) متاخرین کا یہ فتویٰ بنی ہے جس میں انہوں نے بعض محرموں کو نامحرموں کی مثل ٹھہرایا ہے: ویکرہ الخلوۃ بالصھرۃ الشابۃ لفساد الزمان کہ جوان ساس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے۔

اور اس احتیاط کی اجازت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس ارشاد سے سمجھ میں آتی ہے: احتجبی منه یا سودۃ! جیسا کہ اوپر گذر چکا جس میں بطور احتیاط کے شرعی محرم سے پردہ کا حکم ہے (کیوں کہ وہ باندی زادہ شرعاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا) ویتاید ھذہ الفتوی بما فی "الترغیب" (اس عبارت کی تسہیل نہیں کی گئی کیوں کہ عوام کو اس کی ضرورت نہیں)

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم قال: ایا کم والدخول علی النساء، فقال رجل من الانصار: افرایت الحمو؟ قال: الحمو الموت (رواہ البخاری و مسلم و الترمذی) ثم قال: ومعنی کراھۃ الدخول علی النساء علی نحو ماروی عن النبی

صلی الله علیه واله وسلم قال : لا یخلون رجل بامراة الا کان ثالثهما الشیطان الحم بفتح الحاء المهملة وتخفیف المیم و الهات الواو ایضا وبالهمز ایضا هو ابو الزوج ومن ادلی به کالا خ والعم وابن العم ونحوهم، وهو المرادههنا، کذا فسره اللیث بن سعد.

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ فقہاء کا یہ فتویٰ نص کا مقابلہ اور حکم شرعی کی مخالفت نہیں بلکہ حکم کی علت پر نظر کر کے اس فتویٰ میں نص ہی کا اتباع کیا گیا ہے۔ اور اسی کی نظیر فقہاء کا یہ قاعدہ ہے کہ علت کے ختم ہو جانے سے حکم بھی ختم ہو جاتا ہے، جس کا اعتبار مولفۃ القلوب کے بارہ میں کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں بعض مال دار نو مسلموں کو باوجود مال دار ہونے کے محض دل جوئی کی غرض سے زکوۃ وغیرہ میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا، کیوں کہ اب ان مال داروں کی دل داری اور دل جوئی کی ضرورت باقی نہیں رہی جب کہ ان کے دل میں اسلام مضبوط ہو گیا۔

اور اسی قاعدہ پر امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا یہ اختلاف مبنی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے بوڑھی عورتوں کے لیے صرف صبح اور مغرب وعشاء کے وقت مسجد میں آنے کی اجازت دی ہے اور صاحبین رحمہا اللہ نے پانچوں وقت آنے کی اجازت دی ہے اور ہر ایک کے قول کی جدا علت بیان کی گئی ہے اور جوان یا ادھیڑ عورتوں کے لیے بالاتفاق سب اوقات میں ممانعت ہے۔ ملاحظہ ہو (ہدایہ)۔

مقدمہ ختم ہوا اور اسی مقدمہ میں اجمالی طور سے تمام سوالوں کا جواب بھی آ گیا ۔اب صرف اتنا کام رہ گیا کہ تفصیل کے ساتھ ہر سوال کے جواب کو اس پر منطبق کر کے دکھلا دیا جائے اور بعض سطحی شبہات کا جواب دے دیا جائے جو سرسری نظر میں واقع ہو سکتے ہیں۔ سو اس کو بھی عرض کرتا ہوں۔

جواب سوال اول: یہ صورت جائز نہیں، کیوں کہ اس میں پردہ کا ایک درجہ جو واجب تھا فوت ہو گیا وارودہ تیسرا درجہ ہے اور اس کو بلا ضرورت چھوڑا گیا، کیوں کہ تانگہ پر پردہ ڈال کر بھی تو نکل سکتی ہیں (پھر محض برقع پر کیوں کفایت کی گئی) اور اگر برقع بھڑک دار ہے تو دوسرا درجہ بھی فوت ہوا، کیوں کہ جن صورتوں میں برقع کے ساتھ نکلنے کی اجازت ہے اُن میں یہ شرط ہے کہ زیب وزینت کے لباس میں نہ نکلیں۔

جواب سوال دوم: ہاں مسلمان عورتوں کو ایسا ہی پردہ کرنا چاہیے، کیوں کہ ایسے پردے کا حکم شریعت میں ثابت ہو چکا ہے جیسا اوپر گذرا، جس میں صرف ضرورت کے وقت کچھ آسانی اور وسعت ہو جاتی ہے۔

جواب سوال سوم: تمام بدن کو چھپا کر صرف چہرہ کھول کر نامحرموں کے سامنے (خادمہ کا) آنا یہ ادنیٰ درجہ کا پردہ ہے جو ضرورت اور مجبوری کے وقت کافی ہے۔ باقی (گھر کے مردوں کو اس حالت میں خادمہ کے چہرہ کے طرف) دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے اس کی اجازت نہ ہوگی۔ (حدیث میں) لعن اللہ الناظر وارد ہے (کہ خدا تعالیٰ نے دیکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے، یعنی جو بلا ضرورت نامحرم کو دیکھے) اور بات چیت اگر ضرورت سے ہے تو ضرورت کی حد تک جائز ہے اور بلا ضرورت لذت نفسانی کے لیے بات چیت کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے: اللسان یمنی کہ زبان بھی زنا کرتی ہے (اس کو ایک طویل حدیث میں بخاری و مسلم نے روایت کی ہے۔

جواب سوال چہارم: نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنا عورت کو حرام ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ خصوصاً جب کہ اس صورت میں غالباً بلکہ یقینی یہ ہے کہ عورتیں (سر وغیرہ کے چھپانے کا بھی اہتمام نہیں کرتیں اور ان نوکروں کے سامنے) کھلے سر پھرتی ہیں اور بعض دفعہ خلوت وتنہائی کی بھی نوبت آجاتی ہے جو کہ حرام ہے (اس لیے یہ صورت بھی جائز نہیں)۔

جواب سوال پنجم: سیاہ وسفید کے احکام میں شریعت نے کوئی فرق نہیں کیا بلکہ

جوان عورت کو ہر حال میں محل فتنہ قرار دیا ہے، اس لیے سیاہ فام بدصورت عورت کو بھی بلاضرورت چہرہ کھولنا حرام ہے۔ نیز مشاہدہ یہ ہے کہ بعض لوگ سیاہ فام عورتوں کو گوری عورتوں سے زیادہ پسند کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اے پیک پے خجستہ چہ نامی فدیت لک

ہر گز سیاہ چہرہ ندیدم بدیں نمک

اور یہ بات مسلم ہے **لکل ساقطة لا قطة** کہ ہر گری پڑی چیز کے لیے کوئی اٹھانے والا ضرور ہوتا ہے۔

جواب سوال ششم: (سلیم الفطرت، نیک دل، پاک باز مرد کو بھی اجنبی جوان عورت سے بدوں سخت مجبوری کے بات چیت کرنا اور بدوں شہوت و بدنیتی کے اس کے چہرہ کی طرف دیکھنا) جائز نہیں، دلیلیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ صحابہ کی عورتوں کا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے سامنے) چہرہ کھولنا بلاضرورت تھا (بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے تھا) پھر ضرورت کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کو کیسے منع فرماتے، خصوصاً جب کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حکم شرعی کو عام طور پر اپنے ارشادات میں ظاہر بھی فرما چکے تھے تو اس کے بعد بعض عورتوں کا چہرہ کھول کر آپ کے سامنے آنا (یقیناً) ضرورت کی وجہ سے تھا۔ اور یہ بھی ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اُن کی طرف قصداً نظر فرماتے تھے، اور نہ یہ ثابت ہے کہ اس وقت بے پردگی کی عام طور سے عادت تھی۔ چناں چہ یہ احادیث ملاحظہ ہوں:

ا۔ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ عید کے دن حیض والی عورتوں اور پردہ میں بیٹھنے والیوں کو بھی (عیدگاہ میں) لے جائیں۔ الحدیث، اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس میں ذوات الخدور کا لفظ (جس کے معنی پردہ میں بیٹھنے والیاں ہیں) اس دعویٰ کو ثابت

کررہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں بے پردگی کی عام عادت نہ تھی۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے ایک خط دینے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ الحدیث۔ اس کو ابوداود ونسائی نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ) اس میں عورتوں کا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تیسرے درجہ کا (گہرا) پردہ کرنا مذکور ہے۔

۳۔ ابوالسائب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک نوجوان (صحابی) کے قصہ میں جس کی شادی کو کچھ ہی دن گذرے تھے روایت کرتے ہیں کہ (وہ جواب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا) تو اس کی بی بی دروازہ پر کواڑوں کے بیچ میں کھڑی ہووی تھی، نوجوان نے اپنا نیزہ اس کی طرف سیدھا کیا تا کہ اس پر حملہ کرے اور جوش غیرت سے بے تاب ہوگیا۔ الحدیث۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی رسم اُس زمانہ کے لوگوں کی طبیعتوں میں ایسی جمی ہوئی تھی کہ نوجوان صحابی دروازہ پر اپنی بی بی کو کھڑا دیکھ کر طیش سے بے تاب ہوگئے۔ اور قصہ افک میں (جس میں منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا بہتان لگایا تھا) صحابی کا خالی ہودج (ہودہ) کا اونٹ پر باندھ دینا اور یہ خیال کرنا کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہیں نہایت مضبوط تائید ہے۔

اس وقت کی ڈولی کی رسم کی اور کہاروں سے بی بی کے نہ بولنے کی (ورنہ ہودج باندھنے والوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی سے شبہ ہوتا کہ شاید ہودج خالی ہے) ان سب احادیث میں صاف تصریح ہے کہ اُس زمانہ میں ویسا ہی پردہ تھا جیسا آج کل ہمارے اطراف کے شرفا کی عورتوں میں رواج ہے۔

جواب سوال ہفتم: اول تو یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے (بدوں دلیل کے) محض خیال کافی نہیں۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حکم امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے

ساتھ خاص ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہر جہت سے ان کے ساتھ خاص ہے، بلکہ ممکن ہے کہ پردہ کا تیسرا درجہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں تو اپنی ذات سے واجب ہو اور عام مسلمان عورتوں کے حق میں عارض کی وجہ سے واجب ہو۔ اس صورت میں یہ درجہ واجب ہونے میں تو سب کے لیے برابر ہوگا صرف حیثیت کا فرق ہوگا۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس پردہ کے واجب ہونے کی علتیں مختلف ہوں: ایک یہ کہ محض عزت واحترام کی وجہ سے واجب ہو، یہ تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج کے ساتھ خاص ہو، دوسرے یہ کہ فتنہ وفساد کا دروازہ بند کرنے کے لیے واجب ہو، یہ سب عورتوں کے لیے عام ہو۔ اور علی الاطلاق یہ دعویٰ کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ پردہ کا تیسرا درجہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج کے ساتھ خاص ہے جب کہ دلائل سے اس کا عام طور پر واجب ہونا ثابت ہو چکا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

پھر جن آیتوں میں حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس پردہ کا حکم دیا گیا ہے، ان میں حق تعالیٰ نے حکم کے ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان فرمائی ہے اور وہ علت یہ ہے: (ذلکم اطهر لقلوبکم و قلوبهن) (الاحزاب:۵۳) (کہ یہ پردہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے) اور یہ علت سب میں مشترک ہے بلکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سوا دوسری عورتوں میں اس کی ضرورت زیادہ ہے ۔ کیونکہ حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں تو دونوں طرف فتنہ وفساد کے اسباب موجود نہ تھے اور دوسری عورتوں میں دونوں طرف ایسے اسباب معدوم نہ تھے اور جب حکم کے ساتھ اس کی علت بھی مذکور ہو تو حکم کا مدار علت پر ہوگا۔ جہاں علت موجود ہوگی وہاں حکم بھی ضرور ہوگا اور یہ بات بہت ظاہر ہے تو اب یہ حکم ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ کیوں کر خاص ہوسکتا ہے۔

الحمدللہ! بقدر ضرورت جوابات ختم ہو گئے۔ اگر زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو تو

حضرت مولانا صاحب دام ظلہم کا رسالہ " القول الصواب فی تحقیق مسالة الحجاب" اور " لطائف رشیدیه" مولفہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ مطبوعہ ساڈھورہ ۱۳۳۱ھ میں بالکل اخیر کا مسئلہ اور رسالہ " قبول الصواب " (جو نو تعلیم یافتگان کے مذاق کے موافق لکھا گیا ہے ملاحظہ فرمایا جائے) اب ایک بات بطور تذئیل کے عرض کر کے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

تمت الرسالة الملقبة بالقول الميسور

تذئیل

(اس تتمہ میں جو حدیثیں مذکور ہیں ان کا ترجمہ مولوی ظفر احمد صاحب کی طرف سے ہے۔) اگر اس وقت بے پردگی یا کم پردگی کی اجازت دی جائے قطع نظر ترک واجب کے جس کا بدلیل اثبات ہو چکا ہے، یقینی بات ہے کہ چند روز میں اس کی ایسی نوبت پہنچ جائے گی جس کی ان حامیان پردہ کو بھی کہیں برائے نام گنجائش نہ ملے گی۔

پھر یہ حامیان پردہ میں داخل ہو کر انتظام کرنا چاہیں گے اور ان کے قابو سے نکل جائے گا اور پچھتائیں گے۔ واللہ اعلم !

کتبہ اشرف علی عفی عنہ یوم الجمعہ ۲۶ ذی الحجہ ۴۶ھ

تتمہ تذئیل

قولہ: ترکہ واجب الخ۔ اقول: اس واجب کا مصداق نفس پردہ ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور واجبات بھی پردہ کے متعلق متروک ہوں گے جو (احادیث میں منصوص نہیں، مثلاً: ا۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ عورتیں بدون سخت مجبوری کے نہ نکلیں گی۔ کیونکہ اس صورت میں بے پردگی یا کم مائیگی میں ان کو گھر بیٹھنے کی عادت تو

متروک ہو جائے گی ۲ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ نکلنے کے بعد وہ سڑک کے کناروں پر دبی دبی چلیں گی وسط پر نہ چلیں، یہ دونوں امر اس حدیث میں مذکور ہیں۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ الی قولہ ولیس لھن نصیب فی الطرق الا الحواشی رواہ الطبرانی فی " الکبیر" (یہاں سے ختم تک کی عبارت کی تسہیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورتوں کے لیے (گھر سے) باہر نکلنے میں کچھ حصہ نہیں مگر یہ کہ مجبور و مضطر ہوں، (اسی حدیث میں یہ بھی ہے) عورتوں کے لیے راستوں میں (چلنے کا) کوئی حق نہیں سوائے کناروں کے۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔

۳۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ جب پردہ نہ رہا اور باہر بھی مردوں سے اختلاط ہونے لگا تو پھر وہ بغیر اذن شوہر کے کسی کو گھر میں نہ آنے دیں گی۔

۴۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ اس حالت اعتیاد بے پردگی میں وہ باہر نکلنے کے لیے ہمیشہ شوہر سے اذن ضرور ہی لیا کریں گی۔ یہ دونوں امر اس حدیث میں مذکور ہیں:

عن معاذ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم : لا یحل لامراۃ تومن باللہ والیوم الاخر ان تاذن فی بیت زوجھا الا باذنہ ولا تخرج وھو کارہ ولا تطیع فیہ احدا، رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک والبیھقی فی السنن

حضرت معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی

ہو یہ جائز نہیں کہ اپنے شوہر کے گھر میں بدوں اس کی اجازت کے کسی کو آنے دے، نیز عورت کو شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے باہر نکلنا بھی جائز نہیں اور اس بارے میں کسی کی اطاعت بھی جائز نہیں۔ اس کو طبرانی نے ''کبیر'' اور حاکم نے ''مستدرک'' میں اور بیہقی نے ''سنن'' میں روایت کیا ہے۔

۵۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا جب دل کھل گیا تو وہ قصداً کسی اجنبی کو نہ دیکھیں گی۔

۶۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ ان کو کوئی اجنبی نہ دیکھے گا یہ دونوں امر اس حدیث میں مذکور ہیں:

عن علی رضی الله عنه انه کان عند النبی صلی الله علیه واله وسلم فقال : ای شیٔ خیر للمراة ؟ فسکتوا ، قال : فلما رجعت قلت لفاطمة رضی الله عنها : ای شیء خیر للنساء ؟ قالت : لا یرین الرجال ولا یرونهن فذکرت ذلک للنبی صلی الله علیه واله وسلم فقال: انما فاطمة بضعة منی ، رواه البزار والدار قطنی فی الافراد

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم (سب سے دریافت) فرمایا کہ (بتلاؤ) عورت کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ اس پر صحابہ خاموش ہو گئے (اور کسی نے جواب نہ دیا)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورتوں کے لیے سب سے بہتر کیا بات ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں نہ مرد اُن کو دیکھیں۔

میں نے یہ جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: فاطمہ میری لخت جگر ہے (اس لیے وہ خوب سمجھیں)۔ اس کو بزار نے (مسند میں) اور دار قطنی نے افراد میں روایت کیا ہے۔

۷۔اس کا کیا انتظام ہوسکے گا کہ اس حالت میں ان کو دیکھ کر اجنبی مردوں کے دل میں شیطانی وسوسے نہ آویں جن کا انسداداب کامل پردہ سے ہورہا ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے: **عن جابر قال : قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ان المراة تقبل فى صورة شيطان وتدبر فى صورة شيطان رواه مسلم**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے۔اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

۸۔اس کا کیا انتظام ہوسکے گا کہ ناگہانی نظر پڑنے کے بعد فوراً نظر کو ہٹا دیا جاوے گا اور کامل پردہ میں تو دوبارہ نظر کا قصد ہی نہیں ہوتا۔یہ اس حدیث میں مذکور ہے:

عن جرير بن عبدالله رضى الله عنه قال : سالت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم عن نظر الفجائة، فامرنى ان اصرف بصرى ، رواه مسلم

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق (حکم دریافت کیا تو مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا کہ (فوراً) نظر کو اٹھا لو۔اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

۹۔اس کا کیا انتظام ہوگا کہ غیر محرم سے بلاضرورت اور بے تکلف باتیں نہ کیا کریں گی اور بضرورت بات کرنے کے لیے شوہر سے اجازت لیا کریں گی، کیوں کہ اب تو پردہ کے سبب تکثیر کلام کی نوبت نہیں آتی اس لیے قلیل کا انتظام آسان ہے اور خود طبیعت میں بھی خجلت غالب ہے،اس کا ذکر ان حدیثوں میں ہے:

عن عمر قال:نهى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ان تكلم النساء الا باذن ازواجهن رواه الطبرانى فى " الكبير" وعن الحسن مرسلا قال : بلغنى ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال: لا

تحدثن من الرجال الا محرما ، رواه ابن سعد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عورتوں سے بدوں شوہروں کی اجازت کے بات چیت کی جائے۔ اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے اور حسن (بصری) سے مرسلاً روایت ہے وہ کہتے ہیں: مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں اپنے محرموں کے سوا اور مردوں سے بات نہ کریں۔ اس کو ابن سعد نے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ بالخصوص شوہر کے اقارب کو بے تکلف آمدورفت اور خلاملا سے روکا جا سکے گا۔ اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عن عقبة بن عامر قال : قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم : اياكم والدخول على النساء فقال : يارسول الله! ارايت الحمو؟ قال: الحمو الموت (رواہ البخاری ومسلم)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو! کسی نے کہا: یارسول اللہ! شوہر کے بھائی (یا باپ وغیرہ) کا کیا حکم ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: شوہر کا بھائی (باپ وغیرہ) تو موت ہے۔ اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ اس بے تکلف اختلاط اور ارتباط میں کبھی خلوت کا موقع پیش نہ آوے گا۔ اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عن عمر عن النبى صلى الله عليه واله وسلم لا يخلون رجل بامراة الا كان ثالثهما الشيطان رواه الترمذى

(من جريدة "الانصار" الخامس المحرم ۴۷ هجرى)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے

فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں ملتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(یہ روایات اخبار "الانصار" بابت ۵ محرم ۴۷ ہجری سے ماخوذ تھیں)۔

۱۲۔اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ اجنبی کے ہاتھ سے ان کا ہاتھ نہ لگ سکے گا۔ اس کا ذکر ان حدیثوں میں ہے۔

عن ابی هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فی حديث طويل اليد زناها البطش، الحديث رواه مسلم ، وعن معقل بن يسار رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لان يطعن فی راس احدكم بمخيط من حديد خير له من ان يمس امراة لا تحل له ، رواه الطبرانی والبيهقی ورجال الطبرانی ثقات رجال الصحيح

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ کا زنا (نامحرم) کو پکڑنا ہے۔الحدیث اس کو مسلم (اور بخاری) نے روایت کیا ہے اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی چبھو دی جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں۔اس کو طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کے راوی ثقات ہیں صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں ۔ یہ تو آخرت کی مضرتیں ہیں اور دنیا میں اس مس سے کبھی حرمت مصاہرت بھی لازم آ جاتی ہے جس سے عمر بھر کے لیے بی بی حرام ہو جاتی ہے۔

۱۳۔اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ اس حالت میں عورتیں زیب و زینت سے نکلیں گی اور میلی کچیلی نکلنے کو ذلت سمجھیں گی۔اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: بينما رسول الله صلى الله عليه

واله وسلم جالس فى المسجد اذ دخلت امراة من مزينة ترفل فى زينة لها فى المسجد فقال النبى صلى الله عليه واله وسلم ايها الناس! انهوا نساء كم عن لبس لزينة والتبختر فى المسجد فان بنى اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نساؤهم الزينة وتبخترن فى المساجد ، رواه ابن ماجه ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

وہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک عورت قبیلہ مزینہ کی زیب وزینت کے لباس میں مٹکتی ہوئی مسجد میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہن کر مسجد (وغیرہ) میں مٹکنے سے روکو، کیوں کہ بنی اسرائیل پر اس وقت تک لعنت نہیں کی گئی جب تک ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہن کر مسجدوں (وغیرہ) میں مٹکنا اختیار نہیں کیا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

۱۴۔ اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ عورتیں باہر نکلنے کے وقت عطر وغیرہ نہ لگاویں گی۔ اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عن ابى موسىٰ رضى الله عنه قال النبى ايما امراة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا ريحها فهى زانية وكل عين زانية ، رواه النسائى ابن خزيمة وابن حبان فى صحيحهما، ورواه الحاكم ايضا وقال : صحيح الاسناد (من الترغيب و الترهيب للمنذرى)

ابوموسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے: جو عورت عطر لگا کر مردوں کے پاس سے گزرے تا کہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں وہ عورت زنا کار ہے اور ہر آنکھ (جو اس کو دیکھے) زنا کار ہے۔ اس کو نسائی نے (سنن میں) اور ابن خزیمہ وابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے بھی

(مستدرک میں) روایت کیا ہے اور کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

(یہ سب روایات "ترغیب وترہیب" منذری سے ماخوذ ہیں)۔

۱۵۔ اور اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ چہرہ اور کفین (ہتھیلیاں) کھولنے کی حالت میں سر اور ساعد (کلائی) اور حلقوم (گلا) وغیرہ بالکل مستور (چھپا ہوا) رہے گا ۔اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عن اسماء قال النبی صلی الله علیه واله وسلم : یا اسماء ! ان المراة اذا بلغت المحیض لم تصلح ان یری منها الا هذا وهذا ، واشار الی وجهه و کفیه رواه ابو داود، وقد مر الحدیث فی اصل التقریر مع درجة هذا الستر)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو یہ جائز نہیں کہ مرد اُس کے کسی عضو کو دیکھیں سوا اس کے اور اس کے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا (کہ بس ان دونوں کا کھولنا جائز ہے)۔ اس کو ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اصل جواب میں بھی گزر چکی اور وہاں اس پردہ کا درجہ بھی بتلا دیا گیا ہے۔

۱۶۔ اور اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ شوہر جب عورت کو ان حدود سے ذرا نکلتا دیکھے گا تو وہ بالالتزام وبدوام اس کو زجر کیا کرے گا ورنہ دیوث کی وعید میں داخل ہو گا۔ اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عن عمار بن یاسر رضی الله عنه: ثلاثة لا یدخلون الجنة ابدا الدیوث والرجلة من النساء ومدمن الخمر، قالوا: فما الدیوث؟ قال: الذی لا یبالی من دخل علی اهله ، الکبیر مطولا.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخص کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے، دیوث، اور مردانی شکل بنانے والی عورتیں، اور ہمیشہ شراب پینے والا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ دیوث کون ہے؟ فرمایا جس کو اس کی پروانہ ہو کہ اس کی گھر والیوں کے پاس کون آتا ہے کون جاتا ہے؟ اس کو طبرانی نے ''کبیر'' میں طول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۷۔ اور اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ جب مردوں اور عورتوں میں خلا ملا ہو جاوے گا تو کبھی ایسا موقع نہ ہوگا کہ مرد عورتوں کے درمیان چلنے لگے۔ اس کا ذکر اس حدیث میں ہے: **ابن عمر نهى النبي صلى الله عليه واله وسلم ان يمشي الرجل بين المراتين ، لابي داود (من جمع الفوائد)**

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مرد کو دو عورتوں کے درمیان میں چلنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو ابوداود نے روایت کیا ہے (یہ سب روایات جمع الفوائد سے ماخوذ ہیں)۔

۱۸۔ اور اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ ان کے چلنے میں زیور کی آواز مطلقاً پیدا نہ ہوگی۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

(ولا يضربن بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن (النور: ۳۱)

اور عورتیں اپنے پیروں کو (زمین پر) نہ ماریں تا کہ (مردوں کو) اُن کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔......۱۹۔ اور اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ باہر نکلنے کے وقت عورتیں مردانہ جوتے نہ پہنیں گی اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

وعن ابي مليكة قال: قيل لعائشة : ان امراة تلبس النعل؟ قالت : لعن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم الرجلة من النساء ، رواه ابو داود (من المشكاة)

ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا

گیا کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مردانی شکل بنانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس کو ابوداود نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

۲۰۔ اور اس کا کیا انتظام ہو سکے گا کہ عورت کبھی بدوں محرم کے سفر نہ کرے گی جس کی ممانعت کی احادیث مشہور ہیں۔

تمت التتمة

رفعِ اشتباہ

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہدِ مبارک پر اس زمانہ کا قیاس صحیح نہیں ، نہ مرد ویسے رہے نہ عورتیں ویسی رہیں، نہ باعتبار حالات کے نہ باعتبار خیالات کے، نہ ضرورتیں اُس درجہ کی رہیں اور نہ حدود و تعزیرات باقی رہے جو مفاسد محتملہ کے مانع و قامع تھے۔ ایسے ہی قیاس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

فرعِ انتباہ

ان مذکورہ بے انتظامیوں اور بے احتیاطیوں کی حالت میں جو کہ تتمہ میں مذکور ہیں اور ان حالات و خیالات کے تفاوت میں جو کہ رفعِ اشتباہ میں مذکور ہیں، خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ تعلیم حال بھی مجتمع ہو جاوے کہ اس وقت اس کی بھی کوشش کی جا رہی ہے اور جس کے لیے آزادی و بیبا کی لازم یقینی ہے۔ سو اس مجموعی فضا میں جب کہ عورتیں اس شعر کا مصداق ہو جاویں گی:

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش آتش ما تیز می کنی

اور مرد اس شعر کا مصداق ہو جاویں گے:

ملحد گرسنہ درخانہ خالی برخواں
عقل باور نہ کند کز رمضان اندیشد

پھر مصلحین کا قوم سے حفظ عفت کی فرمائش کرنا (جس کی ضرورت کا انکار نہیں ہو سکتا) بالکل اس شعر کا مصداق ہوگا:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کتبہ اشرف علی بعد نصف اشهر من کتابة الاصل

ضمیمہ

اس میں تین جزو ہیں: اول کے دو مضمون بعنوان تفریع (بالفاء) وتقریع (بالقاف) اس احقر کے ہیں جس کو رسالہ **"قبول الصواب فی شمول الحجاب"** پر (جو کہ مبحث پردہ پر ایک نو تعلیم یافتہ کا جدید روشنی والوں کے مذاق کے موافق لکھا ہوا ہے) بطور تائید کے لکھا تھا اور ایک مضمون مولوی حبیب احمد صاحب کا جو ایک اخباری مشورہ کا جواب ہے فتوٰی بالا کے مناسب ہونے کے سبب اُس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے۔

جزو اول تفریع نقلی وشرعی: جو آیات واحادیث اوپر گزری ہیں اور اُن سے جو اصول مستنبط ہوئے جن کا حاصل سدباب فتنہ ہے، ان کی بنا پر فقہائے اسلام نے جو کہ حکمائے اُمت ہیں جو فتاوٰی ارشاد فرمائے ہیں ان میں سے بعض کو نمونہ کے طور پر نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ عورت کا جہری نماز میں پکار کر قرأت کرنا جائز نہیں۔

۲۔ عورت کا حج میں لبیک پکار کر کہنا جائز نہیں۔

۳۔ اگر عورت مقتدی ہو (مثلاً: اپنے زوج یا محرم کے پیچھے گھر میں نماز پڑھ رہی ہے) اور امام کو کچھ سہو ہو گیا تو عورت کو زبان سے بتلانا جائز نہیں، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار دے تا کہ امام اس کو سن کر سمجھ جاوے کہ میں کچھ بھولا ہوں اور پھر سوچ کر یاد کر لے۔

۴۔ جوان عورت کا نامحرم مرد کو سلام کرنا جائز نہیں۔

۵۔ جب قرات بالجہر وتلبیہ بالجہر اور سہو امام کے وقت سبحان اللہ کہہ دینا جیسا مرد مقتدی کہہ دیتا ہے اور سلام جائز نہیں تو بلا ضرورت کلام کرنا یا اشعار سنانا یا خط وکتابت کرنا جو کہ کلام سے زیادہ جذبات کو ہیجان میں لانے والا ہے یا اخباروں میں مضمون دینا جیسا کہ اس وقت متعارف ہے کہ اپنا پتا اور نشان بھی لکھ دیا جاتا ہے کیسے جائز ہوگا۔

۶۔ اجنبیہ سے بدن دبوانا جائز نہیں۔ ۷۔ تو اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لینا جیسا جاہل یا بے احتیاط پیر بیعت دست بدست کرتے ہیں، کیسے جائز ہوگا۔

۸۔ اجنبیہ کے بدن سے متصل کپڑے پر میلان نفس کے ساتھ نظر کرنا جائز نہیں۔

۹۔ آئینہ یا پانی پر جو اجنبیہ کا عکس پڑتا ہو اس کا دیکھنا جائز نہیں، اس بنا پر اس کا فوٹو دیکھنا جائز نہیں۔ ۱۰۔ اجنبی مرد کے سامنے کا بچا ہوا طعام عورت کو کھانا یا بالعکس اگر نفس کو اس میں لذت ہو مکروہ ہے۔

۱۱۔ رضاعی بھائی اور داماد اور اسی طرح شوہر کا بیٹا (گو یہ سب محارم ہیں) مگر فتنہ زمانہ پر نظر کر کے اُن سے مثل نامحرم کے پردہ کرنا ضروری ہے۔

۱۲۔ عورت کے بال اور ناخن گو بدن سے جدا ہو گئے ہوں ان کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ اجنبی عورت کے تذکرے سے نفس کو لذت دینا جائز نہیں۔

۱۴۔ اجنبیہ کے تصور سے لذت لینا حرام ہے۔

۱۵۔ حتیٰ کہ اگر اپنی بی بی سے متمتع ہو اور تصور اجنبیہ کا کرے وہ بھی حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ بروئے ایک حدیث کے شیطان کا جال ہے۔ جال سے جس

قدر احتیاط ضروری ہے اسی قدر اس سے۔

حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ نے دفتر پنجم "سبب کشتن ابراہیم خروس را" کی سرخی میں اس مضمون کو ایک خاص عنوان سے ارشاد فرمایا ہے:

گفت ابلیس لعین دا دار را — دام زفتے خواہم ایں شکار را

اس کے بعد اسباب فتنہ کے پیش کیے جانے کا اور ابلیس کے راضی نہ ہونے کا، پھر سب کے آخر میں اس زیر بحث جال کو دیکھ کر اُس کے خوش ہونے کا اس کو کافی سمجھنے کا ذکر فرمایا ہے:

چوں کہ خوبی زناں ما او نمود — کہ زعقل و صبر مرداں می ربود

پس زد انگشتک برقص اندر فتاد — کہ بدو زدتر رسیدم بر مراد

چوں بدید آں چشمہائے پُر خمار — کہ کند عقل و خرد را در خمار

واں صفائے عارض آں دلبراں — کہ بسوزد چوں سپند ایں دلبراں

روئے وخال وابرو ولب چوں عقیق — گوئیا حور تافت از پردہ رقیق

قد چوں سرو خراماں در چمن — خد ہمچوں یاسمین ونستراں

چونکہ دید آں غنج برجست او سبک — چوں تجلی حق از پردہ تنک

عالمے شد والہ وحیران ودنگ — زاں کرشم و زاں دلال نیک شنگ

جزوِ دوم تقریع عقلی وطبعی

دل دادگان تہذیب جدید عقل وفطرت ومشاہدہ پر اتنا دم دیتے ہیں کہ اس کے پیچھے اکثر شریعت کو رد کر دیتے ہیں، مگر اس مسئلہ میں کورانہ تقلید یورپ نے اُن کے جذبات وفلسفے کو ایسا ؟ لیا کہ یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ مسئلہ تو ایسا صریح عقلی بلکہ طبعی ہے کہ اگر شریعت اس سے کچھ بھی تعرض نہ کرتی تو بھی ایک طرف طبعی غیرت اور اخلاقی شرافت اور دوسری طرف واقعات کا مشاہدہ ہر صحیح المزاج، سلیم الفطرت کو پردے کی

ضرورت پر مجبور کرتا۔ یہ تو شریعت کا احسان ہے کہ ہمارے قوائے حسیہ و نفسیہ کو تعب سے بچا کر مفت اس مسئلے کی تعلیم فرمادی جس کی ان حضرات نے یہ قدر کی۔ سچ ہے:

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد   صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد
چوں دہد قاضی بدل رشوت قرار   کے شناسد ظالم از مظلوم زار

اس لیے سخت ضرورت ہے کہ اس مضمون کو ان اشعار دعائیہ کے قبل ختم نہ کیا جائے:

اے خدا! کر میرے دل کو بے غرض   ہے غرض دل کے لیے بئس المرض
جب غرض سے دل ہو خالی اے خدا!   بھر دے اپنے عشق سے سر تا بہ پا
اور مرے تن میں بجائے آب و گل   دردِ دل ہو دردِ دل ہو دردِ دل

واللہ المجیب لکل دعاء ومنہ الابتداء والیہ الانتہاء

۳ ربیع الثانی ۱۳۴۵ ھجری

جزوِ سوم ایک اخباری مشورہ کا جواب دربارۂ حجاب: ''الانصار'' میں ایک مضمون بعنوان (علمائے اُمت شرعی پردہ کی تشریح کریں) شائع ہوا ہے جو کہ اخبار ''ہمدرد'' سے ماخوذ ہے۔ اس میں علماء سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس باب میں ایک متفقہ فتویٰ شائع کریں اور بصورت ایسا نہ ہونے کے دھمکی دی گئی ہے کہ جب رفتارِ زمانہ نے وہ کچھ کر دیا جو نہ ہونا چاہیے تھا تو کسی کے کیے دھرے کچھ نہ بن سکے گا اور جس طرح انگریزی کی تعلیم کے متعلق مسلمان رو رہے ہیں اور پچھتا رہے ہیں، اسی طرح پردہ کے متعلق بھی کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اور اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا گیا ہے کہ غالباً یہ آزاد خیالی کی افراط ہے۔ اور ہمارا مروجہ پردہ تفریط اس افراط و تفریط کے درمیان ایک بہترین راستہ **خیر الامور اوسطھا** کے بموجب نکالا جا سکتا ہے۔

اس کے متعلق ہم اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء سے کسی

متفقہ فتویٰ کی توقع رکھنا تو محض فضول ہے، کیوں کہ علماء دو قسم کے ہیں: آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے۔ پس جب کہ ان کے مقصد میں اختلاف ہے تو راویوں میں بھی اختلاف لازم ہے۔ اس کے علاوہ بعض کی نظر عمیق ہوتی ہے اور بعض کی نظر سطحی، اس لیے بھی ان میں اتفاق قریب قریب ناممکن ہے۔ پھر ہندوستان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو علم دین سے اصلاً واقفیت نہیں رکھتے اور مذہب میں مداخلت کر کے علماء کے منصب کو غصب کر چکے ہیں، اب اگر مذہبی علماء اتفاق بھی کر لیں تو ان بہروپیوں کا اختلاف تو بہر حال قائم رہے گا۔ پس جب کہ کسی امر پر اتفاق ناممکن ہے اور عدم اتفاق کی صورت میں عورتوں کا پردہ دری پر اُتر آنا لازم ہے جیسا کہ مضمون نگار کا بیان ہے، تو اب ہمیں بجز فصبر جمیل پڑھنے کے اور کوئی چارہ نہیں اور ہمیں اس پردہ دری اور اُس کے شرم ناک نتائج کے دیکھنے کے لیے اسی طرح آمادہ رہنا چاہیے جس طرح ہم انگریزی کے خطرناک نتائج دیکھ رہے ہیں۔

مضمون نگار میں اگر ایمان وانصاف کا کوئی حصہ ہوتا تو وہ اُن لوگوں کی رائے کی قدر کرتا جو انگریزی پڑھنے کو کفر کہتے تھے، کیوں کہ واقعات نے اُن کے خیال کی صحت کو روزِ روشن کی طرح صحیح ثابت کر دیا ہے۔ چناں چہ آج جس قدر فتنے اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں سب انگریزی پڑھنے کی برکات ہیں۔ چناں چہ کسی طرف سے آواز آتی ہے کہ مذہب ہماری پستی اور تباہی کی جڑ ہے اس کو چھوڑ دو۔ کسی طرف سے شور ہوتا ہے کہ سود نہ لینا ہی مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار ہے اس لیے خوب سود لو۔ کوئی آواز دیتا ہے کہ پردہ ظلم ہے، وحشت ہے، مانع ترقی ہے اسے ہٹا دو۔ کوئی چیختا ہے کہ خدا نے کم سنی کی شادی کو جائز رکھ کر قوم کو نقصان پہنچایا اسے منسوخ کر دو۔ کوئی کہتا ہے کہ شادیوں کے امتیاز نے ہماری قومی منافرت کو بڑھا دیا ہے اور یہ خدا کی غلطی ہے، اس لیے اسے منسوخ کر کے مخلوط شادیوں کو رواج دو۔ کوئی کہتا ہے کہ

پرانی فقہ نے ہمیں تباہ کر دیا، نئی فقہ بناؤ جس میں تمام حرام چیزیں حلال کر دی جائیں۔
کوئی کہتا ہے کہ جبریہ تعلیم کے ذریعہ سے اسلام کا خاتمہ کر دو وغیرہ وغیرہ۔

الغرض دنیا میں ہر طرف یہی شور ہے اور یہ شور صرف انگریزی والوں نے اُٹھا رکھا ہے جس میں دنیا پرست مولوی بھی شریک ہو گئے ہیں۔ اور یہ تمام واقعات اس کی تصدیق کر رہے ہیں کہ اُن بزرگوں کی رائے نہایت صحیح تھی جو انگریزی کو اسلام کے لیے خطرناک سمجھ کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی رائے دیتے تھے، لیکن مضمون نگار بجائے اُن کی تصویب کے الٹا اُن کو بے وقوف بتاتا ہے اور یہ بھی اسی انگریزی کا اثر ہے۔ نیز وہ کہتا ہے کہ جس طرح مسلمان آج انگریزی کی مخالفت پر رو رہے ہیں یوں ہی وہ کل پردہ مروجہ کی حمایت پر پچھتائیں گے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ جو مسلمان انگریزی کے مخالف تھے نہ کبھی پچھتائے اور نہ وہ پچھتائیں گے۔ جو پردہ مروجہ کی حمایت کرتے ہیں بلکہ جس طرح مخالفین انگریزی آج اپنی رائے کی صحت پر نازاں ہیں یوں ہی حامیانِ پردہ پردہ دری کے مفاسد کو دیکھ کر کل کو اپنی رائے کی صحت پر نازاں ہوں گے۔ جبکہ ہندوستان اعلانیہ زنا اور فسق و فجور کی وجہ سے رشک یورپ ہو گا، اور نہ ہندوستان میں کوئی صحیح النسب ملے گا اور نہ کوئی شریف۔ اور اس سے زیادہ اس وقت خوش ہوں گے جب کہ مرنے کے بعد ان ظالموں کو اُن کی بغاوتوں کی سزا دی جائے گی، اور ان کو ان کی حریت اور تمدن کا مزہ چکھایا جاوے گا۔

الغرض نہ مسلمانوں کو انگریزی کی مخالفت پر پچھتانے کی کوئی وجہ اور نہ پردہ مروجہ کی حمایت پر۔ اگر بددینوں نے انگریزی کے باب میں علماء کی مخالفت کی تو اپنی ہی ضرر کیا، علما کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اسی طرح اگر وہ اب پردہ کی مخالفت کریں گے تو بھی اپنا ہی نقصان کریں گے اور علماء کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ رہی یہ بات کہ علماء اگر کسی معتدل بات پر متفق ہو جاویں تو اس فتنہ کی آگ رُک سکتی ہے، سو یہ بھی غلط ہے، کیوں کہ جن

باتوں پر علماء متفق تھے ان میں اہل ہویٰ نے کب ان کا ساتھ دیا۔ اسی طرح اگر پردہ کے باب میں وہ متفق ہو جاویں تو جن کے دماغوں میں حریت کی ہوا بھر چکی ہے اور جن کو آزادی کی چاٹ لگ گئی ہے، وہ علماء کے فتویٰ کو کب مانیں گے؟

ایسی حالت میں علماء کو حق پر قائم رہنا لازم ہے، خواہ اہل ہویٰ اُن کے ساتھ موافقت کریں یا مخالفت۔ علماء صحیح راستہ بنانے کے ذمہ دار ہیں اور لوگوں کے عمل کے ذمہ دار نہیں۔

(ولئن اتبعت اھواء ھم بعد الذی جاء ک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر) (البقرۃ: ۱۲۰)

اب ہم مضمون نگار کی اس رائے کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں جس کو اس نے خیر الامور اوسطھا کہا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مضمون نگار کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ عورتوں کو اتنا مقید کیا جاوے کہ وہ گھروں کے اندر محبوس رہیں اور نہ اتنا آزاد کہ کھلے بندوں پھریں، بلکہ ان کو برقع میں لپیٹ کر آزادی دی جائے جیسے مسٹر محمد علی آزاد ہیں۔ لیکن اس میں اول تو یہ کلام ہے کہ یہ تجویز آپ نے قانون شرعی کی بنا پر کی ہے یا اپنی ذاتی رائے سے؟ اگر آپ نے یہ تجویز کسی شرعی قانون کی بنا پر کی ہے تو اس کو پیش کیا جاوے، اور اگر ذاتی رائے سے کی ہے تو آپ کو کیا حق ہے کہ آپ دین الٰہی میں اپنی رائے کو دخل دیں، اور اگر آپ نے یہ تجویز خیر الامور اوسطھا سے استنباط کی ہے تو پھر ہمیں منتظر رہنا چاہیے کہ آپ ایک دن توحید خالص کو افراط اور شرک ہنود کو تفریط قرار دیکر عیسائیوں کی تثلیث کو خیر الامور اوسطھا قرار دیں گے۔

اے اللہ کے بندو! تم کیوں خدا کے دین کے پیچھے پڑے ہو اور تم نے کیوں اس کی تباہی کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے؟ اگر تم درحقیقت اسلام سے گھبرا گئے ہو اور تم کو خدا کے قوانین کماھی (حقیقت) تسلیم نہیں تو صاف اپنے ارتداد کا اعلان کر دو۔ دوسرے مسلمان تو تمہارے شر سے بچ جائیں گے۔ اسلام کا دعویٰ کرنا اور خدا کے دین کو ظلم اور

جبر اور خلاف مصلحت بتلا کر اس کی تحریف کرنا بالکل انسانیت کے خلاف ہے۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ پردہ مروجہ بھی اس پردہ سے گرا ہوا ہے جس کو شریعت لازم کرتی ہے، کیوں کہ اس میں بہت سے غیر محرموں سے پردہ نہیں کیا جاتا، جیسے چچا زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، اور نہ جن سے پردہ کیا جاتا ہے ان سے پردہ میں کافی احتیاط برتی جاتی ہے۔ اس لیے شرعاً اسے اور سخت کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں کوئی تخفیف نہیں ہو سکتی۔ پردے سے شریعت کا مقصود عفت ہے۔

پس جو طریق ایسا اختیار کیا جاوے جس میں عفت پر برا اثر پڑے وہ شرعاً ناجائز ہے، خواہ عورتیں کھلے منہ پھریں یا برقع اوڑھ کر، کیوں کہ جب کوئی عورت برقع اوڑھ کر غیر مردوں کے ساتھ اختلاط کرے گی اور ان سے بے تکلف باتیں کرے گی تو اول تو مرد اس کی ذاتی حیثیت کو (کہ خوب صورت ہے یا بدصورت جوان ہے یا بوڑھی وغیرہ) خود نظر سے اور اندازِ گفتگو سے بھانپ لیں گے اور اگر بالفرض نہ بھانپ سکیں تو وہ ان باتوں کے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے جس سے عفت خطرہ میں پڑ جاوے گی۔ دوسرے خود عورتیں برقع کی جالی سے مردوں کو دیکھیں گی اور چوں کہ عورتوں میں بھی جذبات شہوانی ہوتے ہیں اس لیے جو مرد انہیں پسند ہوگا اُس کے پھانسنے کی وہ خود کوشش کریں گی۔

اور جب عورتیں خود طالب ہوں گی تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ برقع کیا کام دے سکتا ہے۔ اس لیے برقعہ کے ساتھ عورتوں کو مردوں کے ساتھ ربط ضبط اور خلا ملا کی اجازت دینا ضرور شرعی مقصد کے خلاف ہے اور وہ بھی بے پردگی میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے جس طرح شارع نے مردوں کو غیر محرم عورتوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے، یوں ہی اُس نے عورتوں کو بھی غیر مردوں کے سامنے سے روکا ہے۔ چناں چہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امہات المومنین کے اس سوال کے جواب میں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا ہیں وہ ہم کو نہیں دیکھ سکتے، اس لیے اُن سے پردہ کی کیا ضرورت

ہے؟ فرمایا تھا کہ وہ نابینا ہیں تم تو نابینا نہیں ہو۔ پس اگر وہ تم کو نہ دیکھیں گے تو تم تو انہیں دیکھو گی پھر پردہ کیا ہوا؟ اس سے شرعی پردہ کی حقیقت خوب واضح ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اُن کے بعد کے مسلمانوں سے کہیں منقول نہیں کہ وہ اپنی بیبیوں اور رشتہ داروں کو برقع اوڑھا کر اپنے ساتھ لیے پھرتے ہوں اور ان کو مردوں کے مجمع میں شریک کرتے اور ان سے لیکچر دلاتے اور تقریریں کراتے اور دوست آشناؤں سے ملاقاتیں کراتے ہوں۔

پس اگر شرعی پردہ وہ ہوتا جس کو آج خیر الامور اوسطھا کہا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ یہ حضرات عورتوں کو اس طرح مقید کرتے اور آزاد خیالوں کے خیال کے موافق ان پر ظلم کرتے۔ دیکھو! جس جہاد سے واپسی میں واقعہ افک (تہمت) پیش آیا ہے، اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں مگر برقع پہنے ہوئے اور آزادانہ نہ تھیں بلکہ آج کل کی عورتوں کی طرح محمل (اور حسب تصریح حدیث بخاری محمل کو چند آدمی اونٹ پر رکھ دیتے تھے اور اتارنے کے وقت اتار لیتے تھے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اسی میں رہتی تھیں۔ اور یہی سبب واقعہ افک کا پیش آیا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے محمل سے باہر پردہ کی جگہ تشریف لے گئی تھیں، ادھر قافلہ روانہ ہونے لگا۔ صحابہ نے ان کے محمل کو یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ حضرت صدیقہ اس میں موجود ہیں۔ صدیقہ واپس آئیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس طرح سفر میں محمل کے اندر رہ کر اونٹ پر سوار ہونا اور اترنا ہمارے زمانہ کی مروجہ ڈولی کے لیے اصل عظیم ہے۔ محمد شفیع دیوبندی عفی عنہ) میں تھیں۔ اسی طرح جنگ جمل میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برقع پوش نہ تھیں بلکہ محمل میں تھیں۔ اگر اس زمانہ میں برقع پہن کر آزادنہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو محمل کی کیا

ضرورت ہوتی اور اس زمانہ میں برقع پہن کر شہروں اور جنگلوں میں اور مجمعوں میں عام طور پر پھرنا کیوں نہ منقول ہوتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو حقیقت شرعی پردہ کی آج بتائی جارہی ہے وہ، وہ ہے جس سے نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقف تھے، نہ صحابہ، نہ تابعین اور نہ آئمہ مجتہدین اور نہ دوسرے مسلمان، پھر علماء اس کو شرعی پردہ قرار دے کر اس کے جواز کا فتویٰ کیوں کر دے سکتے ہیں۔

صاحبو! جرائم ہمیشہ سے ہوتے رہے ہیں۔ چناں چہ لوگ چوری بھی کرتے ہیں، شراب بھی پیتے ہیں، زنا بھی کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سو اگر تم کو بھی جرائم کا شوق ہے تو شوق سے کرو، مگر خدا کے لیے قانونِ الٰہی کو نہ بدلو اور جرائم کو خدا کے قانون میں داخل نہ کرو۔ بلکہ جرم کو جرم سمجھو، اپنے کو گناہ گار سمجھو، دوسروں کو بد دینی کی دعوت نہ دو۔ ایسا کرنے سے تم مسلمان رہ سکتے ہو، اور قانون الٰہی کی تحریف کر کے حرام کو قانونِ خداوندی میں داخل کر کے خدا کو نعوذ باللہ جاہل سمجھ کر دوسروں کو خدا کے دین سے روک کر تم مسلمان نہیں رہ سکتے۔

تمت الضميمة وبتمامها تمت الفتویٰ بجميع اجزائها ولواحقها

ضروری اطلاع

حامدا ومصليا. مسئلہ پردہ کے متعلق دو قسم کے مباحث ہیں: نقلی اور عقلی۔ یہ رسالہ جس سوال کا جواب ہے وہ چوں کہ محض قسم اول کے متعلق تھا اس لیے رسالہ ہذا میں اُسی سے تعرض کیا گیا۔ اگر کسی صاحب کے مباحث عقلیہ دیکھنے کا شوق ہو تو ایک رسالہ مسمیٰ "**الجليس الانيس عما فی تحرير المراة من التلبيس**" ایک مصری عالم کا تصنیف کیا ہوا مصر میں چھپا ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں کہ وہ نقلیات کے ساتھ عقلیات کا بھی جامع ہے۔ گو یہ رسالہ نقلیات میں بعونہ تعالیٰ غالباً اس سے زیادہ لطیف ہے۔ فقط اشرف علی عفی عنہ

(2)

القول الصواب فی تحقیق مسالۃ الحجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدا و مصلیا

عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آں عزیز نے خط میں لکھا ہے کہ پردہ مستورات کے متعلق میں کچھ غور کرنا چاہتا ہوں شاید کچھ لکھوں۔ اگر موقع ہو تو اس کے متعلق جہاں تک آیاتِ قرآنی اور احادیث وغیرہ ہوں وہ میرے پاس بھیج دیجیے۔ یہ بھی مطلع فرمائیے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور صاحب زادیوں کا کیا لباس تھا؟ اور اس وقت پردہ کی کیا حد تھی؟ اور کب سے یہ شدت کا پردہ رائج ہے۔ اس عبارت کے چند حصے ہیں:

ایک تمہید، دوسرے درخواست آیات اور احادیث کی، تیسرے تحقیق لباس ازواج مطہرات وبناتِ مقدسات، چوتھے اس زمانہ کے پردہ کی حد کا سوال، پانچویں اس پردہ مروجہ کی ابتدا کا دریافت کرنا اس لیے جواب کا کافی ہونا۔ پانچوں اجزائے متعلق لکھنے پر موقوف معلوم ہوا۔ لہٰذا بالترتیب سب قلم بند کرتا ہوں **بفضلہ تعالیٰ وعونہ**

حصہ اول تمہید

عزیز من! اس وقت بنظر تحقیق کسی امر میں غور کرنے کے لیے دو شرط کی ضرورت ہے: اولاً وہ امر دقیق اور نظری ہو، کیوں کہ اگر بدیہی اور واضح ہے تو غور محض بے کار ہے۔ ثانیاً ہم لوگوں سے پہلے ہم سے بڑے درجہ کے لوگوں نے جو قوت علمیہ و تائید من اللہ اور طلب صادق و نظر غائر فکر صائب اور حب دین اور سلاست طبع اور منصف مزاجی اور خوف خدا اور اتباع حق اور مجاہدہ نفس و مخالفت ہوئی و حریت و خالصہ وغیرہا صفاتِ جمیلہ کاملہ میں ہم سے ہزارہا درجہ بڑھے ہوئے تھے، اس امر میں تحقیق اور کلام نہ کیا ہو، اور کلام کر کے فیصل اور طے نہ کر دیا ہو۔ کیوں کہ اگر اس درجہ کے لوگوں نے کوئی امر ثابت کر دیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ امر نہایت درجہ منقح اور محقق ہوگا۔ اس میں فکر کرنا ایسا ہے جیسا عام رعایا قوانین مروجہ پارلیمنٹ میں نظر ثانی کرنے لگے اور اتباع و اطاعت کو اپنی نظر کی رسائی پر موقوف رکھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ایک گونہ بغاوت کا شعبہ سمجھا جائے گا۔

اب ہم پردہ کے مسئلہ کو جو دیکھتے ہیں اس میں یہ دونوں شرطیں مفقود پاتے ہیں، کیوں کہ یہ مسئلہ اولاً نہایت بدیہی ہے۔ چناں چہ عنقریب آیات و احادیث کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ ثانیاً اس درجہ کے لوگ جو کہ باجماع اُمت مرحومہ (جس کا مرتبہ اور قوت کثرت آرا سے ہزارہا درجہ زیادہ ہے) مقتدائے ملت اور پیشوائے شریعت مسلم ہو چکے ہیں اس کو طے اور ختم کر چکے ہیں۔ البتہ اتنی خدمت کے لیے حامیان دین اور خادمان مذہب ہمیشہ تیار اور آمادہ ہیں کہ اگر کسی طے شدہ مسئلہ میں خواہ وہ منصوص ہو یا اجماعی اور علی سبیل الترقی خواہ اجتہادی ہو کسی مخالف کو اعتراض یا کسی موافق کو شبہ اور خلجان ہو، بشرطیکہ اصول صحیحہ کے موافق اس کو پیش کیا جائے اور انصاف اور کسی خاص جماعت کی تقلید یا کسی خاص غرض کی اتباع سے

آزادی کے ساتھ اس کا جواب سننے اور سمجھنے کا وعدہ کیا جائے تو کسی وقت یہ حامیان مذہب جواب دینے سے اور اس جواب کے جواب الجواب دینے سے عذر یا انکار کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا کوئی ذمہ دار نہیں کہ دوسرے شخص کو ہدایت بھی ہو جائے، کیوں کہ یہ امر مجیب یا مصلح کے اختیار سے خارج ہے ورنہ آج ساری دنیا ایک طریقہ پر نظر آتی۔ یہ مضمون جو تمہید کے متعلق ہے خصوصیت کے ساتھ باوجود سلیس ہونے کے بہت ہی غور کے قابل ہے۔

دوسرا حصہ درخواست آیات واحادیث کی

ان آیات واحادیث کے ساتھ ترجمہ تو ظاہر ہی ہے کہ ضروری تھا، اس لیے ترجمہ ہی کی تکمیل کے لیے بہت ہی مختصر مختصر اور سلیس سلیس توضیحات کا بھی ساتھ ساتھ لکھ دینا مناسب بلکہ واجب معلوم ہوا تا کہ فہم میں ترجمہ سے سہولت اور ان توضیحات سے اعانت ہو۔ لیکن یہ اعانت موقوف تھی چند اصول موضوعہ پر جو بہت صاف اور بالکل صحیح ہے، اس لیے اول اُن اصولِ موضوعہ کی تقریر کیے دیتا ہوں۔

اصول موضوعہ: ۱۔ زمانہ نزولِ وحی میں بمقتضائے حکمت الٰہیہ جلیہ یا خفیہ بعض احکام میں نسخ وتبدل بھی واقع ہوا ہے۔ اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ چند روز تک ایک حکم نازل نہیں ہوا پھر نازل ہو گیا اور اس نسخ کی مثال عاداتِ مسلمہ میں اختلافِ حالِ مریض سے طبیب کا نسخہ بدل دینا ہے۔

۲۔ بعض یا اکثر احکام میں دو درجے شریعت میں مقرر ہیں: عزیمت یعنی حکم اصلی جو کہ شرعاً مقصود ہے، اور رخصت یعنی وہ آسانی جو کسی اور ضرورت سے اس عزیمت میں تجویز کی گئی ہے۔ اور اس رخصت کے برتاؤ کو اصلی حکم سمجھ لینا ایسا ہی غلط ہے جیسا اتوار کی تعطیل کو دیکھ کر حکام عدالت کا اصلی منصبی فرض اسی کو سمجھ لینا کہ وہ اپنے بنگلوں اور کوٹھیوں میں پڑے آرام کیا کریں اور اگر کوئی درخواست دے تو واپس کر دیا کریں۔

۳۔جس چیز کو حرام یا جرم قرار دیا جاتا ہے جتنے افعال یا امور اس حرام یا جرم کے وسائل اور ذرائع ہوں بوجہ اعانت جرم کے وہ بھی حرام اور جرم ہو جاتے ہیں، گو خصوصیت کے ساتھ ان افعال یا امور کو نام بنام جرم نہ شمار کیا گیا ہو۔ مثلاً: استحصال (یعنی کسی سے اس کی مرضی کے خلاف جبراً کوئی مال وغیرہ حاصل کرنا۔ محمد شفیع عفی عنہ) بالجبر جرم ہے تو جتنی صورت اس جرم کی ہوں گی مثلاً:

ڈرانا، دھمکانا، کوٹھڑی میں بند کر دینا وغیرہ وغیرہ سب جرم ہوں گے۔ گو یہ سب امور مفصل جدا جدا دفعات جرم کے تصریحاً نہ گنے گئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی امر منجملہ جرائم ایسا ہو کہ جس کو خصوصیت کے ساتھ بھی روکا گیا ہو اور اس طرز سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہوئی ہو، ان اصول موضوعہ کے بعد ان آیات واحادیث کی ایک کافی مقدار (گو وہ محیط اور مستوجب نہیں) نقل کرتا ہوں۔

آیات

(وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى) (الاحزاب: ۳۳)
قرار رکھو اپنے گھروں میں، اور پہلے زمانہ جہالت کی طرح اظہار کرتی مت پھرو۔ اس آیت میں گو خطاب ازواج مطہرات کو ہے لیکن سیاق وسباق میں یعنی اُس کے متصل اگلے اور پچھلے کئی حکم یقیناً عام ہیں جیسے: (فلا تخضعن) اور (قلن قولا معروفا) اور (واقمن الصلوة) اور (آتین الزكوة) تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس کو من کل الوجوہ خاص کہنا نہایت مستبعد ہے۔ پھر خود آیت ہی میں غور کرنے سے خصوصیت کا احتمال نہیں، کیونکہ (وقرن) کے بعد اس کے تیمم کے لیے اس کے مقابل کو منع فرمایا گیا: (ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى) (اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ) اور ظاہر ہے کہ مقابلہ مقتضی ہے کہ عدم (یعنی عدم قرار فی البیوت (گھروں میں نہ ٹھہرنے) سے۔ محمد شفیع عفی عنہ) قرار سے روکنا

منظور ہے اُس عدم قرار کو (تبرج الجاهلية) سے تعبیر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ عدم القرار مذموم ہونے ہیں مثل تبرج الجاهلية کے ہے۔اور یہ یقینی ہے کہ یہ تتمہ ہے (وقرن) کا،اور تتمہ کسی شے کا حکم میں اسی شے کے ہوتا ہے،تو اگر (وقرن) کو خاص کہا جائے گا تو ممانعت (تبرج الجاهلية) کی بھی خاص ہوگی ، حالاں کہ کوئی متدین یا عاقل اس کا قائل نہیں ہوسکتا کہ عام اُمت کی بیبیوں کو اظہارِ جاہلیت مباح یا جائز ہے۔ جب یہ عام ہے اور (وقرن) (یعنی لفظ قرن سے جو گھروں میں رکے رکھنے کا حکم عورتوں کو دیا گیا ہے۔ یہ سب عورتوں کے لیے عام ہوگا جیسا کہ اس کے تتمہ یعنی اظہارِ جاہلیت کی ممانعت سب کے لیے باتفاق عام ہے) بوجہ ذی تتمہ ہونے کے گویا اس کا عین ہے پس (وقرن) بھی عام ہوگا،اس کے علاوہ عقل بھی عدم خصوصیت کا حکم کرتی ہے،اس واسطے کے ہر حکم میں کوئی حکمت ہوتی ہے کبھی وہ خفی ہوتی ہے جس کی تفتیش کے ہم مکلف نہیں،اور کبھی جلی اور واضح ہوتی ہے۔سو اعتبار احکام میں ایسی حکمت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔جس مقام کی یہ آیت ہے اس میں نظر کرنے سے اسکے پاس ایک جملہ نظر آتا ہے:(لا تخضعن بالقول) یعنی نرم لہجہ سے بات مت کرو اور اس کے ساتھ ہی اس کی وجہ ارشاد فرمائی ہے:(فيطمع الذى فى قلبه مرض) یعنی جس کے قلب میں روگ اور خرابی ہے اس کو ناحق ہوس اور طمع دامن گیر ہوگی۔

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اس مقام پر یہ بولنے چالنے کا سلیقہ یا گھروں میں بٹھلانے کا طریقہ جو مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص حکمت انسداد ہے فتنہ مکالمت و مخالطت کا۔جب یہ حکمت خود نفس آیت سے مفہوم ہو چکی ہے اب ظاہر ہے کہ جہاں حکمت اور علت ہوگی یہ احکام بھی وہاں ضروری ہوں گے۔اور یقینی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جو حسب آیت (وازواجه امهاتهم) مسلمانوں کی مائیں ہیں اور اسی وجہ سے تمام امت کے مردوں کو اُن سے

ہمیشہ کے لیے نکاح حرام تھا۔ چناں چہ نص ہے: (ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا) (الاحزاب:۵۳) (اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آں حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج سے کسی وقت نکاح کرو) نیز طبعی اور عقلی طور پر بھی یہ امر معلوم ہے کہ علوشان اور عظمت مرتبہ بھی اعظم اسباب انسداد حرکت نفسانیہ سے قدرتی طور پر ہے۔ جب باوجود اس مانع دینی وفطری کے ازواج مطہرات کو حکم ہوا ہے قرار فی البیوت (والیه الاشارة فی قوله تعالی: (لستن کاحد) یعنی آیت قرآنی کہ تم سب عورتوں کی طرح نہیں، اس میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے) کا تو دوسری عورتوں کے لیے اول تو بدرجہ اولیٰ اور نہیں تو کم از کم بدرجہ مساوی ہی سہی ضرور قرار فی البیوت کا حکم ہوگا، ورنہ فتنہ خفیفہ کا انتظام کرنا اور فتنہ عظیمہ کا انتظام نہ کرنا صاف انقلاب ہے فطرت کا جو کسی طرح قائل ہونے کے قابل نہیں۔ البتہ اس کی گنجائش ضرور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے قرار فی البیوت میں اُن کے معظم ومحترم ہونے کو بھی جز وعلت کہا جائے، یعنی ان کے علوشان کا بھی مقتضا یہ ہے کہ وہ ہر کس وناکس کے روبرو نہ ہو جایا کریں۔ اور دوسری علت وہی ہے جس کا مفہوم (یعنی گھروں میں رہنے کا) من النص ہونا مذکور ہو چکا ہے۔ پس ان باب میں علت یہ مجموعہ ہوا اور عام نساء کے باب میں علت صرف سد فتنہ ہوا۔

پس اتنی خصوصیت کے اعتبار سے اگر اس خطاب کو خاص کہا جائے تو صحیح ہے، لیکن اس سے قرار فی البیوت کے وجوب کا خاص ہونا لازم نہ آیا، البتہ قرار للاحترام کا خاص (آیت قرآنی سے) ہونا بے شک ثابت ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ چوں کہ احترام ان کے لوازم سے ہے، اس لیے اگر ان کے خروج عن البیوت میں فتنہ بھی نہ ہو جب بھی بلا ضرورت ان کے لیے حرام ہے۔ اور دوسری عورتیں اگر بوجہ کبر سن وغیرہ کے محل شہوت وفتنہ نہ رہیں تو اُن کو چہرہ اور دونوں کف دست کھول دینے کی

شرعاً اجازت ہے۔ اسی جگہ سے بعض علماء نے لکھ دیا ہے کہ حجاب کی فرضیت حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خصوصیات سے ہے جس کا حاصل دوسرے طالب علمانہ عنوان میں یہ ہے کہ حجاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں واجب لغیرہ ہے، لیکن نفس وجوب دونوں میں مشترک ہے۔

اور یہی مقصود پردہ متعارف کا ہے کہ جوان (اور سپر دار کا حکم آگے آتا ہے) یا میانہ عمر عورت کو نامحرم کے روبرو ہو جانا حرام ہے گو حرمت لغیرہ ہو۔

۲.(واذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ، ذلكم اطهر لقلوبكم و قلوبهن) (الاحزاب: ۵۳)

اور جب تم ان بیبیوں سے کوئی چیز مانگنے لگو تو آڑ کے پیچھے سے مانگو، اس میں زیادہ پاکی ہے تمہارے دلوں کی بھی اور اُن کے دلوں کی بھی۔

یہ آیت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ حجاب جس کی حقیقت پردہ متعارف ہے بہت ضروری اور اہتمام کے قابل ہے کہ باوجودیکہ چیز مانگنا ایک گونہ ضرورت بھی ہے لیکن اس ضرورت کے ساتھ بھی رفع حجاب کی اجازت نہیں ہوئی، بلکہ اس حالت میں بھی صیغہ امر کے ساتھ جو شرعاً وعقلاً وجوب (یعنی جو حکم صیغہ امر کے ساتھ مذکور ہو عقلاً اور شرعاً اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جس کام کا امر کیا گیا ہے وہ واجب ہے) کو مفید ہوتا ہے حفاظت حجاب کا خطاب کیا گیا، تو بھلا جہاں یہ ضرورت بھی نہ ہو یا اس سے خفیف ضرورت ہو جیسے: ہوا خوری یا توسیع معاملات دنیا تو وہاں بے حجابی کی کب اجازت ہوگی ،اور ہر چند کہ یہ آیت بھی حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی جو علت اس حکم کی فرمادی گئی ہے یعنی اس حجاب کا ذریعہ طہارت قلوب ہونا وہ بدلالۃ النص یعنی درجہ اولیت میں بتلا رہی ہے کہ جہاں لوث (فسادِ خیال کی آلودگی) کا احتمال غالب بھی نہ ہو اور وہاں یہ احتیاط واجب کی جائے تو جس جگہ یہ

احتمال غالب ہو تو احتیاط اور زیادہ واجب ہوگی۔ اور حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں لوث کا احتمال مفقود ہونا اور دوسری جگہ موجود ہونا ظاہر ہے اور اوپر کی آیت کے ذیل میں اس کی مدلل تقریر بھی کر دی گئی ہے۔ البتہ لعینہ اور لغیرہ کا فرق یہاں بھی گنجائش رکھتا ہے سو یہ فرق ہمارے مقصود میں خلل انداز نہیں جیسا اوپر گزر چکا۔

(یا یھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ، ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین ، وکان اللہ غفورا رحیما)
(الاحزاب: ۵۹) اے پیغمبر! کہہ دیجیے اپنی بیبیوں سے اور صاحب زادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے کہ نیچے لٹکا لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آواز نہ دی جایا کریں گی۔

اس آیت میں تعلیم ہے کہ گھر سے باہر نکلنے کے ضابطہ کی جو کسی ضرورت سفر وغیرہ سے واقع ہو کہ اس وقت بھی بے حجاب مت ہو بلکہ اپنی چادر کا پلہ اپنے چہرہ پر لٹکا لیں تا کہ چہرہ کسی کو نظر نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ اس تصریح کے بعد اس کہنے کی گنجائش کب ہے کہ چہرہ کا چھپانا فرض و واجب نہیں ہے۔ نص قطعی دلالت قطعی اور اس میں آیات سابقہ سے اس قدر مزید اور ہے کہ عام مسلمانوں کی بیبیوں کو لفظاً بھی شامل کرایا گیا جس میں خصوصیت کا وہم سرسری نظر سے بھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ لعینہ لغیرہ کے فرق کے انکار کی ہم کو ضرورت نہیں، اور یہ جو فرمایا گیا ہے اس سے ان کو جلدی پہچان الخ۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اس وقت بعض منافقین کنیزوں کو اپنی خباثت باطنی سے دق کیا کرتے تھے تو اس ہیئت میں علاوہ ادائے فرض حجاب کے یہ بھی حکمت ہے کہ اس سے بی بی لونڈی کی پہچان بھی ہو جائے گی، کیوں کہ لونڈیوں کو کھلے منہ رہنے کی اجازت تھی نہ اس وجہ سے کہ ان کا بدن چھپانے کی چیز نہیں (کیوں کہ المراۃ عورۃ (یہ حدیث آگے آتی ہے نمبر اول میں) نے مطلق عورت کو پردہ کی چیز بتا دیا ہے، اور عقلاً بھی مرغوب فیہ ہونے میں

مشترک ہے) بلکہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو منہ وغیرہ چھپانے کی تاکید میں ان کے منصبی خدمات خلل پذیر ہوتے ہیں، اس ضرورت سے اس حکم میں آسانی برتی گئی۔ اور چوں کہ اس کی ضرورت آزاد عورت کی ضرورت سے زیادہ تھی، اس لیے اس کے اعضائے مکشوفہ کا عدد بھی کچھ زیادہ ہے۔ (نمبر۲۔ اصول موضوعہ)

تو حاصل آیت کا یہ ہوا کہ بیبیوں کی بے حجابی سے لونڈیوں کی حفاظت تو ہو ہی نہ جائے گی، بلکہ یک نہ شد دو شد کا مضمون ہو جائے گا، اس لیے تم کو تو وضع اصلی کے چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اس میں تمہاری حفاظت بھی سہل ہے اس لیے تم تو اس کی پابند رہو۔ باقی کنیزوں کی حفاظت کا دوسرا انتظام ہو سکتا ہے۔ چناں چہ اس سے اگلی آیت میں ان کو خوب دھمکایا ہے کہ اگر وہ باز نہ آئیں گے تو ان کے اخراج بلد اور قتل عام کا حکم دیا جائے گا: (لئن لم ینته المنفقون) الی قوله (تقتیلا) اب کسی پہلو میں کوئی خلجان (اشارہ ہے ابن حزم وغیرہ کے اس شبہ کی طرف کہ اس تقریر سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عصمت کی حفاظت صرف آزاد عورتوں کے لیے ہے کنیزوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا اور اُن کا فحش گوارا کیا گیا۔ معاذ اللہ! حضرت اقدس کی اس تقریر سے یہ شبہ بالکل رفع ہو گیا۔ محمد شفیع) نہ رہا اور سب انتظام کافی ہو گیا۔

۴. (وقل للمومنت یغضضن من ابصارهن ویحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها ولیضربن بخمرهن (الی قوله) ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن) (النور: ۳۱)

آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی آبرو کی حفاظت کیا کریں اور حسن و جمال نہ دکھایا کریں، مگر جو چیز کھلی ہی رہتی ہے تو خیر۔ اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں میں ڈال لیا کریں۔ آگے چل کر فرمایا: اور دھماکہ سے پاؤں نہ رکھا کریں کبھی ان کا چھپا ہوا سنگھار معلوم نہ ہو جائے۔

اس میں بھی صاف حکم ہے حسن و جمال کے چھپانے کا جو حقیقت ہے پردہ کی۔

اور یہ جو فرمایا: ''مگر جو چیز کھلی ہی رہتی ہے'' مراد اس سے چہرہ اور ہر دو کف دست ہیں جیسا حدیث (یہ حدیث آگے آتی ہے نمبر سات میں) میں اس استثنا کی تصریح ہے۔

اور محل اس استثنا کا موقع ضرورت ہے جو موثر ہے حکم کے آسان ہو جانے اور عزیمت کی جگہ رخصت کے عمل کے جائز ہو جانے میں۔ (نمبر۲۔ اصول موضوعہ) باقی پورے حجاب کا حکم اصلی ہونا خود استثنا سباق وسیاق یعنی ماقبل و مابعد میں نظر کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ چناں چہ ماقبل میں غض (یعنی نظریں نیچے رکھنےاور شرم گاہوں کو حرام سے محفوظ رکھنے کا حکم) بصر وحفظ فروج کا حکم فرمایا جس سے صاف واضح ہے کہ حجاب کی اصلی علت فتنہ وشہوت کا روکنا ہے، اور اس کا یہاں تک اہتمام ہے کہ خمار یعنی سربند سے سر اور گردن تک چھپانے کا حکم ہوا۔

چناں چہ سر ڈھانکنے کے لیے خود لفظ خمار اور گردن ڈھانکنے کے لیے (علی جیوبھن) دلالت میں کافی ہے۔ اور مشاہدہ و بداہت سے یہ امر ثابت ہے کہ چہرہ کو جو کہ مجمع محاسن ہے دیکھ کر جس قدر کشش اور میلان ہوتا ہے سر اور گردن تک سے نہیں ہوتا، تو جب ایسی چیز جو کہ تحریک فتنہ مذکورہ میں ضعیف اور خفیف ہے چھپانے کے قابل موکد صیغہ سے بتلائی گئی تو چہرہ کو جو کہ تحریک فتنہ میں اصل ہے کیوں کر چھپانے کی چیز نہ کہا جائے گا۔

بہر حال اشتراک علت سے اشتراک معلول یقینی ہے، اگر درجہ اولیٰ میں نہیں تو اقل مرتبہ بدرجہ مساوی تو ضرور ہی ہوگا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلی حکم حجاب کامل ہے۔ جہاں ضرورت نہ ہوگی اور بوجہ شباب فتنہ کا احتمال ہوگا عام اس سے کہ فتنہ ابصار ہو یا فتنہ فروج ہو وہاں سے اسی حکم اصلی پر عمل ضروری ہوگا۔ اسی طرح مابعد میں محض پاؤں کو زور سے رکھنے سے کس تاکید سے روکا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی

علت کہ وجوب اخفائے زینت سے بیان فرما دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ فتنہ صوت (آواز) زیور سے بدر جہا فتنہ صورت بڑھا ہوا ہے۔ جب اس کا انسداد ہوا ہے اس کا کیوں نہ ہوگا؟ پس فی نفسہ حجاب کامل کی ضرورت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

۵. والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیهن جناح ان یضعن ثیابهن غیر متبرجت بزینة ، وان یستعففن خیر لهن) (النور: ٦٠) اور جو عورتیں ایسی ہار گئی ہیں کہ ان کو منکوحہ بننے کا احتمال بھی نہیں رہا، ایسوں کو اس بات میں کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے خاص خاص کپڑے اُتار کر رکھا کریں بشرطیکہ زینت کے مواقع ظاہر نہ کریں اور اس سے بھی بچیں تو اور بھی بہتر ہے۔

ان خاص کپڑوں سے مراد زائد کپڑے ہیں جن سے منہ ہاتھ وغیرہ چھپایا جاتا ہے، کیوں کہ بجز وجہ اور کفین کے باقی بدن کا چھپانا تو جوان بوڑھی سب ہی کے واسطے فرض ہے۔ چناں چہ اس آیت میں بھی یہ شرط لگا دی ہے (**غیر متبرجت بزینة**) اور زینت میں سارا بدن داخل ہے باستثنائے ضروری (**الا ما ظهر منها**) کے جس کی تفسیر وجہ اور کفین ہے جیسا آیت (۴) میں مذکور ہے۔ پس وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہو جائے گی۔ جب باقی بدن کے چھپانے میں بوڑھی، جوان برابر ہوئیں تو جب کپڑوں سے یہ باقی بدن چھپایا جاتا ہے زائد کپڑوں سے ایسے کپڑے مراد نہیں ہو سکتے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس یقیناً وجہ اور کفین کے چھپانے والے کپڑے مراد ہوں گے۔

پھر اس میں تخصیص کی گئی بہت بوڑھی عورتوں کی، جس سے صاف معلوم ہوا کہ جو عورت ایسی نہ ہو کہ نکاح کے قابل ہو یعنی جوان ہو یا میانہ عمر ہو (کیوں کہ مشاہدہ ہے کہ میانہ عمر بھی منکوحہ بنتی ہے اور بچے بھی جنتی ہے) تو کسی کے سامنے اُن زائد کپڑوں کے اتارنے کی اس کو بلا ضرورت اجازت نہیں تو وجہ اور کفین کا واجب الستر ہونا بدلالت واضحہ اس سے مفہوم ہوا۔ البتہ چوں کہ ان کا وجوب ستر لغیرہ ہے اور غیر

نساء قواعد میں مرفوع ہے۔ لہٰذا ان کو انکشاف کی اجازت ہو گئی۔ لیکن اجازت ہی کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اس سے بھی بچیں تو اور بہتر ہے جس سے متیقن ہو گیا کہ یہ اجازت رخصت ہے اور عزیمت وحکم اصلی وجوب ستر ہے۔ چوں کہ عزیمت پر عمل افضل ہوتا ہے۔ اس لیے استعفاف کی خیریت کو بھی بتلا دیا جس پر بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت اکثر مسلمان خوشی سے کاربند ہیں۔ اور اس موقع کی آیات کا حاصل یہ ہے کہ غیر بالغین اور مملوکین خادمین کو بجز اوقات استراحت کے جن میں انکشاف (بدن کھل جانا) غالب ہے اور وقتوں میں بلا استیذان (اجازت طلب کرنا) گھروں میں آ جانے کی اجازت دی گئی اور بالغین احرار کے لیے ہر وقت استیذان کو واجب قرار دیا اور اس استیذان کے وقت وجہ (چہرہ اور ہتھیلیاں) اور کفین کے انکشاف بلا ضرورت میں شواب (جوان اور بوڑھی عورتیں) اور عجائز فرق کیا گیا۔

۲. **(لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان ياتين بفاحشة مبينة، وتلك حدود الله، ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه)** (الطلاق: ۱)

ان (طلاق دی ہوئی) عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ نکلیں، مگر یہ کہ کھلی بے حیائی اختیار کریں (تو اور بات ہے) اور یہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو خدا کے ضابطوں سے ادھر اُدھر گیا اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اس میں طلاق والی عورتوں کو گھر میں رہنے کی اور رکھنے کی تاکید ہے۔ اور اس حبس کو سزائے طلاق تو کہہ نہیں سکتے ہیں، کیوں کہ اگر کسی صورت میں طلاق نازیبا ہے تو وہ فعل مرد کا ہے عورت کو سزائے حبس کیوں دی جائے، تو بالضرور کہنا پڑے گا کہ عورت کی وضع فطری کا یہی ہے کہ گھر میں رہا کرے اور یہ وضع اور یہ مقتضا قبل طلاق بھی اسی حالت پر تھا، لیکن طلاق کو اس میں دخل ہونا جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا وہ نفس وجوب حجاب نہیں بلکہ زیادت حجاب میں ہے۔ اور وجہ اس زیادت کی یہ ہے کہ قبل

طلاق چوں کہ یہ عورت ایک مرد کے لیے نامزد تھی اس لیے طماعین کی طمع کسی قدر منقطع تھی اور اب بوجہ آزاد ہو جانے کے طماعین کے قلوب میں زیادہ میلان ہوسکتا ہے، اس لیے زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوئی، اس لیے جو ضرورتیں جواز خروج کے لیے قبل طلاق کافی تھیں، اب اس جواز کے لیے ان ضرورتوں جواز خروج کے لیے قبل طلاق کافی تھیں، اب اس جواز کے لیے ان ضرورتوں میں زیادہ شدت شرط ہوگی اور وہ سابق ضرورتیں جواز کے لیے ناکافی سمجھی جائیں گی۔

رہا یہ کہ بعد انقضائے (ختم ہو جانا) عدت پھر خروج کی کیوں اجازت ہے؟ حالاں کہ اس وقت اس طمع اور قوت ہو جاتی ہے سو وجہ فرق دو ہیں: اول یہ کہ اس وقت کی طمع کا تدارک نکاح سے ممکن ہے، بخلاف حالت عدت کے کہ دوسرا نکاح بھی حرام ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس وقت کوئی اس کا کفیل نفقہ نہیں، اس لیے ضرورت کے لحاظ میں وسعت کی گئی اور اس وقت طلاق دہندہ کے ذمہ اس کا نفقہ ہے، لہٰذا اس وسعت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور اس تاکیدی حکم کو اور زیادہ موکد اس سے کیا گیا کہ اس کو منجملہ حدود الٰہیہ فرمایا اور تعدی حدود پر وعید سنائی اور ایک تفسیر پر اس خروج کو بے حیائی فرمایا(جب کہ (خلاصہ مراد یہ ہے کہ آیت میں دو تفسیریں منقول: ہیں ایک یہ کہ استثنا (الا ان یاتین) کا تعلق (ولا یخرجن) سے ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ ان کا گھر سے نکلنا بے حیائی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس استثنا کا تعلق (لا تخرجوھن) سے ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ ان کو گھروں سے نہ نکالو بجز اس کے کہ اُن سے کوئی فعل ایسا سرزد ہو جاوے جس پر سزائے شرعی جاری کرنا ہو اس سزا کے لیے اُن کو باہر نکالا جاوے۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ) یہ استثنا متعلق (لا یخرجن) کے ہو اس سے اور تاکید بڑھ گئی اور دوسری تفسیر پر کہ اقامت حد کے لیے اخراج کا حکم ہو (جب کہ (لا تخرجوھن) کے متعلق ہو) نیز ایک گونہ حکم مذکور کی تاکید ہے کہ صرف شرعی ضرورت سے جو کہ بہت ہی شدید ہے

اخراج کو گوارا کیا اور ماسوائے ضرورت شدیدہ میں اصلی حکم حبس فی البیوت ہی باقی رہا۔

۷. ﴿ والتی یاتین الفاحشة من نساء کم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا﴾ (النساء : ۱۵)

اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں اُن پر چار آدمیوں کو اپنے میں سے گواہ بنالو، اور جب وہ گواہ ہو جاویں تو ان عورتوں کو (**هذا القید یفیده لفظ الامساک کما فی قوله تعالیٰ: ﴿فاذا بلغن اجلهن فامسکوهن﴾ فانه ابقاء الشیء علی حالته الاولیٰ**) بدستور گھروں میں رکھے رہو یہاں تک کہ یا تو موت ان کی جان لے لے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ کرے یعنی حکم ثانی دے دے۔

یہ آیت جس وقت نازل ہوئی تھی حد زنا مقرر نہ ہوئی تھی اس لیے حکم ثانی کے انتظار کا امر فرمایا، اور اس وقت تک یہ حکم فرمایا کہ ان کو گھروں میں بدستور رہنے دو، یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ پہلے سے وہ گھروں میں تھیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی وضع اور مقتضائے فطرت نسواں کی یہی ہے کہ گھروں میں رہیں۔ صرف اس بے حیائی سے احتمال تھا کہ بوجہ غیظ گھر سے نکال کر باہر کر دیں، اس لیے امساک کا حکم دیا کہ ابھی حالت سابقہ پر گھروں میں رکھو۔ چناں چہ اس کے بعد جب حد مقرر ہو گئی تو حکم ثانی معلوم ہو گیا کہ سزا کے لیے حاضر عدالت کی جائیں۔

احادیث

۱. عن ابن مسعود عن النبی صلی الله علیه واله وسلم قال : المراة عورة ، فاذا خرجت استشرفها الشیطان (رواه الترمذی، مشکاة)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سرتا پا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے

شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔

یہ حدیث نہایت بلاغت اور وضاحت سے عورت کو پوشیدہ رہنے اور رکھنے کی تاکیداوراس کے نکلنے کا موجب فتنہ شیطانی ہونا بیان کررہی ہے:

۲. عن ام سلمة انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه واله وسلم و ميمونة اذ اقبل ابن أم مكتوم فدخل عليه، فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم : احتجبا منه، فقلت : يا رسول الله ! اليس هو اعمى لا يبصرنا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم : افعميا وان انتما؟ الستما تبصرانه؟ (رواه احمد و الترمذى و ابو داود، مشكاة)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا) آئے اور اندر آنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ دونوں پردہ میں ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ تو نابینا ہے ہم کو دیکھتا بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم بھی نابینا ہو کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں۔

دیکھئے! باوجودیکہ اس مقام پر کوئی قریب احتمال بھی خرابی کا نہ تھا، کیوں کہ ایک طرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جو مسلمانوں کی مائیں ہیں، دوسری طرف ایک نیک صحابی، پھر وہ بھی نابینا، لیکن اس پر بھی مزید احتیاط کے لیے یا تعلیم اُمت کے لیے آپ نے بیبیوں کو پردہ کرادیا۔ تو جہاں ایسے مواقع تو یہ بھی نہ ہوں وہاں پر کیوں نہ قابل اہتمام ہوگا۔

۳. عن عائشه رضى الله عنها فى قصة طويلة فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم: هو لک يا عبد بن زمعة! الولد للفراش

وللعاهر الحجر، ثم قال لسودة بنت زمعة: احتجبی منه لما رای من شبهه بعتبة فما راها حتى لقى الله (متفق علیه، مشکاۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قصہ طویل میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (مقدمہ) سعد اور عبد بن زمعہ میں فیصلہ کے لیے یہ فرمایا کہ یہ لڑکا تم کو دیا گیا اے عبداللہ بن زمعہ، کیوں کہ اولاد حق صاحب فراش کا ہے اور بدکار کے لیے پتھر۔ پھر آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اس لڑکے سے چھپا کرو، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس لڑکے کی صورت عتبہ سے ملتی دیکھی، پھر وہ لڑکا مرتے دم تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے نہیں پایا۔

یہ لڑکا زمعہ کی لونڈی کا تھا جو عتبہ کے نطفہ ناجائز سے پیدا ہوا تھا۔ عتبہ کے مرنے کے بعد برادر عتبہ نے اس لڑکے کے بھتیجا ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس زمعہ کے ایک بیٹا تھا عبد، اس نے اس لڑکے کا بھائی ہونے کا اس بنا پر دعویٰ کیا کہ میرے باپ کی ایسی لونڈی سے پیدا ہوا جو میرے باپ کے استعمال میں رہتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے موافق قانون شرعی کے کہ نطفہ حلال سے نسب ثابت ہوتا ہے نطفہ حرام سے نہیں ہوتا، اس لڑکے کو عبد بن زمعہ کا بھائی قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بی بی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ان ہی زمعہ کی بیٹی ہیں تو اس قاعدے کے موافق وہ لڑکا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا، اور محرم ہونے کی وجہ سے پردہ کی ضرورت نہ تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے احتیاطاً بوجہ مشابہت شکل حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حکم پردہ کا فرمایا جس پر بہت پابندی کے ساتھ عمل کیا گیا۔

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ پردہ کا اس درجہ شدت سے اہتمام تھا کہ خفیف شبہ پر بھی احتیاط کی جاتی تھی۔

۴. عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه والہ

وسلم : ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل:یا رسول اللہ! ارایت الحمو؟ قال: الحمو الموت (متفق علیه، مشکاۃ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے پاس آمد ورفت رکھنے سے بچا کرو، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! بھلا دیور کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: دیور تو پوری موت ہے۔

اس حدیث میں بے ضرورت و بے تکلف عورتوں کے پاس آمد ورفت رکھنے کو حرام فرمایا ہے۔ اور فطرت صحیح اور دلالت صریحہ سے ثابت ہے کہ اس آمد ورفت کا عمدہ انسداد یہ پردہ مروجہ ہے ورنہ اور کوئی امر اس درجہ کا مانع قوی نہیں۔

چناں چہ مشاہدہ ہے کہ جب پردہ مروجہ نہ ہوگا یہ بے محابا آمد ورفت بھی ضرور رہے گی، اور ایسی آمد ورفت حرام ہے تو بے پردگی جو اسکا ذریعہ ہے نیز حرام ہے (نمبر ۳۔ اصول موضوعہ) پس پردہ مروجہ واجب ہے۔

۵. عن عمر عن النبی صلی اللہ علیه واله وسلم قال: لا یخلون رجل بامراۃ الا کان ثالثھما الشیطان (رواہ الترمذی مشکاۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہا جگہ میں بیٹھے گا وہاں تیسرا شیطان ضرور ہوگا۔

یہاں بھی مثل حدیث (۴) کے تقریر ہے کہ نامحرم مرد و عورت کا تنہا جگہ پر بیٹھنا حرام ہے۔ اور اگر پردہ نہ ہو تو عادت اور مشاہدہ شاہد ہے کہ ہرگز اس میں احتیاط نہ کی جائے گی۔ بالخصوص آج کل کے بے باک اور آزاد طبائع سے یہ امر یقینی ہے۔ پس بے پردگی ذریعہ ہوگی اس تنہائی کی اور یہ تنہائی حرام تو اس کا ذریعہ بھی حرام (نمبر ۳۔ اصول موضوعہ) پس پردہ مروجہ واجب ہے۔

۶. عن الحسن مرسلا قال : بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت حسن رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اُس پر (جو بری نظر سے) دیکھے، اور اس پر بھی جس کو دیکھے، یعنی وہ اگر بے احتیاطی کرے۔

یہاں بھی وہی تقریر ہے کہ نظر کرنا اور کرانا حرام ہے۔ اور بے پردگی یقیناً اس کا ذریعہ ہوگی تو وہ بھی حرام ہے۔ (نمبر ۳۔ اصول موضوعہ) پس پردہ واجب ہے۔

۷. عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وعلیھا ثیاب رقاق، فاعرض عنھا وقال: یا اسماء ! ان المراۃ اذا بلغت المحیض لن یصلح ان یری منھا الا ھذا وھذا، واشار الی وجھہ وکفیہ (رواہ ابو داود و مشکاۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُن کی بہن اسماء حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس وقت اُن کے بدن پر باریک کپڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اُن سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے پھر بجز چہرہ اور کفین کے اور کوئی چیز اس کی نظر نہ آنا چاہیے۔

اس میں بھی وہی تقریر ہے کہ عورت کو ایسا باریک کپڑا پہننا جس میں بدن جھلکے حرام اور بے پردگی میں بمقتضائے تکلف وزینت طبعی خصوصاً طبیعت زنان ہند ضرور نا محرم کے روبرو باریک کپڑے پہنے جائیں گے اور یہ حرام۔ پس بے پردگی بھی حرام۔ (نمبر ۳۔ اصول موضوعہ) بتقریر دیگر حدیث میں تصریح ہے کہ سر کھولنا حرام اور حسب عادت بے پردگی میں سر کا کھلنا یقینی پس بے پردگی حرام ہوئی۔

(نمبر ۳۔ اصول موضوعہ) پس پردہ واجب ہوا۔ چوں کہ وجہ (چہرہ اور دونوں

ہتھیلیاں) اور کفین کے مستور ہونے کا حکم اصلی ہونا واضح اور کافی طور پر اوپر مختلف پہلوؤں سے ثابت ہو چکا، اس لیے یہ استثنا یقیناً یا قبل نزول حکم حجاب ہے (نمبرا۔ اصول موضوعہ) یا حالت ضرورت میں یہ رخصت ہے۔ (نمبر۲۔اصول موضوعہ) اور کثرت سے ایسی احادیث صحاح میں موجود ہیں جن میں عورت کو نامحرم مرد کے سامنے خوشبو لگانے کی ممانعت اور نماز گھروں کے اندر پڑھنے کی ترغیب اور گھر کے اندر جو اور گھر ہوتا ہے اس میں پڑھنے کی زیادہ فضیلت اور سر کھولنے کی حرمت اور نامحرم کے روبرو اظہار زینت کی ممانعت اور نظر بد کا زنا ہونا وغیرہ وغیرہ مذکور ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکم اصلی پورا پردہ ہے اور بے پردگی ذریعہ مفاسد بے شمار کا ہے۔ اور جہاں کہیں انکشاف (چہرہ کھولنے یا باہر نکلنے کا) وجہ خروج کا اذن ہوا ہے وہ محض ضرورت یا کسی اسلامی مصلحت کی وجہ سے ہوا ہے وہ بھی بڑی قیدوں اور شرطوں سے اور بعض جگہ قبل حکم حجاب کے ہے۔ (نمبر۱،۲،۳۔اصول موضوعہ)

تیسرا حصہ تحقیق لباس ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن وبنات مقدسات

اوپر آیت (۳) سے جلبات یعنی چادر اور آیت (۴) سے خمار یعنی سر بند کا رواج ہونا عرب میں معلوم ہوا ہے۔ اب خصوصیت کے ساتھ حدیثوں سے اس کا پتا لکھا جاتا ہے:

۱.عن ام سلمة ان النبی صلی اللہ علیه واله وسلم دخل علیها وهی تختمر، فقال : لیة لا لیتین (رواه ابو داود، مشکاة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ (زوجہ مطہرہ) رضی اللہ عنہا کو سر بند باندھتے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ایک پھیر لپیٹنا دو پھیر نہیں تاکہ مردوں کے عمامہ کے مشابہ نہ ہو جائے۔

۲. ودخلت علی عائشة رضی الله عنها وعلیها درع قطری، الحدیث (رواه البخاری، مشکاة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (زوجہ مطہرہ) پر ایک درع موٹا بنا ہوا دیکھا۔

''قاموس'' میں درع کی تفسیر قمیص کی ہے اور ''مغرب'' میں ما یلبس فوق القمیص (وہ کپڑا جو کرتہ کے اوپر پہنا جاوے) کی ہے۔ (المرقاۃ)

۳. عن ام سلمة قالت لرسول الله صلی الله علیه واله وسلم حین ذکر الازار فالمراة یا رسول الله قال: ترخی شبرا، فقالت: اذا تنکشف اقدامهن، قال: فیرخین ذراعا (رواه ابو داود، مشکاة)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لنگی کا بیان فرمایا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (زوجہ مطہرہ) نے عرض کیا: عورت کتنی نیچے رکھے؟

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا (کہ نصف ساق سے) ایک بالشت، انہوں نے عرض کیا کہ کبھی کبھی قدم کھل جائے گا، فرمایا: تو ایک ہاتھ۔

۴. قالت امراة: یا رسول الله! احدانا لیس لها جلباب، قال: لتلبسها صاحبتها من جلبابها (متفق علیه، مشکاة)

ایک عورت نے عرض کیا کہ بعض عورت کے پاس چادرہ نہیں ہوتا۔ دوسری اپنے چادرے میں سے اُڑھا دیوے۔

۵. فلیلبس السراویل (النسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حالت (احرام میں مردوں کو) پائجامہ پہننے کی اجازت دی ہے۔

حدیث نمبر ا سے سر بند اور ۲ سے کرتا اور شلوار اور ۳ سے لنگی اور ۴ سے چادرہ اور ۵ سے پائجامہ کا رواج اس زمانے میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہی غالب تھے۔ جن میں

سے جلباب تو اکثر باہر جانے کے وقت ضروری سمجھ کر بجائے برقع کے پہنا جاتا تھا۔ باقی کپڑے گھروں میں ہر وقت پہنتے تھے جس میں بجز وجہ وکفین کے تمام بدن پوشیدہ رہتا تھا۔ اور وجہ اور کفین کا یہ انتظام کیا گیا تھا کہ بلا پکارے اور پوچھے گھروں میں آنے کی ممانعت تھی، اس وقت پوری احتیاط ہو جاتی تھی۔

جیسا آیت ۵ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ اور مسئلہ استیذ ان میں حدیثیں بکثرت آئی ہیں اور جلباب کا ساتر (یعنی جلباب سے چہرہ اور ہاتھوں کو ڈھانپنا آیت میں لفظ (یدنین) سے صاف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس لفظ کی یہی تفسیر کی گئی ہے کہ تمام بدن اُس میں مستور ہو صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی رہے، کذا روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ۔محمد شفیع عفا اللہ عنہ) وجہ اور کفین ہونا (یدنین) سے صاف واضح ہے جیسا آیت ۳ میں ذکر ہوا۔

چوتھا حصہ اس زمانہ کے پردہ کی حد

ہر چند کہ آیات واحادیث مذکورہ بالا سے خود اس سوال کا جواب نکل آیا، لیکن خاص طور پر ایک آدھ اور بھی نقل کیے دیتا ہوں۔

۱. عن ام عطية رضی الله عنها قالت: امرنا ان نخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور (الحدیث)

حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا حیض والی عورتوں اور پردہ نشین عورتوں کو عیدین کے روز باہر لے جانے کا۔

ذوات الخدور میں دلالت واضح ہے کہ اس وقت پردہ کا یہی حد اور ہیئت تھی جواب ہے۔ اور یہ باہر لے جانا بغرض اظہار شوکت اسلامی تھا نہ حکم اصلی ۔ (نمبر۲۔ اصول موضوعہ) یہی وجہ ہے کہ حیض والیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ صحابہ اپنے نور فہم سے اس کا حکم غیر اصلی ہونا سمجھ کر اپنے وقت میں عزیمت پر عامل ہو گئے۔ جیسا حدیثوں میں آیا ہے۔

۲. عن عائشة رضی الله عنها قالت: اومت امراة من وراء ستر بیدها کتاب الی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم

(الحدیث رواه ابوداؤد والنسائی والمشکوة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بی بی کے ہاتھ میں خط تھا، اس نے پردے کے پیچھے سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف دینے کے لیے بڑھایا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت کی عورتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بھی ایسا ہی پردہ کرتی تھیں، بلکہ حدیث افک (اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جو "صحیح بخاری" میں مفصل مذکور ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سفر کی کیفیت اس طرح بیان کرتی ہیں کہ فخرجت مع رسول الله صلی الله علیه واله وسلم بعد ما انزل الحجاب فكنت احمل فی هودجی وانزل فیه ، الحدیث اس میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا صراحتاً نزول حجاب کے ذکر کے ساتھ اپنے سفر میں جانے اور سواری پر چڑھنے اترنے کی کیفیت بیان فرماتی ہیں کہ شغدف اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا ہے اور اسی طرح اترنے کے وقت شغدف چند آدمی اتار کر زمین پر رکھ دیتے تھے اور میں اسی شغدف میں بیٹھی رہتی تھی، جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت بھی پردہ کی یہی کیفیت وصورت تھی جو اب عام شرفا میں مروج ہے۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خالی ہودج کو بھرا گمان کر کے باندھ دینے سے اس وقت کی ڈولی کی رسم اور کہاروں سے بی بی کے نہ بولنے کی تائید نہایت محکم ہے۔

۳. عن ابی السائب عن ابی سعید الخدری فی قصة الفتی حدیث العهد بعرس فاذا امراته بین البابین قائمة فاهوی الیها بالرمح لیطعنها به واصابته غیرة ، الحدیث (رواه مسلم ، مشکاة)

حضرت ابی السائب نے ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک

نوشہ صحابی کے قصہ میں ہے کہ وہ اپنے گھر گئے تو بی بی کو دروازہ میں کھڑے دیکھ کر غیرت آئی اور نیزہ سے مارنا چاہا (آخر سانپ کی وجہ سے باہر نکلنے کی مجبوری معلوم ہوئی)۔

معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی رسم اس درجہ طبائع میں مرکوز تھی کہ دروازے ہی میں کھڑے ہونے پر بے تاب ہوگئے۔

پانچواں حصہ پردۂ مروجہ کی ابتدا

۱۔ عن انس فی قصة تزوج زینب من الحدیث الطویل: قال: فرجعت فاذا هم قد قاموا، فضرب بینی وبینه الستر وانزل آیة الحجاب (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ قصہ نکاح حضرت ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں راوی ہیں کہ پھر وہ دعوت کھانے والے چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم جو تشریف لائے تو اپنے اور میرے درمیان پردہ لٹکا دیا اور آیت پردہ کی نازل ہوگئی۔

اس سے ابتدا معلوم ہوگئی کہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو وحی سے اس کی تعلیم کی گئی، بلکہ "مسلم" کی دو حدیثوں میں تصریح ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طبعاً تقاضا تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کسی کے سامنے نہ آنے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی بلند نظری سے التفات نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ وحی نازل ہوئی۔ پھر خود آپ نے نہایت تاکیدی احکام خاص و عام جاری فرمائے جن کی تفصیل باحسن واکمل وجوہ ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے۔ اس سے زیادہ بھی تفصیل ممکن ہے مگر میں نے روایت اور درایت (یعنی عقل ونقل) دونوں میں قصداً کافی سمجھ کر اختصار کیا۔ آخر میں اس قول کے متعلق کہ شاید کچھ لکھوں اس قدر کہنا ضروری ہے کہ اگر اس سے کسی جزو میں اختلاف ہو تو کتابت عام سے پہلے کتابت خاص کر لینا بہتر ہے۔

والسلام والدعاء فقط راقم اشرف علی لآخر یوم من آخر شهر من ۱۳۲۲ ہجری

(3)

القاء السکینة فی تحقیق ابداء الزینة

سوال: (حضرت حکیم الامت مدظلہم نے جواب اس تقدیر پر تحریر فرمایا ہے کہ (زینتھن) کی تفسیر وجہ وکفین کے ساتھ تسلیم کرلی جائے۔

اس کے بعد دوسرا جواب ص: ۹۶ سے مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی صدر مدرس مدرسہ یوسفیہ مینڈر کا درج ہے اس تقدیر پر کہ (زینتھن) کی تفسیر وجہ وکفین کے ساتھ تسلیم نہ کی جائے) بعض لوگوں نے آیت نور (لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) میں (ما ظھر منھا) کی تفسیر جو وجہ وکفین کے ساتھ منقول ہے، اس سے عدم وجوب استتار وجہ وکفین پر استدلال کیا ہے۔ آیا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اول تو (ما ظھر منھا) کی یہ تفسیر متعین نہیں، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر ثیاب وجلباب کے ساتھ منقول ہے: والقو لان مع اقوال اخر منقولان فی " الدر المنثور"

جب یہ تفسیر محتمل ہوئی تو محتمل سے استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ قول اخیر پر وجہ و کفین کے استثنا کی آیت میں کوئی دلیل ہی نہیں، اور بعد تسلیم بھی یہ استدلال باطل ہے۔ اور منشا اس کا جہل ہے پانچ امر سے:

۱۔ خود جملہ (ما ظھر منھا) کے معنی سے بھی۔

۲۔ و ۳۔ اور (لا یبدین) کے سباق بالموحدہ وسیاق بالمثناۃ التحتانیہ سے بھی۔

۴۔و۵۔ اور اس آیت سے مقدم فی النزول بعض آیات سے بھی اور دوسری موخر فی التلاوۃ غیر معلوم التقدم والتاخر فی النزول آیت سے بھی۔ چناں چہ سب کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

امر اول: (**ما ظھر**) فرمانا اور **ما اظھرن** نہ فرمانا (باوجود یکہ اور سب صیغ مذکورۃ فی الایۃ میں فاعل ''نساء'' کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے: (**یغضضن، یحفظن، لا یبدین، یضربن بخمرھن، لا یضربن بارجلھن**) دال ہے اس پر کہ یہ ظہور من غیر اظہار ہے۔

امر ثانی: (**یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن**)

امر ثالث: (**ولا یضربن بارجلھن**)

امر رابع: سورۂ احزاب کی (جو کہ سورۂ نور سے نزول میں مقدم ہے۔ کذا فی ''الاتقان'') آیتیں قولہ تعالیٰ: (**وقرن فی بیوتکن**) **وقولہ تعالیٰ: (واذا سالتموھن متاعا) وقولہ تعالیٰ (یدنین علیھن من جلابیبھن)**

امر خامس: آیت (**والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا**) اور چوں کہ ان امور خمسہ میں کوئی تعارض نہیں کما سیتضح اور اسی لیے کسی نے ان میں موخر کو مقدم کا ناسخ نہیں کیا، اس لیے یہ پانچوں واجب الاخذ ہوں گے۔ پس مجموعہ امور خمسہ پر نظر کر کے تقریر مقام کی یہ ہوگی کہ آیت (**وقرن فی بیوتکن**) اور آیت (**واذا سالتموھن**) سے عورتوں پر استتار اشخاص کا واجب کیا گیا۔ اور اصل حکم اور عزیمت یہی ہے، لیکن کبھی خروج عن البیت کی بھی حاجت واقع ہوتی ہے، ایسی حالت میں (**یدنین علیھن من جلابیبھن**) سے اظہار اشخاص میں رخصت دی گئی اور استتار ابدان کو واجب فرمایا گیا۔ پھر کبھی گھر سے باہر بعض کو جن کے پاس خادم ہوں بعضے ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے جو ہاتھ سے کیے جاتے ہیں اور اس لیے ہاتھ کا استتار موجب حرج ہوتا ہے اور کام کرنے کے وقت اس کام کے دیکھنے

کی بھی حاجت ہوتی ہے اور گھونگٹ سے منہ چھپانے میں وہ گھونگھٹ ابصار میں حائل ہوجاتا ہے، اور اس لیے چہرہ کا استتار بھی موجب حرج ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں (**الا ما ظھر منھا**) سے بنا بر تفسیر مشہور صرف اظہار وجہ وکفین کی رخصت دی گئی اور بقیہ بدن کے استتار کو واجب فرمایا گیا۔ اور چوں کہ یہ ضرورت بوجہ خدمت مولا کے اماء میں زیادہ وسیع تھی اُس کی رخصت میں زائد توسیع کی گئی **کما ھو مبسوط فی کتب الفقه** پس جواز اظہار وجہ وکفین صرف حالت حرج فی الاستتار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور بعض نے قدمین کو بھی کفین کے ساتھ ملحق کیا ہے اور بعض نے لبس خفین کے مانع مشی نہ ہونے کو دونوں میں فارق بتلایا ہے اور اس تخصیص بحالۃ الحرج پر دلائل مستقلہ کے علاوہ خود صیغہ (ظھر) میں بھی دلالت ہے، جس کی توجیہ یہ ہے کہ عورت اپنے کسی عضو کو جو کہ تفسیر ہے زینت کی (خواہ بالمطابقۃ گو مجازاً ہی ہو خواہ باالا لتزام **المعتبر عند اھل العربیة** اس طرح کہ جب زینت کا جو کہ مبائن ملابس ہے اظہار جائز نہیں تو مواضع زینت جو کہ جزو ہے اظہار کا کیسے جائز (ہوگا)، ہرگز ظاہر نہ کرے (وھذا مدلول قولہ تعالیٰ: (ولا یبدین زینتھن) لیکن اگر ایسی حالت ہو کہ اس میں وجہ وکفین کا استتار ایسا دشوار ہو کہ اگر یہ استتار کا قصد واہتمام بھی کرتی ہے تب بھی وہ اضطراراً بلا قصد اظہار خود بخود ظاہر ہوجاتے ہوں، کیوں کہ اس ضروری کام کے ساتھ استتار جمع نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں بمعیار **الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ** اُس عارض کے سبب اُسی قدر اُن کے کشف کی اجازت ہے۔

پس یہ حکم عارض کے سبب ہے اور اصلی حکم وہی استتار ہے۔ پس استتار کے یہ معنی ہیں، نہ یہ کہ اصلی حکم بالقصد وجہ وکفین کا کشف ہو اور استتار کسی عارض سے ہو۔ اور اس کا احتمال کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مقام اپنے سیاق وسباق سے انسداد فتنہ کو مقصود بتلا رہا ہے۔ چناں چہ (یغضضن) اور (یحفظن) اور (ولا یضربن بارجلھن) سب

اس انسداد کی مقصودیت میں نص ہیں۔اور احادیث نے تو فتنہ کے اسباب بعیدہ تک کا انسداد کیا ہے، تو ایسی حالت میں وجہ وکفین اور خصوص وجہ کا (جو کہ مبنیٰ ہے تمام فتن کا اور اس کا انکار نہ صرف بصیرت بلکہ بصارت کے فقدان کا بھی اقرار ہے،، قصداً انکشاف آیت کا مدلول کیوں کر ہوسکتا ہے؟ کیا کوئی صحیح العقل بلکہ صحیح الحواس اس کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ ساعد اور بازو کے اظہار میں چہرہ کے اظہار سے زیادہ فتنہ ہے کہ اُن کا تو ستر واجب کیا گیا اور چہرہ کا ستر واجب نہیں کیا گیا ورنہ اجزا آیت میں تعارف ہو جاوے گا جو کہ ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی ممتنع ہے تو حکیم علی الاطلاق کے کلام میں کیسے جائز ہوگا؟ اور یہ مسئلہ خود مستقل ہے کہ وجوب استتار وجہ وکفین اور وجوب استتار بقیہ بدن یہ دونوں وجوب ایک نوع سے ہیں یا دو نوع سے، مثل فرض علمی وعملی کے جس کا مشہور عنوان یہ ہے کہ ان میں کون عضو عورت فی نفسہ ہے کون نہیں؟ سو یہاں اس سے بحث نہیں، جو امر یہاں مقصود ہے یعنی مطلق وجوب استتار اُس میں یہ سب برابر ہیں جیسے عورت غلیظہ وعورت غیر غلیظہ نفس وجوب ستر میں برابر ہیں۔مگر غلظ اور عدم غلظ میں متفاوت ہیں اور چوں کہ عادتاً ہاتھ سے کام کرنے میں اگر خاص طور پر خیال نہ رکھا جاوے سر اور گلا کھل جاتا ہے، اس لیے (ولیضربن بخمرھن) سے اس کا انتظام فرمادیا۔پھر یہ حکم اصلی وجوب استتار وجہ وکفین بنا بر اطلاق الفاظ آیت عام تھا شواب وعجائز کے لیے، آیت (والقواعد من النساء) نے اس وجوب سے عجائز کو مخصوص ومستثنیٰ کردیا گو استحباب اُن کے لیے بھی ثابت ہے۔لقولہ تعالیٰ (وان یستعففن خیر لھن) باقی وجہ وکفین کے علاوہ وہ بقیہ بدن کا وجوب استتار اب بھی عام ہے۔چناں چہ سر وغیرہ کھولنا عجائز کے لیے حرام ہے اور آیت (والقواعد) کو مخصص کہنے کا مبنیٰ وہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب خصوص کی دلیل کلام مستقل موصول ہو تو وہ دلیل عام کے لیے مخصص ہوجاتی ہے، اور غیر معلوم التراخی حکم موصول میں ہے۔

پس بعد تخصیص حاصل حکم کا یہ ہوا کہ شواب کے لیے تو استتار وجہ و کفین بجز موقع حرج بحالہ واجب رہا اور عجائز کے لیے صرف مستحب، ورنہ اگر شواب کے لیے بھی وجہ و کفین کا کشف جائز ہوتا تو پھر آیت میں (والقواعد) کی تخصیص بے کار تھی۔ اس تقریر سے استدلال کا سقوط واضح ہو گیا اور یہ سب احکام جانب کے اعتبار سے تھے اور محارم وامثالہم کا حکم دوسرے جملہ (ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن) میں مذکور ہوا ہے جس کی تقریر ''بیان القرآن'' میں ہے۔ اس تقریر کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ نہ کسی محق پر کوئی اشکال واعضال رہا نہ کسی مبطل کے لیے مجال مقال کا رہا۔

فقط ثانی ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری

تنبیہ: اور یہ سب تفصیل جواز یا عدم جواز انکشاف للا جانب یا للا قارب عورت کے فعل میں ہے، باقی مرد کا جو فعل ہے نظر کرنا اُس کا جدا حکم ہے یعنی جواز انکشاف جواز نظر کو مستلزم نہیں، پس جس صورت میں عورت کو کسی عضو کا کھولنا جائز ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو اُس کا دیکھنا بھی جائز ہو، بلکہ وہ محل محرم میں یا احتمال شہوت میں بحالہ غض بصر کا مامور رہے گا۔ چنانچہ خود آیت میں اس عدم استلزام کی دلیل موجود ہے یعنی مرد کا بدن بجز مابین السرہ والرکبہ جائز الانکشاف ہے مگر عورت کو پھر بھی حکم ہے۔ (یغضضن من ابصارھن) خوب سمجھ لو۔ فقط ثانی ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری

الحصون الحصینة
فی تسهیل القاء السکینة

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیة، واقف الاسرار الفرقانیة،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعة والطریقة، بحر المعرفة والحقیقة کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ
مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ
نور اللہ مرقدہ وجعل الجنة مثواہ

الحصون الحصینۃ

فی تسہیل القاء السکینۃ

ازمولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی

بعد الحمد و الصلاۃ، حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ والدین مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے پردہ کی تحقیق میں ایک سوال کا محققانہ جواب تحریر فرمایا تھا جو ''القاء السکینۃ'' کے نام سے ملقب ہے۔ مکرمی مولوی محمد حسن صاحب مالک ''انوار المطابع'' لکھنو نے احقر ظفر سے فرمائش کی کہ اگر اس عالمانہ محققانہ مضمون کو سہل عنوان سے لکھ دیا جائے تو عوام کو نفع کی زیادہ اُمید ہے۔ اس لیے بنامِ خدا اس کام کو میں نے اپنے سر لے لیا۔ اللہ تعالیٰ ممدوح کی تمنا کو پورا کرے اور خوبی کے ساتھ عام فہم عبارت سے اس تسہیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال: سورۂ نور کی آیت (ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) (اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اُس میں سے کھل جاوے) سے پردہ مروجہ کے مخالف اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھوں کا چھپانا عورتوں پر واجب نہیں، بلکہ اُن کو کھلے منہ مردوں کے سامنے آنا جائز ہے۔ کیوں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اول تو عورتوں کو زینت کے ظاہر کرنے سے منع فرمایا ہے پھر (الا ما ظھر منھا) میں اُن اعضا کے کھولنے کی اجازت دی جو کھلے ہی رہتے ہیں۔ اور اس کی تفسیر

میں مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ (الا ما ظهر منها) سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ استدلال ہرگز صحیح نہیں، کیوں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی آیت یا حدیث کے ایک معنی بیان کر کے اُس سے کسی مضمون پر استدلال کرنا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ آیت یا حدیث میں اس معنی کے سوا دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، بلکہ یہی معنی متعین ہوں جو بیان کیے جاتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا بلکہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہوا تو اس صورت میں ایک معنی آیت کے قائم کر کے استدلال صحیح نہ ہوگا۔ اور اس مقام پر ایسا ہی کیا گیا ہے، کیوں کہ (الا ما ظهر منها) کی تفسیر چہرہ اور ہتھیلیوں کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر لباس اور چادر کے ساتھ منقول ہے۔ چناں چہ درمنثور'' میں یہ دونوں قول مع دیگر اقوال کے مذکور ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ عورتیں اپنی زینت کو جس میں لباس بھی آ گیا ظاہر نہ کریں۔ ہاں اُس میں سے اُس زینت کو ظاہر کر سکتی ہیں جو ظاہر ہو، مثل اوپر کی چادر وغیرہ کے (بشرطیکہ وہ بھی میلی کچیلی ہو جیسا حدیثوں میں آیا ہے۔ تو جب (الا ما ظهر منها) کی تفسیر میں چند اقوال ہیں اور اس کے وہی ایک معنی متعین نہیں جو مخالفان پردہ نے بیان کیے ہیں۔ بلکہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے تو اس صورت میں اُن کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا، کیوں کہ دوسرے قول پر تو چہرہ اور ہاتھوں کے مستثنیٰ ہونے کی آیت میں کوئی دلیل ہی نہیں، بلکہ اس قول پر (الا ما ظهر منها) سے صرف اوپر کی چادر وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ (الا ما ظهر منها) کی تفسیر وہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے

جب بھی اس سے مخالفان پردہ کا یہ ثابت کرنا کہ عورتوں کو چہرہ کھول کر مردوں کے سامنے آنا مطلقاً جائز ہے، بالکل غلط اور باطل ہے، جس کا منشا ان استدلال کرنے والوں کی چند امور سے ناواقفی اور بے خبری ہے:

۱۔خود (ما ظھر منھا) کے معنی سے کہ اُن لوگوں نے اس جملہ کے معنی ہی کو نہیں سمجھا۔

۲۔و۳۔ان لوگوں نے آیت (لا یبدین) سے قبل اور بعد کے مضمون کو نہیں دیکھا یا اس میں غور نہیں کیا۔

۴۔و۵۔ان لوگوں نے اُن آیتوں کو بھی نہیں سمجھا جو اس آیت سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اور اُن آیتوں کو بھی نہیں سمجھا جو تلاوت میں اس کے بعد ہیں اور نزول میں ان کا مقدم یا موخر ہونا معلوم نہیں۔ان سب امور کی نمبروار تفصیل یہ ہے:

امر اول: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جتنے صیغے استعمال فرمائے ہیں سب میں عورتوں کو فاعل قرار دیا گیا ہے۔جیسے ارشاد ہے: (یغضضن من ابصارھن) کہ عورتیں اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں (یحفظن فروجھن) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں (ولا یبدین زینتھن) اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں (ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن) اور اپنے دوپٹے اور اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں (ولا یضربن بارجلھن) اور اپنے پیروں کو (زمین پر زور سے) نہ ماریں، اُن سب صیغوں میں عورتوں کے کسی نہ کسی فعل کا ذکر ہے مگر (الا ما ظھر منھا) میں ایسا صیغہ اختیار کیا گیا ہے جس میں عورتوں کے کسی فعل کا بھی ذکر نہیں، کیوں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے ”مگر وہ زینت جو ظاہر ہو جائے“۔

اس سے معلوم ہوا کہ (الا ما ظھر منھا) میں زینت کا وہ ظہور مراد ہے جس میں عورتوں کے فعل کو اصلاً دخل نہیں (بلکہ بدوں اُن کے ارادہ کے ظاہر ہو جائے) ورنہ دوسرے صیغوں کی طرح یہاں بھی (ما اظھرن) فرماتے (کہ جس زینت کو عورتیں

ظاہر کریں وہ مستثنیٰ ہے) مگر قرآن مجید میں (ما اظھرن) نہیں ہے (ما ظھر) آیا ہے جس میں عورتوں کی طرف ظہور کی نسبت نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں وہ ظہور مراد ہے جو بدوں عورتوں کے قصد وارادہ کے ہو۔

امر دوم: ان لوگوں نے آیت (لا یبدین زینتھن) سے پہلے (یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن) کو نہیں سمجھا (جس میں عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے اور عفت وعصمت کی حفاظت کرنے کا حکم ہے۔ اگر وہ اس کو سمجھتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں پردہ کے متعلق جس قدر احکام ہیں سب سے مقصود عورتوں کی عفت و عصمت کی حفاظت ہے۔ پھر آیت (ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) کا یہ مطلب کیوں کر ہو سکتا ہے کہ عورتیں چہرہ کھول کر مردوں کے سامنے بلا تکلف آیا کریں، کیوں کہ اس میں مطلقاً اجازت دینے سے وہ مقصود فوت ہو جاتا ہے جو اس مقام پر اصل مقصود ہے۔ یعنی حفاظت عفت اور فتنہ کا انسداد، کیوں کہ چہرہ کھول کر بے تکلف عورتوں کا مردوں کے سامنے آنا سخت فتنہ پیدا کرنے والا ہے جس کے ساتھ حفاظت عفت دشوار اور سخت دشوار ہے۔

امر سوم: ان لوگوں نے (ولا یبدین زینتھن) کے بعد (ولا یضربن بارجلھن) کو بھی نہیں دیکھا (جس میں پردہ کا اس درجہ اہتمام کا حکم ہے کہ عورتوں کو زمین پر زور سے پیر مار کر چلنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس حکم کا منشا بھی یہی ہے کہ فتنہ کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے۔ اور عورتوں کا زور سے زمین پر پیر مار کر چلنا فتنہ کا سبب تھا ،اس لیے اس سے منع کیا گیا۔ پھر (الا ما ظھر منھا) کا یہ مطلب کب ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھول کر آنے کی مطلقاً اجازت ہے۔ کیا اس میں اُس سے بڑھ کر فتنہ نہیں جتنا زور سے پیر مار کر چلنے میں ہے؟

امر چہارم: ان لوگوں نے سورۂ احزاب کی چند آیتوں میں بھی غور نہیں کیا جس کا

نزول سورۂ نور سے پہلے ہوا ہے (جیسا کہ ''اتقان'' میں بیان کیا ہے) اور وہ آیتیں یہ ہیں (**وقرن فی بیوتکن**) (ترجمہ) اور اے بیبیو! تم اپنے گھروں میں رہو۔ اور (**واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب**) اور اے مردو! جب تم مستورات سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی آڑ میں ہو کر مانگو اور (**یدنین علیھن من جلابیبھن**) کہ عورتیں اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں۔ (اگر وہ ان آیتوں میں تامل کرتے تو ہرگز اس دعویٰ کی جرات نہ کرتے کہ عوتوں کو چہرے کھول کر مردوں کے سامنے آنا مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ ان آیات میں صاف طور پر مردوں کو عورتوں سے پردہ کی آڑ میں رہ کر بات چیت کرنے کا اور عورتوں کو گھروں میں رہنے کا اور (ضرورت سے باہر نکلیں تو) چادر اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے۔ اگر چہرہ کھول کر مردوں کے سامنے آنا مطلقاً جائز ہوتا تو ان احکام کی کیا ضرورت تھی۔

امر پنجم: ان لوگوں نے آیت (**والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا**) کو بھی نہیں دیکھا جو تلاوت میں آیت (**لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا**) سے موخر ہے اور یہ معلوم نہیں کہ نزول میں مقدم ہے یا موخر۔ اگر یہ لوگ اس آیت کو دیکھتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت صرف اُن بڑی بوڑھی عورتوں کو ہے جن میں نکاح کی قابلیت نہیں رہی۔ اور مستحب اُن کے واسطہ بھی یہی ہے کہ اس سے احتیاط رکھیں، پھر کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ جوان عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی مطلقاً اجازت ہے۔

یہاں تک اُن پانچ امور کی تفصیل تھی جن سے ناواقفی اور بے خبری اس دعویٰ کا منشا ہوا ہے جو اس وقت مخالفان پردہ نے کیا ہے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ان سب احکام میں جو پانچ نمبروں کے تحت میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں باہم کچھ تعارض نہیں، کیوں کہ یہ سب امور جمع ہو سکتے

ہیں جیسا کہ آئندہ تقریر سے واضح ہو جائے گا۔ اور جو چیزیں باہم جمع ہوسکیں اُن میں تعارض کا دعویٰ کرنا یا اس بنا پر نسخ کا دعویٰ کرنا محض غلط ہے۔ اور اس لیے کسی نے ان آیتوں میں سے پچھلی آیتوں کو پہلی آیتوں کا ناسخ نہیں کہا، اس لیے ان سب آیتوں کا اختیار کرنا اور اُن پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

پس ان مجموعہ احکام پر نظر کر کے جو کہ پانچ نمبروں میں مذکور ہوئے۔ پردہ کے حکم کی تقریر یہ ہوگی کہ آیت (وقرن فی بیوتکن) اور آیت (واذا سالتموھن متاعا) میں تو عورتوں نے اپنی ذات کا چھپانا واجب کیا گیا ہے (کہ اجنبی مردوں کے سامنے کسی طرح بھی نہ آئیں) اور اصلی حکم یہی ہے لیکن کبھی مجبوری کی حالت میں گھر سے باہر نکلنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

ایسی حالت میں آیت (یدنین علیھن من جلابیبھن) سے عورتوں کو مردوں کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی، مگر چادر گھونگھٹ وغیرہ سے تمام بدن کا چھپانا واجب کیا گیا۔ پھر کبھی بعض ایسی عورتوں کو جن کے پاس نوکر خادم نہ ہوں گھر سے باہر بعضے ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے جو ہاتھ سے کیے جاتے ہیں، اور اس حالت میں ہاتھوں کے چھپانے میں دقت و دشواری ہوتی ہے۔

پھر گھر سے باہر کام کرنے کے وقت اُس کام کو آنکھوں سے بھی دیکھنے کی حاجت ہوتی ہے اور گھونگٹ سے منہ چھپا کر کام کو دیکھنا دشوار ہوتا ہے تو اس حالت میں چہرہ کا چھپانا بھی تنگی اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی مجبوری کی حالت میں آیت (الا ما ظھر منھا) سے تفسیر مشہور کی بنا پر صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دے دی گئی اور باقی تمام بدن کا چھپانا واجب کیا گیا (لا یبدین زینتھن) کا یہی مطلب ہے) کیوں کہ زینت سے مراد تمام بدن ہے اور چوں کہ ایسی ضرورت باندیوں کو اپنے آقاؤں کی خدمت کرنے کی وجہ سے زیادہ پیش آتی ہے، اس لیے اُن

کے واسطے بہ نسبت آزاد عورتوں کے اس اجازت میں زیادہ توسیع کی گئی جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے۔

پس جوان عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھول کر آنے کی اجازت اُس حالت کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ ان کے چھپانے میں تنگی اور تکلیف ہو۔ اور بعض علماء نے پیروں کو بھی ہاتھوں پر قیاس کیا ہے اور اُن کے کھولنے کی بھی اجازت دی ہے۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ ہاتھوں اور پیروں میں فرق ہے کہ پیروں میں تو موزہ پہن کر چلنا پھرنا کام کرنا دشوار نہیں، اس لیے اُن کے کھولنے کی کچھ ضرورت نہیں اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر کام کرنا خصوصاً ایسے کام جو ہاتھ سے کرنے کے ہیں دشوار ہے، اس لیے مجبوری کی حالت میں ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دینا ضروری ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت اُس حالت کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ اُن کے چھپانے میں تنگی اور دشواری ہو، اس کے لیے مستقل دلائل کے علاوہ خود لفظ (**ما ظھر منھا**) میں بھی دلیل موجود ہے۔ چناں چہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ عورت اپنے کسی عضو کو ظاہر نہ کرے یہ تو (**لا یبدین زینتھن**) کا ترجمہ ہے، کیوں کہ زینت سے مراد تمام بدن ہے۔ اکثر مفسرین نے اس کی یہی تفسیر کی ہے) لیکن اگر ایسی مجبوری کی حالت ہو جس میں چہرہ اور ہتھیلیوں کا چھپانا ایسا دشوار ہو کہ اگر عورت اُن کے چھپانے کا اہتمام اور قصد بھی کرتی ہے جب بھی یہ اضطراری طور پر خود بخود کھل جاتے ہوں، کیوں کہ اُس ضروری کام کے ساتھ ان کا پردہ نہیں ہوسکتا۔ ایسی حالت میں عارض کی وجہ سے بقدر ضرورت اُن کے کھولنے کی اجازت ہے، کیوں کہ یہ قاعدہ شریعت کا مشہور ہے: **الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ** کہ جو شے ضرورت کی وجہ سے جائز کی جاتی ہے وہ ضرورت ہی کی حد تک جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ پس (**الا ما ظھر**) میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے مستثنیٰ

کرنے کے یہ معنی ہیں جو ہم نے بیان کیے کہ مجبوری اور ضرورت کے وقت اُن کا کھولنا جائز ہے، نہ یہ کہ عورتوں کے واسطے اصلی حکم تو ہاتھ اور چہرہ کھولنا ہو اور چھپانے کا حکم کسی عارض کی وجہ سے ہو (جیسا کہ آج کل کے نوجوانوں کا خیال ہے)۔ اور اس کا احتمال بھی کیسے ہوسکتا ہے جب کہ آیت (الا ما ظهر منها) کا سیاق وسباق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اس مقام پر جتنے احکام مذکور ہیں سب سے مقصود فتنہ کے دروازہ کو بند کرنا ہے۔ چناں چہ (یغضضن من ابصارهن) (عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) (ویحفظن فروجهن) (اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں) (ولا یضربن بارجلهن) (زمین پر پیر مار کر نہ چلیں)۔ یہ سب الفاظ اس کے مقصود ہونے کو صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ اور احادیث نبویہ نے تو فتنہ کے بعید سے بعید اسباب واحتمالات کا بھی راستہ بند کرنے کا اہتمام کیا ہے تو ایسی حالت میں آیت (الا ما ظهر منها) کا یہ مطلب کیوں کر ہوسکتا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھوں کو قصداً کھول کر مردوں کے سامنے آنا ہر حالت میں جائز ہے، خواہ اُن کے کھولنے کی ضرورت کسی مجبوری کی وجہ سے ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص چہرہ کا قصداً کھولنا مطلقاً جائز کیوں کر ہوسکتا ہے جو تمام فتنوں کی جڑ ہے۔ اور اس کا انکار صرف کور باطنی ہی نہیں بلکہ کور چشمی کا بھی اقرار ہے۔ کیا کوئی عاقل جس کو ذرا بھی حس ہو اس کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ کلائی اور بازو کے کھولنے میں چہرہ کھولنے سے زیادہ فتنہ ہے کہ ان کا تو چھپانا واجب کیا گیا، اور چہرہ کا چھپانا واجب نہ کیا گیا۔ اور اگر یہی مطلب مان لیا جائے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو آیت کے اجزا میں باہم تعارض ہو جائے گا جو ایک ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی محال ہے تو حکیم مطلق احکم الحاکمین کے کلام میں کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

رہا یہ کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کا چھپانا اور بقیہ تمام بدن کا چھپانا پردہ کی یہ دونوں قسمیں ایک ہی درجہ میں واجب ہیں یا ان کے واجب ہونے میں باہم کچھ تفاوت بھی

ہے، جیسے فرض اعتقادی اور فرض عملی میں درجہ کا تفاوت ہوتا ہے مگر واجب ہونا دونوں کا مشترک ہے۔ سو اس وقت اس سے یہاں بحث نہیں، یہ خود ایک مستقل مسئلہ ہے جس کا مشہور عنوان فقہ میں یہ ہے کہ ان میں سے کون سا عضو اپنی ذات سے چھپانے کے قابل نہیں۔ اس وقت جس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ چھپانا واجب ہے اُس میں یہ سب برابر ہیں گو وجوب کے درجہ میں تفاوت ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے فقہاء نے ستر کے دو حصے کیے ہیں: ایک عورت غلیظہ (جس کا چھپانا نہایت ضروری ہے اور اس کے کھولنے پر سخت سزا دی جاتی ہے) دوسرے عورت غیر غلیظہ کہ چھپانا اس کا بھی واجب اور ضروری ہے مگر اس کے کھولنے پر پہلے درجہ کے برابر سخت سزا نہیں دی جاتی (بلکہ اس سے کم سزا دی جاتی ہے)۔ تو جیسا کہ واجب ہونے میں ستر کے دونوں حصے برابر ہیں، مگر غلیظ اور خفیف ہونے میں باہم تفاوت ہے، اسی طرح واجب ہونے میں پردہ کے یہ دونوں درجے مشترک ہیں گو دوسرے اعتبار سے ان میں کچھ تفاوت بھی ہو۔

اور چوں کہ عادتاً ہاتھ سے کام کرنے میں اگر خاص طور پر پردہ کا خیال نہ رکھا جائے تو اکثر گلا اور سر بھی کھل جاتا ہے، اس لیے (**الا ما ظھر منھا**) کے بعد (**ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن**) میں اس کا انتظام کر دیا گیا (اور یہ حکم دیا گیا کہ اگر مجبوری کی حالت میں مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھوں کو کھولا جائے تو اُس وقت عورتیں اس کا خیال رکھیں کہ اپنے دوپٹوں کو سینے پر ڈال لیا کریں)۔ جب ان آیات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے متعلق اصل حکم یہی ہے کہ ان کو چھپانا واجب ہے اور یہ حکم ظاہر میں سب عورتوں کے حق میں عام تھا جوانوں کے لیے بھی اور بوڑھی عورتوں کے لیے بھی، کیوں کہ آیت کے الفاظ میں جوان یا بوڑھی کی کوئی قید مذکور نہیں، اس لیے آیت (**والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا**) نے بڑی بوڑھی عورتوں کو اس حکم سے مستثنٰی کر دیا (اور بتلا دیا کہ اُن پر چہرہ

اور ہتھیلیوں کا چھپانا واجب نہیں) گو مستحب اُن کے واسطے بھی یہی ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں کو چھپائے رکھیں (وان یستعففن خیر لھن) کا یہی مطلب ہے۔

اور چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا باقی تمام بدن کا چھپانا عام طور پر سب عورتوں کے حق میں واجب ہے۔ چناں چہ سر وغیرہ کا اجنبی مردوں کے سامنے کھولنا بوڑھی عورتوں کو بھی حرام ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیت (والقواعد من النساء) نے بوڑھی عورتوں کو دوسری آیات کے حکم سے مستثنیٰ ومخصوص کیا ہے۔ اس (اس عبارت کی تسہیل دشوار تھی اس لیے اصل الفاظ ہی میں لکھی گئی اور عوام کو اس کی ضرورت بھی نہیں بلکہ اہل علم کے جاننے کی ہے) کا مبنیٰ وہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب خصوص کی دلیل کلام میں مستقل موصول ہو تو وہ دلیل عام کے لیے مخصص ہو جاتی ہے اور جس کلام کا منفصل اور موخر ہونا معلوم نہ ہو وہ موصول کے حکم میں ہے۔

پس اب حکم کا حاصل یہ ہوا کہ ان جوان عورتوں پر تو چہرہ اور ہتھیلیوں کا چھپانا ہر حال میں بدستور واجب ہے۔ سوائے اس حالت کے جب کہ اُن کے چھپانے میں تنگی اور تکلیف ہو۔ اور بوڑھی عورتوں کے لیے بھی چہرہ اور ہتھیلیوں کا مردوں کے سامنے کھولنا جائز ہوتا تو آیت (والقواعد من النساء) میں بوڑھی عورتوں کی تخصیص بے فائدہ اور بے کار ہوتی۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ مخالفان پردہ کا آیت (الا ما ظھر منھا) سے اس پر استدلال کرنا کہ یہاں عورتوں کے لیے علی الاطلاق ہر حالت میں چہرہ کھول کر مردوں کے سامنے آنا جائز ہے، بالکل باطل اور لغو ہے اُن کا یہ استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

اب سمجھنا چاہیے کہ پردہ کے یہ سب احکام اجنبی مردوں کے اعتبار سے تھے اور محرموں کا حکم یا جو لوگ محرموں کے مثل ہیں اسی آیت کے دوسرے جملہ (ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن) میں مذکور ہے جس کی تقریر ''بیان القرآن'' میں موجود ہے۔ اس تقریر کے بعد بفضلہ تعالیٰ نہ اہل حق میں سے کسی پر کوئی اشکال رہا اور نہ اہل باطل

کے لیے گفتگو کی گنجائش کا احتمال رہا۔

فقط وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین، واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

مقام تھانہ بھون ۴ ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری

تنبیہ: اخیر میں اس بات پر بھی متنبہ کر دینا ضروری ہے کہ جن مجبوریوں کی حالتوں میں عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی شریعت سے اجازت ہے، اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ عورت کو اگر منہ چھپانے میں تنگی یا تکلیف ہو تو بضرورت وہ اپنا چہرہ کھول سکتی ہے، یہ مطلب نہیں کہ اُس وقت مردوں کو بھی عورتوں کے چہرہ کا دیکھنا جائز ہو جائے گا عورتوں کو کسی وقت چہرہ کھولنے کی اجازت دے دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردوں کو بھی اس وقت اُن کے چہرہ پر نظر کرنا جائز ہے۔ اور اس کی دلیل خود اسی آیت میں موجود ہے کہ باوجودیکہ مرد کو ناف سے گھٹنے تک کے سوا باقی تمام بدن کا کھولنا جائز ہے، مگر عورتوں کو پھر بھی یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور مردوں کے چہرہ وغیرہ کی طرف نظر نہ کریں۔

پس یہاں جس قدر تفصیل عورتوں کے پردہ کے متعلق بیان کی گئی ہے کہ اُن کو اجنبی مردوں سے کس طرح پردہ کرنا چاہیے اور محرموں سے کس قدر، اور اجنبی مردوں سے کس وقت اپنی ذات کا چھپانا واجب ہے اور کس وقت برقع اوڑھ کر باہر نکل سکتی ہیں، اور کس حالت میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہیں، یہ سب تفصیل عورتوں کے فعل کا ہے۔ باقی مردوں کا جو فعل ہے یعنی عورتوں کو دیکھنا اُس کا حکم جدا ہے جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ اجنبی عورت سے تو ہر حال میں مرد کو اپنی نگاہ کی حفاظت لازم ہے، اور جو عورتیں محرم ہوں اُن سے بوقت احتمال شہوت نگاہ کا پھیرنا واجب ہے۔

یعنی اگر کسی وقت محرم عورت کے دیکھنے میں بھی شہوت نفسانیہ کا احتمال ہو تو مرد پر واجب ہے کہ اس وقت محرم کو بھی نہ دیکھے اور نگاہ کی حفاظت کرے۔

خلاصہ یہ کہ مرد کو بجز بیوی اور باندی کے (جو بقاعدہ شرعیہ باندی ہو محض نوکر یا خادمہ یا رواجی باندی نہ ہو) اور کسی عورت کا دیکھنا شہوت کے ساتھ جائز نہیں، اور اجنبی عورت کو بلا شہوت کے بھی دیکھنا جائز نہیں جب تک دیکھنے کی سخت ضرورت نہ ہو۔ خوب سمجھ لو۔

فقط ظفر احمد ۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

از مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی

قال اللّٰہ تعالیٰ: (وقل للمومنت يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن او ابائهن او اباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بنى اخوانهن او بنى اخواتهن او نسائهن او ما ملكت ايمانهن او التبعين غير اولى الاربة من الرجال او الطفل الذين لم يظهروا على عورت النساء ولا يضربن بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن ، وتوبوا الى الله جميعا ايه المومنون لعلكم تفلحون) (النور: ۳۱)

یہ ایک آیت ہے جس میں حق تعالیٰ عورتوں کو ارتکاب زنا سے روکنے اور ان کو ان باتوں کی تعلیم فرماتے ہیں جن سے وہ زنا سے محفوظ رہ سکتی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ ان احکام میں اس کی بھی رعایت رکھتے ہیں کہ عورتوں کو تنگی نہ ہو۔ چناں چہ فرماتے ہیں کہ اے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ اپنی آنکھیں کسی قدر بند رکھیں اور اپنی نظروں کو آزاد نہ کریں، کیوں کہ نظر کی آزادی ابتدائی مرحلہ ہے زنا کا، کیوں کہ اس سے ایک شخص کے محاسن کا ادراک ہوتا ہے اور ادراک سے استحسان پیدا ہوتا ہے اور استحسان سے رغبت اور رغبت سے

کوشش اور کوشش سے زنا۔ اور (اس طرح) اپنی شرم گاہوں کو (زنا سے) محفوظ رکھیں (اور اگر وہ ایسا نہ کریں گی تو زنا میں مبتلا ہو جانے کا بہت قوی خطرہ ہے)۔ اور (دوسری بات جس سے وہ زنا سے محفوظ رہ سکتی ہیں یہ ہے کہ) وہ اپنی آرائش (کپڑوں، زیور وغیرہ) کو نہ کھولیں (بلکہ اسے بطور خود چھپاتی رہیں تا کہ وہ غیر مردوں کی اتفاقیہ نظر سے بھی محفوظ رہے، اور کوئی اُسے چھپ کر شرارت سے دیکھنا چاہے تو اُسے بھی کامیابی نہ ہو۔ اور جب کہ نفس آرائش کے متعلق یہ حکم ہے تو اعضائے جسم بالا ولیٰ قابل اخفاو ستر ہوں گے) بجز اس (آرائش) کے جو (عادتاً ظاہر ہو) اور اس کے چھپانے میں تنگی ہو، کیوں کہ گو اس کے کشف فی نفسہ میں بھی خطرہ ہے مگر چوں کہ خطرہ بعید ضرورت شدید ہے، لہٰذا وہ بضرورت مستثنٰی ہے جیسے: کپڑے یا وہ آرائش جس کا تعلق وجہ وکفین سے ہے، جیسے: انگوٹھی آرسی، چھلے، مہندی، مسی، سرمہ، پان، ٹیکہ افشاں وغیرہ۔ اور جب کہ یہ مستثنٰی ہیں تو تبعاً و (اس تفسیر پر تمام اقوال سلف جو (ما ظهر) کی تفسیر میں واقع ہیں جمع ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ ان کی تفاسیر بطور تمثیل کے ہیں نہ بطور حصر کے) التزاماً (اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جن لوگوں نے (ماظهر منها) کی تفسیر وجہ وکفین سے کی ہے انہوں نے وجہ وکفین کو اس کا مدلول التزامی قرار دیا ہے نہ کہ مدلول مطابقی) اس کے مواقع یعنی وجہ وکفین بھی مستثنٰی ہوں گے۔ لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وجہ وکفین اور اُن سے متعلق آرائش کو لوگوں کے سامنے کھولیں، بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ فی نفسہ ان کو کپڑوں میں چھپانے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح جس آرائش اور اس کے مواقع کو چھپانے کی ہدایت ہے، اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دوسرے لوگوں سے چھپائیں۔ یعنی اس جملہ میں اس سے بحث نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فی نفسہ قابل ستر ہیں، کیوں کہ یہاں صرف فی نفسہ قابل کشف اور مستحق ستر اشیا کا بیان کرنا مقصود ہے (اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ کس سے چھپائیں

اور کس کے سامنے ظاہر کریں، کیوں کہ اس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے)۔ اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں (تا کہ گلا بھی ڈھکا رہے اور گریبان سے سینہ بھی نظر نہ آئے اور پستانوں کا اُبھار بھی چھپ جائے۔ یہ وہ تدابیر ہیں جن پر عورتوں کو ذاتی طور پر عمل پیرا ہونا چاہیے تا کہ وہ زنا کے خطرہ سے محفوظ رہیں)۔

اور (تیسری بات جس کی زنا سے حفاظت کے لئے بہت سخت ضرورت ہے یہ ہے کہ) وہ اپنی آرائش (النهي عن ابداء الزينة مع كونها غير عورة فقهية يدل على ان مبنى هذا النهي ليس كون الشيء عورة او غير عورة بل مبناه هو الفتنه، وهو يدل على ان الوجه ليس بمستثنىٰ) کو خواہ لباس (دل على التعميم اطلاق اللفظ، لان لفظ الزينة يعم كل ما يتزين به واللباس ايضا منه كما قال تعالىٰ: (خذوا زينتكم) و البرقع ايضا من واللباس فلا يوذن، بالخروج فى البرقع بلا ضرورة) ہو یا زیور یا مُتّی سرمہ وغیرہ) کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں بجز اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ داداؤں کے یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کے یا اپنے پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) (هذا بطريق عموم المجاز) کے یا اپنے شوہروں کی پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں نواسوں) (اعتبار الامرين فى الاستثناء، اعنى التبعية، وكونه من غير اولى الاربة يدل على ان مبنى الاستثناء مجموع الامرين: الضرورة التى تدل عليه التبعية، و عدم الفتنة الذى يدل عليه كونه من غير اولى الاربة، وهما متحققان فى جميع من استثناء هم الله) کے یا اپنے بھائیوں کی پسری اولاد کے یا اپنے بیٹوں کی پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) (ورد فى تفسيره عن السلف: الابله والاحمق والمغفل لا مخبوط الحواس) کے (یا ان کے مثل دوسرے محارم کے) یا اپنی (ہم مذہب مسلمان) عورتوں کے یا اپنے (مونث) مملوکوں کے یا ان

متعلقین (نوکر چاکروں) کے جو کہ مردوں میں سے (بوجہ کمال سادگی اور بھولے پن کے) عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یا اُن (نامحرم) لڑکوں کے جو کہ (بوجہ نابالغ اور غیر مراہق ہونے کے) عورتوں کے مخفیات پر مطلع نہ ہوتے ہوں (کیوں کہ شوہروں سے اخفا کی تو کوئی وجہ ہی نہیں۔ رہے محارم سوان سے فتنہ کا اندیشہ قریب قریب نہ ہونے کے ہے اور کثرت اختلاط اور ضرورت کی وجہ سے ان سے احتیاط دشوار ہے، لیکن اگر کسی جگہ اُس کا خطرہ قریب ہو تو اُس سے بھی پردہ کرایا جائے گا۔ **لعدم منشاء الاستثناء**، رہی مسلمان عورتیں سو اُن سے بھی خطرہ نہیں اور ضرورت ہے۔ اسی طرح کافر لونڈیوں میں ضرورت ہے اور خطرہ بعیدہ ہے۔ رہی تابعی **غیر اولیٰ الاربہ** اور نا بالغ یا غیر مراہق لڑکے سو اُن میں ضرورت ہے اور خطرہ نہیں، اس وجہ سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا۔ یہ تو حکم تھا نفس زینت کا۔ اب رہے مواقع زینت یعنی اعضا سو اُن کی تفصیل یہ ہے کہ جو مواقع ایسے ہیں جن کی زینت کا اظہار مستلزم ہے خود ان کے اظہار کو جیسے وجہ وکفین سو اُن کا حکم تو التزاماً معلوم ہو گیا کہ جہاں ابدائے زینت جائز ہے وہاں کشف وجہ وکفین بھی جائز ہے، اور جہاں نہیں وہاں یہ بھی نہیں۔

اب رہے وہ اعضا جن کی زینت کا اظہار مستلزم اُن کے اظہار کو نہیں، جیسے اعضائے مستورہ تحت الثیاب، سو اُن میں یہ تفصیل ہے کہ اشخاص مستثنیٰ (یعنی محارم سے جن اعضا کے ستر میں حرج ہے، جیسے: سر، گردن سینہ، بازو، پنڈلیاں، کلائیاں وہ بوجہ علت مشترکہ ملحق بالزینہ ہیں۔ اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنے حکم اصلی یعنی وجوب تستر پر باقی ہیں: جیسے ران، پیٹ وغیرہ باستثنائے شوہر کے کہ اس کے لیے کوئی چیز قابل تستر نہیں)۔ اور (چوتھی بات جو زنا سے حفاظت میں معین ہو گی یہ ہے کہ) وہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تا کہ اُن کی وہ آرائش معلوم نہ ہو سکے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں (کیوں کہ عورت کے زیور کی آواز سن کر مردوں کو فطری طور پر اُن کی طرف

میلان ہوتا ہے جس سے اول اُن کے خیال پر اثر پڑتا ہے اور خیال سے فعل پر۔ اور جب کہ ان کو اپنے زیوروں کی آواز کے چھپانے کی ضرورت ہے تو اُن کو اس کی اجازت بالاولیٰ نہ ہوگی کہ وہ خود بلاضرورت غیر مردوں سے بات کریں۔

کیوں کہ اُن کی آواز میں زیور کی آواز سے زیادہ فتنہ ہے۔ اور ضرورت کے مواقع پر بھی اس کی احتیاط کی جاوے گی کہ فتنہ نہ ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: (فلا تخضعن بالقول) اور اصل تدبیر جو مانع عن الزنا ہے وہ یہ ہے کہ اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف رجوع ہو کیوں کہ ان تدابیر پر بھی اُسی وقت عمل ہوسکتا ہے جب کہ رجوع الی اللہ ہو، ورنہ یہ سب باتیں ایک قصہ ہوں گی جو صرف سننے کے درجے میں رہیں گی اور اُن پر عمل نہ ہوسکے گا۔ امید ہے کہ اُن تدابیر پر عمل کر کے تم کامیاب ہوگے اور اُن کے ترک یا رد سے خائب وخاسر نہ رہوگے۔

فوائد متعلقہ آیت متلوہ

۱۔ اس آیت میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدبیریں ہونے کی حیثیت سے مذکور ہیں۔

۲۔ چوں کہ وہ تمام باتیں جن سے اس جگہ روکا گیا ہے سب ایک ہی مرتبہ میں مفضی الی الزنا نہیں ہیں، بلکہ اس کا احتمال بعض میں قریب ہے اور بعض میں بعید، اس لیے نہی کے مراتب میں بھی تفاوت لازم ہے۔ پس غیر محارم کی عدم موجودگی میں عورت کا ماسوائے زینت ظاہرہ کو کھولنا خلاف احتیاط ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہو گا، اور غیر محارم کی موجودگی میں زینت کا کھلونا بوجہ احتمال فتنہ کے قریب ہونے کے حرام ہوگا۔ اس لیے (لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) میں نہی مطلق طلب کشف کے لیے ہوگی اور (ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن) میں تحریم کے لیے۔

۳۔ (لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) میں ابدا سے کشف وستر فی نفسہ

مراد ہے نہ کہ کشف للغیر وستر عن الغیر، کیوں کہ آیت میں غیر سے اصلاً تعرض نہیں اور نہ تقدیر محذوف کی ضرورت ہے اور نہ نفس حذف بالتعیین محذوف پر کوئی قرینہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس میں مفاسد عدیدہ (**قد بینا بعضها فیما سیاتی و ترکنا بعضها خوف الاطناب**) ہیں۔ اور عرض مسوق لہ الکلام بقدر امکان تدبیر حفاظت از زنا ہے لیکن تبعاً اس سے عورت وغیر عورت کی تفصیل بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا چہرہ اور پانچوں تک ہاتھ ستر نہیں ہیں، کیوں کہ ان سے بوجہ تعذر کے ستر فی نفسہ ساقط ہے اور باقی جسم ستر ہے، کیوں کہ ان کا ستر فی نفسہ بحالہ باقی ہے۔

پس فقہاء کا استدلال اس سے تفصیل عورة وغیر عورة پر اشارة النص ہے نہ بعبارة النص، لیکن دوسرے دلائل سے لونڈیاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (مگر فقہاء نے انہیں مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ ان کے ان اعضاء کو بھی جو علاوہ وجہ وکفین کے ستر نہیں ہیں **ما ظهر عادة** میں داخل کیا ہے)۔ اور ان میں ستر وغیر ستر کی تفصیل دوسری ہے۔

۴۔ (**الا ما ظهر منها**) سے جو لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لیے عام طور پر چہرہ کھولے پھرنا جائز ہے یہ اُن کی غلطی ہے۔ کیوں کہ ہم بتلا چکے ہیں کہ (**الا ما ظهر منها**) میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رہنے کی اجازت ہے تا کہ دوسرے اعضا کی طرح اُن کے چھپانے کے اہتمام سے اُن کو زحمت اور تکلیف نہ ہو، اور اس میں دوسروں کے سامنے اُن کے کھلونے کے جواز وعدم جواز سے تعرض نہیں ہے۔ پھر نہی ابدائے زینت وضرب ارجل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے جملہ اعضا ومتعلقات فی نفسہ قابل ستر ہیں، کیوں کہ ان میں مرد کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لینے کا قدرتی اثر ہے اور وجہ وکفین سے اسقاطِ ستر فی نفسہ بوجہ ضرورت کے ہے۔ اسی طرح بعض اعضائے **مستوره فی نفسها کالراس والعضد** (یعنی مثل سر اور بازو کے) وغیرہا اعضائے غیر مستورہ فی نفسہا کالوجہ والکفین کے محارم کے سامنے

زینت کا کشف نا جائز ہے، اس لیے ان کے مواضع کا کشف بالا ولی نا جائز ہوگا۔ اور چوں کہ مستثنیٰ اشخاص کے لیے ہر زینت کا ابدا جائز ہے، اس لیے اس کا جواز بدلالت مطابقی منطوق کلام سے ثابت ہوگا۔ اب رہے مواضع سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو مواضع ابدا میں زینت سے منفک نہیں ہو سکتے ان کا ابدا تو نص سے بدلالت التزامی ثابت ہوگا، اور جو مواضع ایسے نہیں ہیں اس سے نص ساکت ہوگی اور اس کے لیے اُن کا حکم دوسرے دلائل سے معلوم کیا جاوے گا۔ سو چوں کہ وہ دو قسم کے ہیں: بعض تو ایسے ہیں جن کے اخفا میں مستثنیٰ اشخاص سے تعذر ہے، اور بعض ایسے نہیں ہیں۔ سو جن کے اخفا میں تعذر ہے ان کو فقہاء نے بعلت مشترکہ ملحق بالزینہ قرار دیا ہے اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنی حالت پر مستور ہیں باستثنائے شوہر کے کہ اُس سے کوئی چیز مستور نہیں ہے۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ بحکم (لا یبدین زینتھن) غیر مستثنیٰ اشخاص سے چہرہ اور کفین کا چھپانا ضروری ہے۔ اور اس سے بھی ثابت ہوا کہ (الا ما ظھر منھا) میں عورتوں کو کشف وجہ للغیر کی اجازت نہیں ہے، ورنہ دونوں حکموں میں تعارض ہو جاوے گا، اور اس تعارض کے دفع کے لیے (الا ما ظھر) کو حکم (ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن) میں مقدر ماننا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔

۷۔ فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ بہت بوڑھی عورتوں کے لیے نا محرموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔ سو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انہوں نے ان کو (ولا یبدین زینتھن) سے اس بنا پر خارج سمجھا ہے کہ یہاں مقصود بالخطاب وہ عورتیں ہیں جو اہل شہوت و محل شہوت ہیں۔ کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ (وقل للمومنت یغضضن من ابصارھن) یا انہوں نے ان کو لونڈیوں کی طرح دوسرے دلائل سے خارج کر دیا ہے۔ چناں چہ ایک دلیل یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن فی نفسہ بوجہ احتمال فتنہ کے ولو کان بعیدا قابل ستر فی نفسہ و عن الغیر تھا، مگر شریعت نے بوجہ حرج کے چہرہ اور ہاتھوں سے ستر فی نفسہ کو

تمام عورتوں کے حق میں ساقط کر دیا، لیکن جوانوں کے حق میں ستر عن الغیر بوجہ فتنہ کے بحالہ باقی رہا۔ اور بوڑھیوں سے بوجہ احتمال فتنہ کے نہایت کمزور ہونے اور فی الجملہ ضرورت کے کشف عن الغیر بھی ساقط ہو گیا۔ اور باقی جسم بوجہ غیر ساقط الستر ہونے کے بحالہ واجب الستر رہا۔ اور دوسری دلیل (والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا) ہو سکتی ہے۔

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جواز کشف وجہ للعجائز میں چہرے کے عورت نہ ہونے کو دخل ضرور ہے مگر وہ مستقل علت نہیں تا کہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو کہ جوان عورت کا چہرہ بھی ستر نہیں، لہٰذا اس کا کشف للغیر فی نفسہ جائز ہے۔ مگر بعارض فتنہ ممنوع ہے، کیوں کہ ہم بتلا چکے ہیں کہ چہرہ اور کفین کا عورت نہ ہونا بایں معنی ہے کہ ان سے بوجہ تعذر کے کشف فی نفسہ ساقط ہے، نہ بایں معنی کہ ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے، کیوں کہ ستر عن الغیر ان میں بحالہ باقی ہے۔ اور بوڑھیوں میں اس کا جواز کشف للعارض ہے لکون الستر اصلا فی النساء.

۸۔ فقہاء کہتے ہیں کہ مرد کو غیر محرم عورتوں کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔ مگر یہ نہایت سخت غلطی ہے، کیوں کہ اول تو اس زمانہ میں شرط جواز کا تحقق ہی نادر ہے، پھر کشف وجہ للغیر اور رویت الیٰ وجہ المرأۃ یہ دو جداگانہ فعل ہیں۔ اول فعل عورت کا ہے اور دوسرا مرد کا۔ اب اگر فرض کیا جاوے کہ مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہے اور اس وجہ سے اسے گنجائش ہے کہ وہ عورت کے چہرہ کو دیکھے تو عورتوں کو اس کے سامنے چہرہ کھولنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے، کیوں کہ اسے کیا علم ہے کہ میرے چہرہ کھولنے پر مرد کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوگا؟ اور جب کہ اسے اجازت نہیں ہو سکتی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلط ہے۔

۹. قال ابن جریر: حدثنی علی قال: حدثنا عبدالله، قال: حدثنی معاویة عن علی عن ابن عباس قوله:(ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر

منها) قال: والزينة الظاهرة والوجه وكحل العين وخضاب الكف والخاتم ، فهذا تظهر فی بيتها لمن دخل من الناس عليها.

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ زینت سے مراد موضع زینت نہیں ہے، بلکہ ما یتزین به النساء ہے اور دخول وجہ ما ظہر میں لزوماً ہے۔ دوسرے یہ کہ فی بیتها کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ ابدا سے مراد ابدا فی نفسہ ہے نہ کشف للغیر۔ اور مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں میں لباس اس طرح پہنیں کہ منہ اور کف اور ان کے متعلق زینت کھلی رہے۔ اور جب یہ صورت (اندفع بهذا ما یتوهم من قوله: فهذا تظهر فی بيتها لمن دخل من الناس عليها، ان المراد من الابداء ههنا الكشف للغير.) ہے تو جن لوگوں کے لیے گھر میں آنے جانے کی اجازت ہے اُن کے لیے اُن کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۰۔ ابن جریر نے (ما ظهر منها) کی تفسیر میں اقوال مختلفہ بیان کر کے کہا کہ واولی الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال : عنی بذلک الوجه والكفان يدخل فی ذلک الكحل والخاتم والسوار والخضاب : وانما قلنا ذلک اولی الاقوال فی ذلک بالتاويل لاجماع الجميع على ان على كل مصل ان يستر عورة فی صلاته، وان للمراة ان تكشف وجهها و كفيها فی صلاتها ، وان عليها ان تستر ما عدا ذلک من بدنها، الا ماروی عن النبی صلى الله عليه واله وسلم انه اباح لها ان تبديه من ذراعها الى قدر النصف، فاذا كان ذلک من جميعهم اجماعا كان معلوما بذلک ان لها ان تبدی من بدنها ما لم يكن عورة كما ذلک للرجال، لان ما لم يكن عورة فغير حرام اظهاره ، واذا كان لها اظهار ذلک كان معلوما انه مما استثناه الله تعالىٰ بقوله:(الا ما ظهر منها) لان كل ذلک ظاهر منها.

لیکن اس میں یہ کلام ہے کہ یہ مسلم ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عورت اپنا چہرہ اور

کف نماز میں کھول سکتی ہے، مگر اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کف کا فی نفسہ ستر ضروری نہیں ہے اور وہ بایں معنی غیر عورت ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا اجانب کے سامنے اظہار بھی جائز ہے۔ اور مردوں پر ان کا قیاس قیاس مع الفارق ہے، کیوں کہ مردوں کے جن اعضا سے ستر فی نفسہ ساقط ہے، ان سے ستر عن الغیر بھی ساقط ہے بوجہ ضرورت کے، کیوں کہ ان کے لیے ان اعضا کے ستر عن الغیر میں وہی حرج اور تنگی ہے جو عورتوں کے لیے ستر وجہ وکفین فی نفسہ میں۔ برخلاف عورتوں کے کہ وہ گھروں کی بیٹھنے والیاں اور پردہ نشین ہیں، ان کے لیے ستر عن الغیر میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے ان کے حق میں ستر عن الغیر بحالہ باقی ہوگا۔ علاوہ ازیں عورتوں میں تستر اصل ہے اور تکشف للعارض، اور مردوں میں بالعکس۔

قال النیسابوری فی اثناء کلامہ: بدن المراۃ فی نفسہ عورۃ بدلیل انہ لا یصح صلاتھا مکشوفۃ البدن ، وبدن الرجل بخلافہ (۴/۷۷) کذا قال ابن جریر وفی "الکشاف" ایضا ما یدل علیہ حیث قال : فان قلت : لم سومح مطلقا فی الزینۃ الظاھرۃ؟ قلت: لان سترھا فیہ حرج. وھذا یرشدک الی ان الستر فی المراۃ ھو الاصل والکشف للعارض فقیاس احدھما علی الاخر قیاس مع الفارق۔

اور اس بنا پر مالم یکن عورۃ فغیر حرام اظہارہ بایں معنی مسلم ہے کہ اس کا اظہار فی نفسہ حرام نہیں ہے۔ اور بایں معنی مسلم نہیں ہے کہ اس کا اظہار غیر محرم کے لیے جائز ہے۔ پس اس استدلال سے یہ تو ثابت ہوسکتا ہے کہ چہرہ اور کف عورت نہیں بایں معنی کہ وہ اعضائے مکشوفہ فی نفسہ اور ساقط الستر ہیں، لیکن نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ (ما ظھر منھا) سے مراد ہیں اور نہ یہ کہ ان کا کشف للغیر جائز ہے، پھر ترجیح کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے جب کہ تعارض ہو۔

اور ہم بتلا چکے ہیں کہ اقوال مختلفہ اس کی تفسیر میں بطور تمثیل کے واقع ہیں نہ کہ بطور حصر کے۔ اور دخول وجہ وکفین (ما ظهر) میں بدلالت التزامی ہے نہ کہ بدلالت مطابقی۔ پس ان میں تعارض ہے اور نہ ترجیح کی ضرورت ہے گو یہ بات بہت ظاہر ہے مگر ہم مزید قطع حجت کے لیے کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کبھی زینت ظاہرہ کی تفسیر مطلق ثیاب سے کرتے ہیں اور کبھی اسکی تفسیر میں صرف رِداء بیان کرتے ہیں اور ثیاب کے زینت میں داخل ہونے پر (خذوا زينتكم عند كل مسجد) سے استدلال کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کبھی اس کی تفسیر میں صرف الکحل والخاتم کہتے ہیں اور کبھی الکحل والخذان اور کبھی الخاتم والمسکۃ اور کبھی الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفاسیر بطور تمثیل کے ہیں نہ کہ بطور حصر کے۔ میں نے ابن جریر کے کلام کو نقل کر کے اس پر اس لیے کلام کیا ہے کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ مشہور تفاسیر کا مبنیٰ کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟

۱۱. وقال ابن المنير في حاشية الكشاف: قوله تعالىٰ: (ولا يضربن بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن) محقق ان ابداء الزينة بعينه مقصود بالنهي، لانه قد نهى عما هو ذريعة اليه خاصة : اذ الضرب بالا رجل لم يعلل النهي عنه الا بعلم ان المراة ذات زينة وان لم تظهر (اى الزينة) فضلا عن مواضعها.

یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ (لا يبدين زينتهن) میں تفصیل عورۃ وغیر عورۃ مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود سد ذرائع زنا ہے اور زینت سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں نہ کہ اس کے مواضع۔

۱۲. وقال في "الكشاف" فان قلت: لم يذكر الله الاعمام و الاخوال؟قلت : سئل الشعبي عن ذلك ، فقال : لئلا يصفها العم عند ابنه والخال كذلک ، ومعناه ان سائر القرابات يشرک الاب والا بن

فی الحرمیۃ الا العم و الخال و ابناء ھما، فاذا راھا الاب فربما وصفھا لابنہ ولیس بمحرم فیدانی تصورہ لھا بالوصف نظرہ الیھا. وھذا ایضا من الدلالات البلیغۃ علی وجوب الاحتیاط علیھن فی التستر.

اب مقام غور ہے کہ جو خدا پردہ کے باب میں اس قدر دور کی احتیاط سے کام لے وہ عین اس احتیاط کے موقع پر عورتوں کو کیسے اجازت دے گا کہ وہ عام طور پر نا محرموں کے سامنے چہرہ کھولیں۔ یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ (لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) میں ابدا سے کشف للغیر مراد نہیں بلکہ کشف فی نفسہ مراد ہے۔ اس تفصیل کے پڑھنے کے بعد ذی فہم اور منصف مزاج شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جاوے گا کہ قرآن شریف صرف اسی ایک آیت میں عورتوں کے لیے جس قدر شدید پردہ کا اہتمام کرتا ہے، پردہ مروجہ میں اس درجہ کا اہتمام نہیں ہے، کیوں کہ اول تو وہ عورتوں اور مردوں کو غض بصر کا حکم دیتا ہے، پھر عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بطور خود بھی اخفائے زینت و اعضا کا اہتمام رکھیں اور صرف اسی زینت اور عضو کو کھولے رہیں جس کی شدید ضرورت ہے۔ پھر (ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن) میں حکم دیتا ہے کہ وہ نامحرمون کو اپنا چہرہ وغیرہ تو درکنار اپنا پلہ تک نہ دکھائیں، کیوں کہ لباس بھی زینت میں داخل ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کرتا اور (لا یضربن بارجلھن) میں حکم دیتا ہے کہ پلہ تو درکنار وہ نامحرموں کو اپنے زیوروں کی جھنکار بھی نہ سنائیں۔

پس اگر مسلمان اس قدر اہتمام پر بھی پردہ کی مخالفت پر اڑے رہیں اور مسلمانوں کو اپنے غلط اجتہادوں سے گمراہ کرتے رہیں تو انہیں اختیار ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون:

اندکے از غم دل گفتم و بس ترسیدم کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخت بسیارست

والسلام حبیب احمد

الخطوب المذیبة للقلوب المنیبة

متعلقہ بعض اغلاط متعلقہ تحریم محلات

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیة واقف الاسرار الفرقانیة،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعة والطریقة، بحر المعرفة والحقیقة کاشف الاسرار الخفی منھا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنة مثواہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عقد ثانی کے وقت بعض مخالفین نے زبان درازی شروع کی تھی اور اعتراضات کرنے لگے تھے اس میں اس کے متعلق حالات وواقعات درج ہیں۔

الخطوب المذيبة للقلوب المنيبة

متعلقہ بعض اغلاط متعلقہ تحریم محللات

کہ خط یکے از کارانست

برادر عزیز سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آں عزیز کے استفساری خط کی رسید اور تعجیل (جلدی) جواب نہ ہو سکنے کا عذر اس خط کے آنے کے ساتھ ہے جس کو آئے ہوئے تقریباً پچیس روز ہو گئے ہوں گے، ایک کارڈ پر لکھ چکا ہوں گو مجھ کو بفضلہٖ تعالیٰ بخار سے نجات ہو گئی ہے لیکن ضعف و نقاہت سے کسی معمولی سے معمولی کام کی بھی ہمت نہیں ہوتی، مگر ساتھ ہی آں عزیز کے انتظار کے تصور سے اضطراب اور خود اس جواب کا بھی غالباً بعض مضامین مفیدہ کو متضمن ہونا (شامل ہونا)، یہ دونوں امر متقاضی ہیں کہ بنام خدا جواب شروع تو کر ہی دوں، اِتمام قبضۂ قدرتِ الٰہیہ میں ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ مگر قدرے ضروری تفصیل کے ساتھ جواب خط لکھتا ہوں۔

آں عزیز نے لکھا ہے کہ اتنا معلوم ہوا کہ اس جدید تعلق سے بھابھی صاحبہ کی حالت میں بہت تغیر ہو گیا ہے، اور آپ کو بھی کچھ باعث مسرت نہ ہوا۔

عزیزِ من! یہ دونوں اُمر صحیح ہیں، اس تفصیل کی تو حاجت نہیں کہ کیا تغیر ہوا؟ اور اس تغیر کے سبب مجھ کو کیا تکدر ہوا؟ کیونکہ اول تو اس کی حقیقت معلوم ہونا مشاہدے پر موقوف ہے، دوسرے کم شخص ایسے ہوں گے جنہوں نے اس کے نظائر کا مشاہدہ نہ کیا ہو، اس لئے یہ تفصیل بے کار ہے۔

تغیر کے اسباب

البتہ نتیجہ خیز بات اس تغیر کے اسباب کی تحقیق ہے، جس کی تقریر سے خود نتیجے تک ذہن پہنچ جائے گا، اور ممکن ہے آخر میں اس کی کچھ تصریح بھی کردی جائے، سو ان اسباب کا مجموعہ راجع ہے دو اَمر کی طرف، ایک حد سے زیادہ جاہل ہونا طبقۂ اناث (عورتوں) کا، خواہ یہ جہلِ علمی یعنی ناواقفی شرائع (علمی جہالت یعنی شریعت سے ناواقفیت) خواہ یہ جہلِ عملی جس کو ہمارے محاورے میں ''جہالت'' کہتے ہیں، جس کے شعبوں میں زیادہ تر دخل بدگمانی و بدزبانی، کبروحسد وحبّ دنیا ونسیان آخرت (دنیا سے محبت اور آخرت کو بھلانے) کو ہے، دوسرا حد سے زیادہ محبت ہونا بیبیوں کو شوہروں سے۔ اَمر اول کا ظہور خود منکوحہ اولیٰ سے زیادہ جو کہ صاحب معاملہ ہے دوسری عورتوں میں زیادہ معلوم ہوا، چنانچہ ایسے موقع پر جو اقوال ان جہلاء کے سننے میں آئے وہ اس کی بین (واضح) دلیل ہیں۔

خاوند کے دوسری عورت سے نکاح کرنے پر جاہل عورتوں کی مختلف خیالی باتیں

(۱) ہائے بادشاہی چھن گئی، (۲) ہائے ایسا ظلم (۳) بس جی مولویوں کا بھی اعتبار نہ رہا۔ (۴) بھلا بدون اجازت منکوحہ اولیٰ (موجودہ دور کے عائلی قوانین میں خلاف شریعت یہ پابندی بھی عائد کردی گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون) کے یہ دوسرا نکاح کب جائز ہوسکتا ہے۔ (۵) اگر عورت بھی دوسرے مرد کو ڈھونڈ لے تو مرد پر کیسی گزرے، (۶) ہائے بیٹی بیٹی کہا کرتے تھے جورو بنا کر بیٹھ گئے، (۷) بیٹی کیا نواسی کی جگہ تھی، (۸) ارے بھائی بھانجہ تو بیٹا ہوتا ہے، پھر اس کو بیٹا بنایا بھی تھا، ہائے بیٹے کی بیوی کو لے بیٹھے، یہ غضب، (۹) بس جی ایسی عورت کا کیا اعتبار، اس کا تو اگر نانا حقیقی زندہ ہوتا اس کو بھی کر بیٹھتی، (۱۰) لو اور پڑھواؤ لڑکیوں کو، ہائے استاد ہو کر شاگردنی کو

کر بیٹھے، (۱۱) اور مریدنی بھی تو تھی، پیر میں اور باپ میں کیا فرق ہوتا ہے، (۱۲) اَجی معلوم ہوتا ہے اُن میں پہلے سے ساز باز ہوگی، (۱۳) بس جی اب تو سب مرید ایسا کریں گے، (۱۴) اَجی لڑکی نے بھی ظلم ہی کر دیا، جو کرنا ہی تھا، بھلا جس کے پاس بچپن میں رہی، لکھا پڑھا، اسی کو چھاتی پر مونگ دلنا تھا، (۱۵) خدا کرے ان کو آرام ہی نصیب نہ ہو، (۱۶) اَجی ایسی بے حیائی ہے تو ستر (۷۰) کرے گی، ستر (۷۰) چھوڑے گی، (۱۷) بس اب یہ اس بیچاری غریب کا حصہ رزق میں بھی بانٹ لے گی۔

(۱۸) اگر اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آ گیا، مثلاً معاش کی کمی یا بیماری تو یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ اس کا ایسا منحوس پیر آیا کہ رزق اُڑ گیا، صحت اُڑ گئی، ونحو ذالک من الخرافات (اور ایسی ہی بے شمار خرافات ہیں)۔

بعض اوقات عبادت گزار عورتیں بھی بلا سوچے کلماتِ کفر بک دیتی ہیں

جن میں بعض اقوال تو صاف شریعت کا رَدّ اور کفر کے قریب ہیں، اس واقعے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بڑی بڑی لکھی پڑھی، تسبیح نفلوں کی پابند، مگر تمام دین ان کا ملمع (ظاہری ٹیپ ٹاپ) ثابت ہوا، نہ یہ تمیز کہ ہم منہ سے کیا بکتے ہیں، اس میں کفر ہو جائے گا، یا گناہ ہو جائے گا، نہ یہ ہوش کہ آخر نتیجہ ان خرافات کا کیا ہے۔

شوہر کے نکاحِ ثانی کر لینے پر عام عقلاء کے نزدیک اس کی پہلی بیوی کو تلقینِ صبر کرنا اور تسلی دینا

اپنے نزدیک تو صاحب معاملہ کے ساتھ ہمدردی کی جاتی ہے مگر یہ سلیقہ نہیں کہ اس سے تو اور دونا غم کو اشتعال ہوتا ہے، ایسے وقت میں سخت ضرورت تسلی دینے کی ہوتی ہے، جس کا طریقہ عام عقلاء کے نزدیک تو صبر دلانا ہے، اور جو جو شبہات آئندہ کے متعلق صاحب معاملہ کو واقع ہوں مثلاً یہ کہ (۱) میرے ساتھ التفات نہ کرے گا،

(۲) میرے حقوق ضائع کردیئے جائیں گے، (۳) جدیدہ کی چغلیوں سے مجھ کو تکلیف دی جائے گی، ان سب شبہات کو خوبصورت سے رفع کرنا۔ اور میرے نزدیک ایسے موقع پر تسلی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو مصیبت ہی تسلیم نہ کیا جائے کہ صبر کی ترغیب دی جائے، اور یہ جو میں نے کہا کہ ''ایسے موقع پر تسلی کا طریقہ یہ ہے'' مراد ایسے موقع سے وہ موقع ہے جہاں اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر سکے، جیسے:۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا طریقۂ عمل

بفضلہٖ تعالیٰ اس ناکارہ کی حالت ہے، وہ یہ کہ میں نے قدیمہ (یعنی پہلی بیوی) کی دل جوئی میں بے حد بیشی (پہلے سے بہت زیادتی) کردی، گو میں نے کوئی گناہ کا، یا عیب کا کام نہ کیا تھا، لیکن اُن کے عین ثورانِ شکایت (شکایت کے دوران خون کا جوش مارنے) میں اُن کے تجاوز عن التہذیب (تہذیب کی حد سے گزرنے) کو غلبۂ حال پر محمول کر کے ان کو معذور قرار دیا، اور اس طرح سکون وسکوت وضبط سے کام لیا، جیسے کوئی عیب کر کے خجل اور شرمندہ ہوتا ہے، اور تمام تر جوش وخروش کا جواب ان الفاظ سے دیا کہ خیر میں نے دل سے سب معاف کیا، اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے، میں بوجہ پختگیٔ سن وکثرتِ مشاغل خدمتِ خلائق ان سے بالکل بے فکر ہو گیا تھا، بعض اوقات دن دن بھر گھر جانے کی نوبت نہ آتی تھی، عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو رہتا، بات کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر اب اُن کی دلجوئی کا خاص اہتمام شروع کر دیا، ذرا ذرا بات میں ان کی رعایت ملحوظ کرنے لگا، چونکہ میرا مزاج فطرۃً تیز ہے اور عورتوں میں کجی (ٹیڑھا پن) لازم ہے، کسی میں کم، کسی میں زیادہ، اکثر جب کبھی ایسا موقع پیش آتا تھا اس میں تحمل (برداشت) نہ کرتا تھا، قولاً (زبان سے) بھی تیز الفاظ کہتا، اور عملاً بھی، بعض اوقات کھانا چھوڑ کر گھر سے مدرسہ میں چلا آتا تھا، ایسا اتفاق بکثرت ہوتا تھا، جب سے یہ واقعہ ہوا اس برتاؤ کا نام ونشان نہیں رہا، ادھر سے کتنی ہی کجی ہوئی، ادھر سے بہت زیادہ نرمی اور راستی (سیدھا پن) برتی گئی، خلاصہ یہ کہ اس قدر نرم برتاؤ

اختیار کیا گیا کہ بعض لوگ تو مجھ کو بے غیرت کہنے لگے، بعضے بیوی سے ڈرنے والا، دبنے والا کہنے لگے، بعض نے یہ رائے قائم کی کہ یہ نرمی ہی سبب ہے دوسری جانب کی دلیری کا، البتہ یہ تو ہوا کہ جب کبھی شریعت پر اعتراض پہنچنے لگا، گو صاحب اعتراض کو اس کا احساس نہیں ہوا یا بیہودگی کو زیادہ امتداد ہونے لگا، اول تو نرمی سے فہمائش کردی، اگر پھر اصرار ہوا تو دوبارہ فہمائش (سمجھانے) میں قدرے آواز بلند ہوگئی، مگر اس میں بھی الفاظ خشن (دُرشت) اور تیز زبان کو نہایت تکلف کے ساتھ روکا۔

غرض یہ خلاصہ تھا اور ہے میری حالت کا، تو اس میں غور کر کے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ میرا برتاؤ پہلے سے زیادہ اچھا ہو گیا اور سبب اس کا وہی دل شکنی کے احتمال پر دلجوئی اور اس دلجوئی کا سبب یہی واقعۂ جدیدہ۔

تو اس صورت میں کیا شک رہا کہ اس واقعے کا قدیمہ کے حق میں نعمت ہونا بھی نہایت آسانی سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ پس طریق تسلی کا یہ تھا اور اگر یہاں تک ذہن نہ پہنچتا تو خیر صبر ہی کی تعلیم دی جاتی، اگر دو چار عاقل عورتیں بھی اس طرف توجہ کرتیں تو ان کے رنج وغم کی یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔

مگر جو آئی ان کے خیالات کی جن میں اکثر بلکہ کُل کے کُل لغو اور بے بنیاد تھے تصدیق ہی کرتی آئی، کسی نے تکذیب نہیں کی، الا ماشاء اللہ، اور تصدیق بھی صرف خوشامد میں اور اس مصلحت سے کہ یوں نہ کہیں کہ فلانی کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں، بس اس تصدیق سے اُن کے اوہام اور خیالات اور پک گئے، اور وہ مثال ہوگئی جیسے کسی میاں جی کو اس کے مکتب کے لڑکوں نے باہم متفق ہو کر بیمار ڈال دیا تھا کہ جو آتا ہے ''خیر ہے؟ چہرہ اُداس کیوں ہے؟'' آخر بیچارہ بیمار پڑ گیا۔

جو شخص اپنی اصلاح خود نہ چاہے، نبی بھی اس کی اصلاح نہیں کرسکتا

میں نے اس دلجوئی کے علاوہ اصلاح باطن کے طریقوں سے اس قدر کام لیا کہ شاید بیس پچیس برس کی مدت میں کسی کے لئے نہ کیا ہوگا، ان میں بعض طریقے

منقول تھے اور بعضے بزرگوں کے کلام سے مستنبط کئے ہوئے، اور ایسے لطیف لطیف کہ اگر ان کی کوئی قدر کرتا تو ضبط کرنے سے تو ایک بے نظیر رسالہ سلوک کا بنتا، اور عمل کرنے سے انسان کامل بن جاتا، مگر تجربے سے معلوم ہوا، اور پہلے سے بھی معلوم تھا مگر اب اور زیادہ معلوم ہوگیا کہ جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے اس کی اصلاح کوئی مخلوق نہیں کرسکتی حتیٰ کہ نبی بھی۔

اپنے مصلح کیساتھ اصلاح کیلئے اعتقاد اور انعقاد ہونا ضروری ہے

دوسرے تجربے سے معلوم ہوا کہ اصلاح کے لئے مصلح (اصلاح کرنے والے پیر و مرشد) کے ساتھ اعتقاد اور عظمت کا ہونا شرط ہے، اور شوہر کے ساتھ یہ دونوں اُمر ضعیف ہیں، بہر حال میں نے تھک کر حق تعالیٰ سے التجا اور دُعا شروع کی، اور حضرت زکریا علیہ السلام کے قول کے موافق:۔

وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا. (مریم: ۴)

(اور اس کے قبل کبھی میں آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں)

اُمید قبول رکھتا ہوں، اور غالباً پہلے کی نسبت سکوت وسکون دونوں کی رفتار ترقی پر ہے، اور جس مرض میں روزانہ انحطاط ہو اُمید قوی وہاں صحت کی ہی ہوتی ہے۔ یہ تو خلاصہ تھا ان کے غم اور اس غم میں اُن کے ساتھ میرے معاملے کا۔

اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے تو کلفت بھی مسرت ہے

اس سے آں عزیز کے اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ آپ کو بھی کچھ باعثِ مسرت نہ ہوا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کیا مسرت ہوسکتی ہے جبکہ اسباب مسرت پر اسباب کلفت غالب ہوں، مگر یہ نفی مسرت کی جو میں نے تسلیم کرلی یہ ظاہری مسرت کے اعتبار سے ہے، ورنہ باطناً تو اگر اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے یہ کلفت بھی مسرت ہے، کیونکہ مسرت کے جو منافع ہیں اس کلفت میں اس سے کم نہیں، بلکہ بہت زیادہ

حاصل ہیں، گو اس زیادہ پر نظر کر کے نہ کلفت کی تمنا کرے اور نہ اس کے رفع کی دُعا کو ترک کرے، حق تعالیٰ سے برابر عافیت مانگتا رہے، لیکن جب تک عافیت ظاہری نہ ہو اس میں مصلحتیں و حکمتیں سمجھ کر ویسے راضی اور ثواب کا متوقع (امیدوار) رہے، چنانچہ الحمدللہ کچھ کچھ اس پر عمل ہے، جس سے زخم پر مرہم رکھا جارہا ہے، ورنہ

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

اسبابِ تغیر جہالت اور محبت ہیں

ہاں! میں نے اسباب تغیر میں ایک امر جہل بتلایا تھا، دوسرا امر محبت بی بی کو شوہر کے ساتھ، مسرت کے جواب سے اس کو ترتیب میں مقدم لکھنا چاہئے تھا، مگر خیر اول کا ذکر ابھی دور نہیں ہوا، گویا دوسرا اس اول کے ساتھ مذکور ہے، اس امر ثانی کی سببیت اس طرح ہے کہ چونکہ بی بی کو شوہر سے خصوص ہندوستان میں یہاں کی آب وہوا کی خاصیت سے محبت زیادہ ہوتی ہے اور خاصہ محبت کا یہ ہے

باسایہ ترا نمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

(عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہیں، اسی لئے محبوب کے سائے کے ساتھ بھی کسی کا ساتھ رہنا عاشق کو پسند نہیں)

بس اس سے یہ شرکت کہ اس کے شوہر میں دوسری آ کر حصہ دار ہو جائے، سخت ناگوار ہوتی ہے، اور گو یہ شرکت دُوسرے کو بھی کسی قدر ناگوار ضرور ہے لیکن پھر دونوں میں یہ فرق ہے کہ دُوسری تو اول ہی سے شرکت کو گوارا کر کے آتی ہے اور پہلی مدتوں انفراد واختصاص کی حالت میں رہ چکی ہے، اس کو خلافِ ارادہ وخلافِ توقع وِ خلافِ رضا یہ شرکت پیش آتی ہے، اس لئے اس کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے اور اس کا خلافِ ارادہ وخلافِ رضا ہونا تو ظاہر ہے، باقی خلافِ توقع اس لئے کہ ہندوستان میں اس کا رواج اس قدر کم ہے گویا کہ ہے ہی نہیں۔

رسم کو جذبات میں بڑا دخل ہے

اور رسم کو جذبات میں بہت دخل ہوتا ہے، اور یہاں تک دخل ہوتا ہے کہ جو امر خلافِ ارادہ و خلافِ رضا بھی نہ ہو مگر خلافِ رسم ہونے کے سبب خلافِ ارادہ و رضا ہونے کا بھی اثر نہیں رہتا، چنانچہ بعض جگہ سنا گیا ہے کہ منکوحۂ اولیٰ خود ہی دُوسری کو اپنی رغبت و کوشش سے لائی، اور پھر آنے کے بعد ناگواری، اُسی درجے تک پہنچ گئی جیسے اُس کی لائی ہوئی نہ ہوتی، بہرحال یہ محبت بھی اس کا سبب ہے۔

اَمرِ طبعی پر انسان معذور ہوتا ہے

اور گو اس درجے سے کہ محبت اَمرِ طبعی ہے تو اس کا مسبب یعنی ناگواری بھی اَمرِ طبعی ہوگا، اور اَمرِ طبعی میں انسان معذور ہے، اس لئے منکوحۂ اولیٰ نفسِ ناگواری میں معذور ہے، لیکن اگر محبت کے ساتھ علم ہوتا تو یہ ناگواری حد اعتدال سے نہ بڑھنے پاتی اور بلا شک وہ قابلِ ملامت نہ ہوتی۔

شہوت و غضب و حسد و کبر کا صدور جہالت کے سبب ہے

لیکن چونکہ محبت کے ساتھ مجموعہ سبب کا ایک جزو جہل بھی ہے، جو کہ اختیاری ہے، بایں معنیٰ کہ اس کا ازالہ اختیاری ہے، اور پھر شرعاً و عقلاً مذموم ہے، اس لئے اس مجموعۂ سبب پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان میں جس قدر آثار جہل کے حصے کے ہیں اس میں نقلاً و عقلاً معذوری نہیں ہوگی، اس لئے یہ رائے کہ علی الاطلاق ان اُمور میں سوتیاڈاہ (سوتن ہونے کا جلاپا) کے سبب معذور سمجھا جائے، محض غلط ہے، ورنہ اس کیفیت غیظیہ (غصے کی حالت) سے زیادہ اکثر اوقات کیفیاتِ شہوت و غضب و حسد و کبر جن سے صدور معاصی کا ہوتا ہے، غالب ہوتی ہیں، تو چاہئے کہ گناہ کوئی چیز ہی نہ ہو، اور بطلان (غلط ہونا) اس کا ظاہر ہے۔ یہ تحقیق تھی ناگواری کے دونوں سببوں کی، اب اسی تقریر سے ان اسباب کے متعلق جو بات نتیجہ خیز ہے وہ بھی معلوم ہوگئی۔

ملکات اور جذبات کی اصلاح تعلیمِ دین اور تربیتِ رُوحانی سے ہوسکتی ہے

پس اَمرِ اوّل کے متعلق تو وہ بات یہ ہے کہ تعلیم واصلاحِ نفس کی کمی جب سبب ان پریشانیوں کا ہے جن کا واسطہ درواسطہ دور پہنچتا ہے، تو اس کا تدارک سب عقلاء کو متفق ہوکر کرنا چاہئے، مگر یہ جان لینا چاہئے کہ تعلیم وتہذیب سے مراد تعلیم دین و تربیتِ رُوحانی ہے، نہ کہ تعلیم وتہذیب جدید کہ اس کو ملکات وجذبات (عادات و خصائل) کی اصلاح میں جس کی کہ ضرورت ہے، کوئی دخل نہیں، چنانچہ ظاہر ہے بلکہ وہ تو اس میں بالعکس مضر ہے، چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ اگر عورتوں کو علم دین وحال باطنی (طریقہ ضروریاتِ دین وحالات اہل اللہ پر عبور) ہو چکا اور وقتاً فوقتاً ان ناقصات العقل (کم عقل رکھنے والیوں) کے اقوال وافعال پر روک ٹوک کرتے رہنا ہے، تو ان بیہودہ اقوال میں سے ایک قول زبان پر تو کیا قلب میں بھی نہ آنے پائے، اور یوں حزنِ طبعی ہونا عجیب نہیں، تو اگر اس میں اعتدال ہو تو موجب اَجر ہے، اور صبر کرنے سے بتدریج (آہستہ آہستہ) خود سکون بھی ہو جاتا ہے۔

اور اَمرِ ثانی کے متعلق وہ بات یہ ہے کہ حالت موجودہ میں بدون اضطرار شدید (بغیر سخت ضرورت) کے جس کا فیصلہ نفس سے نہ کرانا چاہئے، بلکہ عقل سے کرانا چاہئے، بلکہ عقلاء کے مشورے سے کرانا چاہئے، بدون اضطرار کے ہرگز نکاح ثانی نہ کرنا چاہئے، خصوص پختگی سن کے بعد کہ منکوحۂ اولیٰ کو بعد بے فکر ہو چکنے کے فکر میں ڈالنا ہے، اور جہل اس کا لازم حال ہے، وہ اپنا رنگ لائے گا اور اس رنگ کے چھینٹے سے نہ ناکح بچے گا نہ منکوحۂ ثانیہ بچے گی، خواہ مخواہ دریائے غم میں بلکہ دریائے خون میں سب غوطے لگائیں گے، خصوص جبکہ مرد بھی عالم اور متحمل نہ ہو۔

ازواجِ متعددہ والے عموماً ظلم وستم کے معاصی میں مبتلا ہیں

علم نہ ہونے سے وہ حدودِ عدل کو نہ سمجھ سکے گا، اور تحمل نہ ہونے سے ان حدود کی حفاظت نہ کر سکے گا، اس وجہ سے وہ ضرور ظلم میں مبتلا ہوگا، چنانچہ عموماً ازواجِ متعددہ (کئی بیویوں) والے جور (ظلم وستم) کے معاصی میں مبتلا ہیں، کیونکہ حقوق اس تعدد (ایک سے زیادہ ہونے) کے اس قدر نازک ہیں کہ ہر ایک کا نہ وہاں ذہن پہنچ سکتا ہے اور نہ ان کی رعایت کا حوصلہ ہوسکتا ہے۔

تعددِ ازواج کی صورت میں باہم عدل رکھنے کے چند فقہی مسائل

چنانچہ باوجودیکہ شب کو رہنے میں اور ملبوس و مأکول (لباس اور کھانے پینے) میں برابر رکھنے کا وجوب (واجب ہونا) سب جانتے ہی ہیں، مگر اس تک کا اہتمام نہیں، باقی ان مسائل کا تو کون خیال کرتا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک بی بی کے پاس بعد مغرب آجاتا ہے اور دوسری کے پاس بعد عشاء تو اس نے عدل کے خلاف کیا، اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری سے صحبت جائز نہیں، اگرچہ دن ہی ہو اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دُوسری کے پاس جانا بھی نہ چاہئے، اور لکھا ہے کہ اگر مرد بیمار ہوگیا اور اس وجہ سے دوسری کے پاس نہیں جاسکتا اس لئے اس ایک ہی کے پاس رہا تو بعد صحت کے اتنی مدت دوسری کے پاس رہنا چاہئے، اور دینے لینے میں برابری کرنے کی جزئیات بھی اس قدر دقیق (باریک) ہیں کہ ان کی رعایت ہر شخص کا کام نہیں۔

تعددِ ازواج میں عدل نہ ہونے کا احتمال قوی اور غالب ہے

مجھ کو اس قدر دُشواریاں اس میں پیش آئیں کہ اگر علم دین اور حسن تدبیر حق تعالیٰ نہ عطا فرماتے تو ظلم سے بچنا مشکل تھا، سو ظاہر ہے کہ اس مقدار علم اور اس قدر اہتمام کا عام ہونا بعید بلکہ اَبعد (زیادہ دُور) ہے، نیز ہر شخص کو نفس کا مقابلہ کرنا بھی کارے دارد (مشکل کام)، اب تعددِ ازواج بجز اس کے کہ اضاعت حق (حق

ضائع) کر کے عاصی (گنہگار) ہو، کیا نتیجہ ہوسکتا ہے؟

اور یہ تو حقوقِ واجبہ تھے، بعضے حقوق مروت کے ہوتے ہیں گو واجب نہیں ہوتے، مگر انکی رعایت نہ ہونے سے دل شکنی ہوتی ہے جو کہ حقوق رفاقت کے خلاف ہے، ان کی رعایت اور بھی دقیق اور غامض ہے، غرض کوئی شخص ہر وقت کے واقعات و معاملات کے جزئیات کو خیال رکھے اور مستحضر کرے۔

پھر ان واقعات کے احکام علماء سے پوچھے، پھر ان پر عمل کرے تو نانی یاد آ جائے گی اور تعددِ ازواج سے توبہ کرے گا، اِلَّا اَنْ يُّضْطَرَّ اِلٰى ذٰلِكَ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ الْقَوِيَّةِ، (مگر کوئی شخص کسی قوی سبب سے مجبور ہو، وہ مستثنٰی ہے) اسی لئے حق تعالیٰ نے اجازت تعدد کے بعد اس احتمال کو مصرحاً ارشاد فرمایا:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً.

(پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو)

خود حق تعالیٰ کا اس کو اس طرح فرمانا صریح دلیل ہے کہ یہ احتمال بہت ہی غالب اور قوی ہے، پھر اکتفاء علی الواحدہ (ایک پر کفایت کرنے) کی نسبت "اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا" فرمانا یہ اس احتمال کی جانب وجود کو جانب عدم پر صاف ترجیح دے رہا ہے، اس لئے ؎

اگر خواہی سلامت برکنار است

کا اختیار کرنا اسلم ہے، نتیجۂ مقصودہ جس کو میں بعد ذکر اسباب کے ذکر کرنا چاہتا تھا، اور جس پر میں مزید زور دینا چاہتا ہوں، اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود کیوں اس مشورے کے خلاف کیا، بات یہ ہے کہ خلاف کرنے ہی سے یہ مشورہ سمجھ میں آیا۔ ؎

من نکردم شما حذر بکنید

میں نے طبقۂ اناث سے وعدہ کیا تھا کہ میرے فعل کو تم سبب سمجھتی ہو مردوں کی جرأت کا تعددِ ازواج پر، میں اپنے فعل کے نتائج بتلا کر اس فعل کو سبب بنا دوں گا مردوں کے رُک جانے کا تعددِ ازواج سے، کیونکہ اس فعل سے مجھ کو تجربہ ہو گیا، اور

تجربہ کار کا قول زیادہ ماننے کے قابل ہے، پس میں اپنے تجربے کی مدد سے اپنے احباب اور بھائیوں کو اس تعدد سے مشورۃً منع کرتا ہوں، اگر میں اس تعدد کو اختیار نہ کرتا تو میرے اس منع کی زیادہ وقعت اس وقت خواہ آپ لوگ نہ کرتے تو بعید نہ تھا، لیکن اب اس ممانعت کی خاص وقعت اور اس ممانعت پر عمل کرنا چاہیے، مگر ساتھ ہی احکامِ شرعیہ میں تحریف نہ کی جائے۔

بعض نے آیت: "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا" (پس اگر تم کو احتمال ہو اس کا کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو) اور "وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ" (اور تم سے یہ بھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو) میں "النساء" کو جمع کر کے معنوی تحریف کی ہے، جس کی تفسیر "بیان القرآن" میں کر دی گئی ہے۔

یہاں اس تفسیر کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوا، وہو ہذا: "بعض ہوا پرستوں نے دنیوی غرض سے آیاتِ الٰہیہ کے مضمون میں تحریف کی ہے اور کہا ہے کہ "یہ آیت بالکل کثرتِ ازواج کی نفی کر رہی ہے، اس طرح سے کہ یہاں فرمایا کہ: "جب عدل نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفاء کرو" اور دوسری آیت میں فرمادیا کہ "تم سے کبھی عدل ہی نہ ہوگا" "وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ" دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ جائز نہیں" فقط۔ یہ محض مغالطۂ باطلہ ہے، کیونکہ دونوں آیتوں میں عدل جدا جدا معنوں میں ہے، اس آیت میں تو عدل فی الحقوق الواجبہ ہے، جب احقر نے تصریح بھی کر دی، اور یہ قدرت میں ہے اور اس کے اعتبار سے واحد اور کثیر کے اختیار میں تفصیل فرمائی ہے، اور اس آیت میں عدل فی المحبت ہے اور وہ عادۃً قدرت میں نہیں، اس لئے اسکی نفی فرمائی، بس اس ہوا پرست کے دعوے سے اس کو اصلاً مس نہیں، بلکہ اس آیت میں بعد نفیٔ عدل کے ارشاد ہے: "فلا تميلوا كل الميل"، جس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ عدل فی المحبت نہ ہو سکے گا، بلکہ قلب کو ایک طرف میلان رہے گا اور اس میلان پر ملامت نہیں، بالکلیہ میلان تو نہ

ہو کہ قلب سے بھی اور معاملات اور حقوق میں بھی۔ پس دونوں آیتوں کے مجموعے سے یہ حاصل ہوا کہ عدل فی المحبت واجب نہیں، عدل فی المعاملہ واجب ہے۔"

(تفسیر "بیان القرآن" ج ا: ص ۱۵۹، تاج کمپنی)

تعددِ ازواج اختیار نہ کرنا ہی اَسلم ہے

بہر حال حکم شرعی تو یہی ہے کہ تعددِ ازواج میں نکاح تو منعقد ہر حال میں ہو جاتا ہے، خواہ عدل ہو یا نہ ہو، لیکن عدم عدل (انصاف نہ کرنے) کے وقت گناہ ہوگا، اسلئے اَسلم یہی ہے کہ تعدد اختیار نہ کیا جائے، ایک ہی پر قناعت کی جائے اگر چہ ناپسند ہو۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا
وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا. (النساء: ۱۹)

(اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دی ہو)..... اِلَّا اضطرارًا استثنیته من قبل (مگر اضطراری حالت میں نے اس سے قبل کے بیان میں مستثنیٰ کر دی)

حضرت حکیم الامتؒ کے نکاحِ ثانی کے اسباب

آگے آں عزیز لکھتے ہیں کہ بناءِ کار کی بابت معلوم ہوا کہ مشیت پر مبنی تھا اور چند مصلحتیں شرعی تھیں۔ ورنہ ضرورت کا سوال نہ تھا۔ عزیز من! یہ دونوں بالکل صحیح ہیں۔ لیکن عنوان ان کا مجمل ہے، تفصیل نہ ہونے سے محبین و معتقدین کے بڑھا لینے کا احتمال ہے، کیونکہ اس کے یہ معنی سمجھائے جائیں گے کہ کوئی الہامی حکم ہوا ہوگا، اس وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا، جو غلو فی نفسہٖ بھی ناپسندیدہ ہے، پھر تلبیس (ملاوٹ) اس میں اور بھی زیادہ مذموم ہے، اس لئے میں اصلی حالت کو منکشف (ظاہر) کرتا ہوں۔

سب سے اوّل اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میرا یہ فعل کسی مصلحت کی نیت سے یا کسی اشارۂ غیبیہ پر عمل کرنے کے قصد سے نہیں ہوا، سبب قریب اس کا محض طبیعت کا

تقاضا تھا، گواس تقاضے میں کسی امر غیبی کو دخل ہو، اور گو پھر اس پر بہت سی مصلحتیں بھی مرتب ہوگئی ہیں، بلاتشبیہ (بغیر مشابہت کے) ایسی مثال جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا بہ قصدِ عطائے نبوت (نبوت عطاء ہونے کے ارادے سے) نہ تھا، آگ کی ضرورت پر طبعی تقاضا تھا، مگر وہاں جانے پر خاص عطاء مرتب ہوگئی۔

قصہ اس کا یہ ہے کہ میں نے مدت ہوئی ایک خواب دیکھا تھا، کہ مجھ سے نکاح کے لئے کہا جارہا ہے، میں بطور تردد کے یہ کہہ رہا ہوں کہ میرے گھر میں کیا حال ہوگا؟ تو اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ وہ قرآن شریف پڑھا کریں گی۔ میں بیدار ہوا تو قرآن شریف پڑھنے کے معنی تو یہ سمجھا کہ یہ مشاغل دینیہ میں مشغول ہوکر اس غم کو بھول جائیں گی (چنانچہ اس کا سامان بھی ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے) لیکن خواب کو کچھ زیادہ باوقعت نہیں سمجھا، بلکہ اس کے اتباع کا خیال تو کیا کرتا، اسکی کوشش کی کہ ایسا موقع نہ ہو، چنانچہ اپنے بھانجے سے پہلا نکاح کردیا گیا اور طبیعت خالی ہوگئی، خدا کی قدرت وہ بیوہ ہوگئی، تو اس کی کوشش کی کہ اس کا کہیں نکاح کردیا جائے، چنانچہ متعدد مواقع پر اس کی تدبیر وتحریک کی گئی، لیکن کہیں سامان نہ ہوا، نیز میں نے بڑی تدبیروں سے اس کو اپنے سے پردہ کرادیا، اپنے مکان میں تدبیر لطیف (نرم تدبیر) سے اس کی آمدورفت، بودوباش اس قدر کم کرادی کہ قریب قریب منقطع کے کردی، تاکہ وہ احتمال کلیۃً مدفوع ومسدود (ختم اور بند) ہوجائے، نیز میں اس اَمر کو خود اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا، کہ میرا زمانہ ان باتوں کا نہیں رہا، آزادی کے بعد پابندی سخت اَمر ہے، اور منکوحۂ اولیٰ کی مصلحت کے خلاف بھی سمجھتا تھا کہ ان کی سخت دل شکنی ودل آزاری بھی ہوگی، اور اس منکوحۂ ثانیہ کی مصلحت کے خلاف بھی سمجھتا تھا کہ اس کی عمر کو ضائع کرنا ہے، اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا، اس اثناء میں ایک ذاکر صالح کو مکشوف (کشف) ہوا کہ احقر کے گھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنے والی ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا، میرا ذہن معاً اس طرف منتقل ہوا، اس مناسبت سے کہ جب حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن شریف پچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت کم عمر تھیں، وہی قصہ یہاں ہے، مگر میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔

پھر میرے ایک دوست نے ایک بہت بڑے شیخ کامل کو جو اس وقت افادۂ خلائق (مخلوق کو فائدہ پہنچانے) میں مشغول ہیں، خواب میں دیکھا کہ وہ میری آمدنی کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ بتلا رہے ہیں، کہ جس طرح گاہ گاہ میرے ذہن میں بطور احتمال خطور کیا کرتا تھا کہ اگر ایسا اَمر ہوا تو آمدنی کو اس طرح تقسیم کیا کروں گا، اور میں نے اس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا تھا، تو خواب میں وہی طریقہ یا اس کے قریب قریب (مدت گزرنے سے اچھی طرح یاد نہیں) وہ بزرگ بتلا رہے ہیں، ان دوست نے جو عالم ہیں، مجھ سے ذکر کیا، میں اس سے بھی وہی واقعہ سمجھا مگر باوجود ان سب منامات ومکاشفاتِ صلحاء (نیک لوگوں کے خواب اور کشف) کے میں نے اس قصے کو اپنے دل میں زیادہ جگہ نہیں دی، اور اس کی مدافعت (روک تھام) کی کوشش کی، یہاں تک کہ اس رمضان ۱۳۳۴ھ کے نصف کے بعد پھر میں نے خواب دیکھا کہ خواب اول سے زیادہ موثر (اثر والے) عنوان سے مجھ کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ منکوحۂ اولیٰ سے ڈر لگتا ہے۔

اس خواب کے بعد طبیعت میں وہی تقاضا جو مٹا دیا گیا تھا یا دَبا دیا گیا تھا، پہلے سے بہت زیادہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا، اور وہ اپنی قوت سے ایسا غالب آیا کہ میں اس کی مخالفت نہ کر سکا، اور سب مصالح وموانع (مصلحتیں اور رکاوٹیں) مغلوب ہوگئے، یہاں تک کہ میں نے ایک عزیز کو اس پیام لے جانے کے واسطے تجویز کیا اور ان سے ذکر کیا، انہوں نے ایک بڑے شیخ کا، جو کہ ظاہری و باطنی افادے میں بفضلہٖ تعالیٰ مشغول ہیں، نام لیا کہ انہوں نے مجھ سے تصریحاً فرمایا تھا کہ ایسا ہو جانا بہتر ہے، مگر لحاظ اس کے اظہار سے مانع رہا تھا، اس کو ظاہر کر دیا۔ چونکہ اہل اللہ کے قلب میں بوجہ

نورانی ہونے کے اکثر اَمرِ صواب وارد ہوتا ہے، اس سے کسی قدر اپنے خوابوں کا اور دوسرے صلحاء کے مکاشفات وغیرہا کا محض اضغاث احلام (پراگندہ خواب) نہ ہونا راجح ہونے لگا، آخر اس عزیز کا پیام لے کر روانہ کردینا طے کرلیا گیا۔

ہنوز (ابھی) وہ روانہ نہ ہوئے تھے، میں ایک بار خلوت میں بیٹھا تھا کہ دفعتہً (اچانک) خیال آیا کہ ظاہر میں یہ معاملہ بے ربط سا معلوم ہوتا ہے، معلوم نہیں اس قدر قلب میں اس کا تقاضا کیوں ہے؟ فوراً ہی قلب میں بے ساختہ یہ واقع ہوا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ وبدنامی پر جن سے تو اَب تک محروم ہے، کیونکہ تیرا جاہ ہر پہلو سے انتہا کو پہنچ گیا ہے، پس اس واقعے میں حکمت یہ ہے کہ تو بدنام ہوگا اور حق تعالیٰ وہ درجات عطا فرماویں گے۔ بس یہ تھی وہ مشیتِ خاص جس پر یہ قصہ بھی تھا اور یہ تھیں وہ خاص مصلحتیں جو اس قصے پر مرتب تھیں۔

خلاصہ یہ کہ میری تحریک تو طبیعت کے تقاضے سے تھی، باقی یہ تقاضا خواہ ان واقعات ہی سے ہوا اور پھر اس میں حکمتیں بھی ہوں۔ غرض وہ پیام منکوحہ کے اور اس کے والدین کے پاس گیا، اس کے والد نے سنتے ہی اپنے خواب اس کے متعلق بیان کرنے شروع کردیئے، اور بعد نکاح مجھ کو معلوم ہوا کہ پیام سے ایک روز قبل خود اس نے بھی خواب دیکھا تھا، اور وہ پیام باوجود مخالفت عرف کے نہایت خلوص اور عالی ہمتی سے منظور کرلیا گیا، اتفاق سے منکوحہ کے باپ یہاں آئے تھے، ان سے درخواست کی گئی کہ مجھ کو رمضان میں سفر سے بچالیا جائے، انہوں نے بوجہ اس کے کہ اس عزیز پیغام رساں کی معیت میں اختیار شرعی حاصل کرلیا تھا، نکاح پڑھوادیا۔ یہ خبر گھر پہنچی تو ہوا جو کچھ ہوا، جس کا اثر قلب پر اس درجہ تھا کہ اس وقت مجھ کو موت محبوب معلوم ہوتی تھی، اُدھر گھر میں صدمہ نہ دیکھا جاتا تھا، ادھر کچھ علاج نہ تھا، گھر میں منکوحہ اولیٰ کے ساتھ سختی کرنا اس لئے گوارا نہ تھا کہ ضبط سے اندیشۂ امراض صعبہ (دُشوار بیماریوں کا) تھا اور نرمی سے شکایت کا لب ولہجہ حد تہذیب سے گزرا جاتا تھا ان اسباب سے بے حد تنگی معلوم ہوئی، اس وقت دین کی قدر معلوم ہوئی کہ

دل کو سنبھالنے والی چیز سوائے دین کے کچھ نہیں

بجز دین کے کوئی چیز اس وقت دل کو سنبھالنے والی نہ تھی، اور من جملہ ان مصالح کے جو اس واقعے میں مضمر (پوشیدہ) تھیں اور بعد میں ظاہر ہوئیں، دین کے اس اثر کا مشاہدہ تھا، جو پہلے سے علم الیقین کے درجے میں تو تھا مگر اب عین الیقین ہو گیا۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کو

نکاح ثانی سے موت کی محبوبیت نصیب ہونا

ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس کے قبل موت کی محبوبیت کی دولت مجھ کو نصیب نہ تھی، عقلاً گو محبوب تھی، مگر طبعاً محبوب نہ تھی، بلکہ ایک گونہ (ایک طرح) حیات سے دلچسپی تھی، الحمد للہ کہ اس واقعے سے یہ دولت بھی نصیب ہوئی، اور گو ابتداء اس کی دل کی تنگی کے سبب ہوئی، مگر الحمد للہ کہ پھر باوجود رفع سبب (باوجود وجہ ختم ہو جانے کے) بھی وہ مسبب باقی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھے۔

نکاحِ ثانی سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو آخرت کی رغبت بڑھ جانا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ مجھ کو ثواب آخرت سے طبعاً رغبت کم تھی، امتثال اورادِ الٰہیہ کو جنت سے بھی افضل سمجھتا تھا، مگر اس کے ثمرے میں ثواب کا تصور کم ہوتا تھا، صرف رضائے حق وطلب نجات مرکزِ خیال تھا، اور اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی تو صورتِ استغناء تھی، الحمد للہ کہ اس کوتاہی کا بھی تدارک ہو گیا، اور تنگی کے پیش آنے کے وقت صرف احکام کے ضروری ہونے کے خیال نے طبیعت میں قوت نہ بخشی، استحضارِ ثواب نے پورا کام دیا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ النِّعْمَة۔

نکاحِ ثانی سے حضرت حکیم الامت کا صبر

اور رضا بالقضاء وتفویض الی اللہ کی حقیقت کا مشاہدہ کرنا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ مجھ کو اس وقت تک صبر اور رضا بالقضاء وتفویض الی

اللہ (صبر اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے اور اپنے کو حق شانہ کے سپرد کرنے) کی حقیقت کا مشاہدہ نہ ہوا تھا، الحمد للہ کہ ان محبوبوں کا جمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

نکاحِ ثانی سے حلم وتحمل کی دولت نصیب ہونا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ حلم وتحمل کا مجھ کو ذوق نہ تھا، خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام بھی مجھ سے بوجہ احسن (اچھے طریقے سے) لیا گیا جس سے آئندہ بھی کام لے سکنے کی امید تو کلاً علی اللہ رکھتا ہوں۔

نکاحِ ثانی سے رسم جاہلیت کا ابطال ہونا

ایک مصلحت یہ بھی ہوئی کہ رسم جاہلیت کا ابطال ہو گیا۔

نکاحِ ثانی سے تعددِ اَزواج کی حکمتوں کا انکشاف

اسی ضمن میں خود تعددِ اَزواج کی بعض حکمتیں بھی ظاہر ہوئیں، مثلاً صفتِ عدل کا استعمال بطرزِ عجیب، تفصیل اس کی یہ کہ آدمی کسی پر حاکم ہی نہ ہو، یا حکومت سے استعفاء دے دے، اس کو اس صفت کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، دوسرے یہ کہ حاکم ایسے لوگوں پر ہو جن کے ساتھ استعمال عدل میں سیاست وضابطے کا برتاؤ کر سکے، یہ بھی آسان ہے، اس لئے کہ اس شخص کو صرف ایک حکومت کا حق ادا کرنا پڑتا ہے جس میں کوئی اَمر مزاحم (روکنے والا) نہیں۔

دو بیویوں کے مابین عدل کرنا سلطنت میں عدل کرنے سے مشکل ہے

بخلاف صاحب اَزواج متعددہ کے، کہ اس کے ماتحت ایسے دو محکوم ہیں جو اس کے محبوب بھی ہیں، اور اس محبوبیت کے سبب ایک درجے میں معنیً اس پر حاکم بھی ہیں، پھر محکوم بھی کیسے جن میں انصاف وعدل کرنا صرف اسی حالت کے ساتھ خاص نہیں جبکہ ان دونوں میں جھگڑا واقع ہو، بلکہ اگر وہ خود بھی نہ جھگڑیں تب بھی اس حاکم پر ہر وقت کے برتاؤ میں ان میں برابری رکھنا واجب ہے، پھر جب جھگڑا پڑے اس

وقت یہ کشاکشی ہوگی کہ اُن کی محکومیت کے حق ادا کرتا ہے تو محبوبیت کے حقوق فوت ہوتے ہیں، ان دونوں کا جمع کرنا جمع بین الاضداد (مخالف چیزوں کے جمع ہونے) سے کم نہیں، اور نہایت ہی عقل اور دین کی اس میں ضرورت ہے، کوئی کر کے دیکھے تو معلوم ہو، اور اگر حکومت سے سبکدوش (علیحدہ) ہونا چاہے تو وہ اس لئے مشکل کہ حقیقت اس کی زوجیت کو قطع کرنا ہے، سو اول تو زوجیت کا یہ فطرۃً بھی محتاج ہے، دوسرے محبوبیت سے استعفاء، تیسرے شریعت اس کو مبغوض ٹھہرا رہی ہے۔

پھر اس اجلاس کا کوئی وقت نہیں، ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہنا چاہئے، پھر استغاثہ (دعویٰ کرنے) کا انتظار نہیں، ورنہ خود دست اندازی لازم، تو جو شخص اس نازک موقع پر عدل کو استعمال میں لے آیا وہ اعلیٰ درجے کا عادل ہوگا اور دوسری جگہ اس صفت سے کام لینا اس کو بالکل پانی ہو جائے گا، اور مثلاً اس کی قدر بڑھ جانا کہ جس طرف جاتا ہے اس طمع میں کہ مجھ سے اس کو زیادہ التفات ہو، اسکی بہت قدر کی جاتی ہے، خاص طور سے خدمت کی جاتی ہے بشرطیکہ دونوں زوجہ (بیویوں) میں نری شیطنت نہ ہو، ورنہ مجاہدۂ عظیمہ (بہت بڑا مجاہدہ) ہے کہ یہ بھی ایک مصلحت عظیمہ ہے تعدد کی، مثلاً صحت کا اچھا ہونا، کیونکہ ہر یوم میں ایک جدید چیز اس کو میسر ہے، اور جدت کے لئے نشاط اور نشاط کے لئے درستی صحت عادۃً لازم ہے۔

تعددِ ازواج کی ایک مصلحت زیادتِ تعفیف ہے

اور ایک مصلحت تعدد میں زیادتِ تعفیف (پاک دامنی) ہے، اور بھی مصالحِ متعددہ (بہت ساری مصلحتیں) اس تعدد میں ظاہر ہوئیں، مگر یہ مصالح ان خطرات و خلجانات (وساوس وشبہات) مذکورہ سابق کے ساتھ ایسے ہیں جیسے جنت کے راستے میں پل صراط کہ بال سے باریک، تلوار سے تیز، جس کو طے کرنا سہل کام نہیں، اِلَّا مَنْ یَّسَّرَ اللّٰہُ تَعَالٰی اور جو طے نہ کر سکا وہ سیدھا جہنم میں پہنچا، اس لئے ایسے پل پر خو

چڑھنے کا ارادہ نہ کرے، بقول سعدیؒ

بدریا در منافع بے شمار است وگر خواہی سلامت برکنار است

(دریا کے منافع بے شمار ہیں، مگر سلامتی اسی میں ہے کہ کنارے پر ہی رہو)

ان خطرات و مہالک کو عبور کرنے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ ارزاں نہیں ہیں، دین کامل، عقل کامل، نور باطن، ریاضت سے نفس کی اصلاح کر چکنا و مثل ذالک، چونکہ یہ مجموعہ شاذ ہے، اس لئے تعدد ازواج میں پڑنا یا اپنی دنیا برباد و تلخ کرنا ہے، اور یا آخرت و دین کو تباہ کرنا ہے۔

ہرگز بگندم گوں لاتقربوا کہ زہر است حال پدر بہ یاد از اُمّ الکتاب دارم

(حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ گندم کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ زہر ہے، میں اپنے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کا حال لوحِ محفوظ سے یاد رکھتا ہوں)

سقوطِ جاہ اور بدنامی میں بہت سے درجات موقوف ہیں

خلاصہ یہ کہ کچھ مصلحتیں خاص اس نکاح میں ظاہر ہوئیں، جو پہلے سے قلب میں واقع ہوئی تھیں، جن کو مختصراً میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ پر الیٰ قولہ تو کلاً علی اللہ رکھتا ہوں، اور کچھ مصلحتیں مطلق تعدد ازواج میں ظاہر ہوئیں، ان مصالح میں سے مصلحت سقوطِ جاہ کی بہت مجمل مذکور ہوئی، اب اس کی کسی قدر تفصیل کرتا ہوں کیونکہ اعظم مصالح اس واقعے میں یہی ہے۔

سو بیان اس کا یہ ہے کہ واقعی بدنامی اور ملامت واقعے میں اس قدر ہوئی کہ شاید تمام عمر بھی اگر میں خدانخواستہ واقعی عیب کرتا تب بھی اس قدر نہ ہوتی، اس واقعے کے تین مواقع تھے، ہر موقع پر میری قسمت میں یہ دولت لکھی تھی۔

چنانچہ اول موقع نکاح کا تھا، اسمیں جو کچھ ہوا اس کا مختصر بیان بضمن اقوال جہلاء کے اوپر کر چکا ہوں، دوسرا موقع یہ ہوا کہ جب گھر کے لوگوں پر زیادہ صدمہ دیکھا اور

اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ نوبت نہ پہنچے، اِدھر اپنے قلب کو تحمل سے عاجز پایا، آخر تنگ آ کر ایک مختصر مجمع احباب عقلاء سے مشورہ کر کے اس جدیدہ کو قطع تعلق بواحدۃ صریحہ (ایک طلاق صریح دے کر قطع تعلق کرنے) کا مضمون اسی عزیز کے ہاتھ جو نکاح کا پیام لے کر گئے تھے لکھ بھیجا، اس فعل سے گھر میں مجھ کو روکا بھی، مگر میں نے یہ سمجھا کہ بدون اس کے اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں، اُدھر میں مردوں سے مشورہ کر چکا تھا، عورت کی رائے کو میں نے ناقص سمجھ کر بھی عمل نہ کیا۔

اس تحریر و پیام کا جو اثر دوسری طرف ہوا، اس کو سن کر دوسرا صدمہ پہنچا، مگر بجز برداشت کرنے کے اس کا کوئی علاج میرے ہاتھ میں نہ تھا، اب یہ دوسرا موقع ہوا بدنامی وملامت کا، کسی نے کہا: ''خواہ مخواہ دل شکنی کی'' کسی نے کہا: ''بیوی سے اتنا دبنا نہ چاہیے'' کسی نے کہا: ''یہ جائز کہاں تھا''، اول موقع پر عوام نے زیادہ بدنام کیا تھا، اس دوسرے موقع پر اہل فہم (سمجھ دار لوگوں) نے زیادہ بدنام کیا۔

اب تیسرا موقع سب سے زیادہ عجیب ہوا کہ جب وہ عزیز پیام پہنچا کر واپس آ گئے تو اَب منکوحۂ اولیٰ کو یہ خیال غالب ہوا کہ افسوس میرے سبب انہوں نے اپنے ایک رغبت کے معاملے کو قطع کیا، اب ان کو عمر بھر قلق و رنج رہے گا اور مجھ کو سخت شرمندگی رہے گی، اور لوگ بھی یہ سمجھیں گے کہ اس کے سبب ایسا ہوا، غرض ان خیالات نے اس قدر غلبہ کیا کہ اصل واقعے سے زیادہ صدمے کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور ارادہ کیا کہ اب میں خود جا کر پھر نکاح کی تجدید (نئے سرے سے نکاح کرنے) میں کوشش کروں۔ میں نے انجام سوچ کر ہر چند منع کیا، اپنے ایک مخلص دوست صالح عالم سے بطور وعظ کے فہمائش بھی کرائی، مگر ان کا یہ خیال قوی ہوتا گیا حتیٰ کہ خود وہاں جا کر سب کو راضی رضا کر کے مجھ کو یہاں سے بلا کر تجدید کرادی، اس تجدید میں قوی قوی رکاوٹیں پیش آئیں، کہ جن میں بعض کا مجھ پر بار ڈالنے کی تجویز بھی تھی، جس کو میں برداشت کرنا پسند نہ کرتا تھا اور بدون اس کے ظاہراً تجدید دشوار

تھی، اس وقت بے ساختہ میرے قلب میں آیا کہ اب تک تو منامات و مکاشفات (خوابوں اور کشفوں) سے احباب استدلال (دلیل دیا) کرتے تھے، کہ یہ من الغیب، (غیب سے) ہے، مگر میرے قلب میں ان چیزوں کا زیادہ اثر نہ تھا۔

اب میں اس کے من الغیب ہونے نہ ہونے پر اسی سے استدلال کرتا ہوں کہ میں کسی شرط زائد کو قبول نہ کروں گا، اگر پھر بھی اس کا وقوع ہو گیا تو میں من الغیب سمجھوں گا، ورنہ اس بار سے بچا رہوں گا۔ چنانچہ باوجود اس کے حق تعالیٰ نے سب کے قلوب کو دفعۃً (اچانک) بدل دیا کہ سب شرطیں محذوف (ختم) ہو گئیں اور تجدید ہو گئی، مزاحمات کا اس طرح بلا کوشش دفع ہو جانا میرے نزدیک ایک باوقعت دلیل ہے، اور اس سے بڑھ کر دلیل خود مزاحم کی کوشش کرنا یعنی منکوحہ اولیٰ کا اس طرح سعی کرنا ہے، اب اس سے ان منامات و مکاشفات کا صدق راجح ہوتا ہے۔

یہ تیسرا موقع تھا، اس میں بھی بے حد ملامت کی گئی، کسی نے کہا: ''طلاق کے بعد بلا حلالہ تجدید کہاں جائز ہے'' کسی نے کہا: ''واحد صریحہ (ایک صریح طلاق) میں تجدید کی کیا حاجت تھی، کسی نے کہا: ''بس مسئلے مولویوں کے قبضے میں ہیں، جس چیز کو دل چاہا اس کو دُرست کر لیا، کبھی نکاح کو، کبھی طلاق کو'' وغیر ذالک من الجہالات۔

غرض تینوں موقعوں پر مختلف عنوانات سے اطراف ونواح میں آگ لگنے کا ساغل تھا کہ جس کو دیکھئے یہی قصہ، یہی چرچا، دُکانوں پر یہی تذکرہ، نشست گاہوں (بیٹھکوں) میں یہی مشغلہ، کوئی میرے احباب کو چھیڑتا ہے، کوئی احباب ہونے کے دعوے کے بعد شبہات واعتراض کرکے اپنے دوست ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

نکاحِ ثانی میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بفضل تعالیٰ اضطراراً موافقتِ سنت کی بہت سی باتیں ہوئیں

ان کے مقابل اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت اہل فہم کی بھی قائم کر دی، جو ان سب

واقعات کو سنت کے موافق سمجھ رہے تھے اوران کی محبت زیادہ بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ سب سے پہلا واقعہ خواب کا تھا، اس میں سنت کی موافقت یہ ہوئی کہ اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صورت ایک حریر کے ٹکڑے پر دکھلائی گئی، کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ دوسرا واقعہ بھانجے کی بیوی سے نکاح کرنے کا تھا، اس میں سنت کی موافقت یہ تھی کہ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی بیوی تھیں، ان کے طلاق دینے کے بعد نکاح فرمایا۔ تیسرا واقعہ وہ تھا جو جہلاء کے اقوال میں یہ قول نقل کیا گیا کہ "اجی معلوم ہوتا ہے ان میں پہلے سے ساز باز ہوگا" اس طرح نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہا گیا، توبہ توبہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر عاشق ہو گئے تھے، استغفر اللہ!

چوتھا واقعہ تفاوتِ عمر میں نکاح تھا، اس میں موافقت سنت کی یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر میں اس سے زیادہ تفاوت تھا۔ پانچواں واقعہ منکوحۂ اولیٰ کی دلجوئی کے لئے ثانیہ کو جواب دے دینے کا تھا، اس میں سنت کی دو موافقتیں ہوئیں، ایک وجہ اس آیت میں مذکور ہے:۔

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ،

تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ. (التحریم: ۱)

(یعنی اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے حلال کیا ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (قسم کھا کر) اس کو اپنے اُوپر کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے)

دوسری وہ جو اس آیت کا شانِ نزول ہے:

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ. (الطلاق: ۱)

(یعنی اے پیغمبر! (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں

کوطلاق دینے لگو)...... یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک طلاق دے دی تھی، پھر بحکم الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رجعت فرمالی۔ (کذافی الدرالمنثور عن ابی حاتم وابن المنذر)

چھٹا واقعہ تجدید نکاح کا تھا، اس میں سنت کی موافقت ابھی مذکور ہوئی، کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بعد طلاق کے رجعت فرمالی تھی۔

ساتواں واقعہ مہر کے خفیف (کم) ہونے کا تھا، اس میں موافقتِ سنت قولاً وعملاً ظاہر ہے۔ غرض اہل فہم کو خدا تعالیٰ نے اس طرح سمجھادیا، میں یہ جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے یہ سب کام اتباع سنت کی نیت سے کئے ہیں، بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ اضطراراً سنت کی موافقت ہوجائے، جس سے زیادہ برکت کی اُمید ہوتی ہے، چنانچہ اُمید برکت کی مزید تائید دو واقعوں سے اور ہوتی ہے، ایک یہ کہ اس واقعے کی خبر سن کر ایک شیخ کامل نے جس کا میں نے اوپر اس عنوان سے ذکر کیا ہے کہ اس وقت افادۂ خلائق میں مشغول ہیں، مجھ کو خط لکھا، اس میں یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس عقد کو موجب ترقی درجاتِ سامیہ (بلند درجات کی ترقی کا سبب) فرمائے۔

دوسرا یہ کہ ایک دوسرے شیخ کامل نے جن کا میں نے اوپر اس عنوان سے ذکر کیا ہے کہ ظاہری وباطنی افادے میں بفضلہٖ تعالیٰ مشغول ہیں، میری اس درخواست کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس میں برکت فرمادیں، یہ فرمایا کہ ''ہم کو تو برکات کی توقع ہے۔''..... بس یہ خلاصہ ہے مضمونِ مشیت اور مصلحتوں کا جس کی بناء کار معلوم ہونا آں عزیز نے لکھا ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ نے نکاحِ ثانی اولاد ہونے کے خیال سے نہیں کیا

اسی سے آں عزیز کے اس سوال کا جواب بھی نکل آیا، کہ اس زمانے میں جب تمام اعزہ کی تمنا تھی کہ اولاد ہو اور اس کے سبب سب نے زور دیا کہ نکاح ثانی ہوجائے، تو آپ نے نہ مانا، جب اس کی عمر تھی، اور طبعاً اولاد کی خواہش ہوگی، لیکن وہ زمانہ گزر گیا

تو اَب کیا وقت تھا؟ تقریر جواب کی ظاہر ہے کہ اس وقت بھی میں نے اولاد کے خیال سے نہیں کیا، اور نہ اقتضائے عمر (عمر کے تقاضے) سے کیا۔

اسباب مذکورۂ بالا سے طبیعت میں ایک قوی تقاضا پیدا ہوا جس میں بلا قصد (بغیر ارادے کے) بہت سے دقیق مصالح بھی پیدا ہو گئے، اور عجب نہیں کوئی اولاد بھی ہو جائے، چنانچہ میں نے اس تقاضے کے قلب میں آنے کے وقت دُعائے استخارہ کے ساتھ دینی کتابوں سے تفاؤل (نیک فال کا حصول) بھی کیا، گو میں تفاؤل کو مؤثر نہیں سمجھتا اور نہ ایسا سمجھنا جائز ہے، مگر محض تقویت رجاء (تقویت اُمید) کے لئے تفاؤل چند بار کیا، اس آیت کا مضمون ہر بار میں نکلا:

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ. (الانبیاء: ۸۹)

(اے میرے رب! مجھ کو لاوارث مت رکھیو (یعنی مجھ کو فرزند دے دیجئے کہ میرا وارث ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں)

واللہ اعلم، اتفاقی بات ہے، یا اشارہ ہے عطاءِ اولاد کی طرف، چنانچہ اس کے بعد کی تحریر میں آں عزیز کو اس بات کا احساس ہو گیا، چنانچہ لکھا ہے: ''لیکن ان شرعی مصلحتوں اور حکم خداوندی کی باریکیوں کو دُنیاوی اُمور پر ترجیح دینا بڑا کام ہے جو دنیا داروں اور خاص کر مستورات سے ممکن نہیں۔'' چنانچہ اس میں احساس جواب کے ساتھ دنیاداروں اور مستورات کی ایک درجے میں معذوری بھی بیان کی ہے، اس کی نسبت یہ ہے کہ درجۂ حال میں ترجیح دینے کا کسی کو مکلف بھی نہیں بنایا، یہ تو ایک موہبت الٰہیہ (اللہ تعالیٰ کی عطا) ہے، جس کو عطا ہو۔

حدودِ شرعیہ میں قولاً وفعلاً تجاوز نہ کرنے کا سب کو حکم ہے

لیکن اس قدر کا سب کو مکلف بنایا ہے کہ حدودِ شرعیہ سے قولاً وفعلاً تجاوز نہ کریں، اور تجربے سے ثابت ہے کہ اس تحفظِ حدود میں حق تعالیٰ نے یہ اثر دیا ہے کہ حزن وتشویشِ طبعی (طبعی فکر وغم) بھی اس قدر ضعیف ہو جاتا ہے کہ بالکل کالعدم، ورنہ وہ کمبخت برابر

ہی تازہ ہوتا چلا جاتا ہے، جہلاء اس نکتے کو نہیں سمجھتے اور تجاوز عن الحدود (شرعی حدود سے بڑھنے) کو اپنے مرض کا علاج سمجھتے ہیں، جو اِن اَشعار کا مصداق ہوتا ہے ۔

ہر چہ کردند از علاج و از دوا رنج افزوں گشت و حاجت ناروا
بے خبر بودند از حالِ دروں استعیذ اللہ مما یفترون
گفت ہر دارد کہ ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

(یعنی ہر قسم کی دوا اور علاج کیا مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' وہ باطنی حال سے غافل ہیں، اللہ کی پناہ جو وہ جھوٹ بولتے ہیں، کہا کہ انہوں نے ہر قسم کی دوا دارو کی ہے مگر اس بیماری کو ختم نہیں کیا، گویا طبیبوں کے نزدیک یہ مرض لا علاج نہیں ہے)

حضرت حکیم الامتؒ کا نکاح ثانی سے اہلیہ کو مطلع نہ کرنے کا سبب

آگے آں عزیز نے لکھا ہے: ''تاہم جس قدر حالات (نام عزیزے) کی تحریر سے معلوم ہوئے، میری ناقص رائے میں اتنی کسر (کمی) رہ گئی کہ ان امور کو اول اگر بھابھی صاحبہ کے سامنے پیش کر دیا جاتا تو شاید ان کو اتنا خیال نہ ہوتا، اب جو ہونے والا تھا ہو گیا۔'' اس کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان واقعات کی جو کہ بناء کار ہیں ان کو خبر دی جاتی، سو یہ تو میں چند موقعوں پر کرتا رہا جس کا اُن پر ہمیشہ گہرا اثر ہوا، کیا میں نے ان سے اپنا پہلا خواب نہ کہہ دیا تھا، ایک بزرگ کا مکاشفہ متعلق مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ بھی کہہ دیا تھا، باوجودیکہ انہوں نے تعبیر میں میرے ساتھ اختلاف کیا، مگر پھر بھی اُن پر کئی ماہ تک اثر رہا جس کو دیکھ کر میں نے سچی بات دل کی کہہ دی کہ میرا اس وقت تو بالکل آئندہ کے لئے بھی ارادہ نہیں، یہاں تک کہ میں نے کہا کہ لاؤ میں عمر بھر کے لئے ایسی قسم کھالوں کی نکاح ہی نہ ہو سکے، لیکن مجھ کو تقدیر کی خبر نہیں، نہ یہ میرے قبضے میں ہے، کہ حق تعالیٰ نے اگر دل کو بدلنا ہے تو بدلنے نہ دوں، انہوں نے ایسی قسم کھانے سے اسی بناء پر ہمیشہ منع کیا کہ خدا جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ بہر حال، اُن کو یہ احتمال ہمیشہ ستاتا رہا، اور میں اپنے ارادے کے موافق اطمینان دلاتا

رہا، اور واقعی میرا ارادہ کوسوں بھی نہ تھا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ ارادہ ہونے کے بعد ان کو ارادے کی اطلاع نہ کی، اور بہت سے اہل الرائے بھی یہ کہتے ہیں۔

سو اس میں میرا یہ خیال ہوا، اب خواہ وہ غلط ہو یا صحیح کہ یہ قیامت تک موافقت نہ کریں گی اور صریح مخالفت (کھلی مخالفت) کے بعد پھر مجھ کو مناسب نہ ہوگا، کہ اس میں زیادہ دل شکنی ہے، اور اگر بلا اطلاع کرلیا تو آخر مجبور ہوکر ساکت و ساکن (خاموش) ہوجائیں گے، بس اس خیال سے میں نے اپنے ارادے کی اطلاع نہیں کی، اور بعد کے واقعۂ تجدید سے تو یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ اطلاع تو کیا معنی اگر مشورہ واجازت بھی حاصل کرلیتا تب بھی کچھ نفع نہ ہوتا، چنانچہ خود سعی کرنا تو مجھ کو اجازت دینے سے بڑھ کر اس رضا وسکون میں موثر ہے، مگر کوئی اس کا اثر ظاہر نہیں ہوا، اب تو آں عزیز کا یہی جملہ تسلی بخش ہوسکتا ہے کہ جو ہونے والا تھا ہوگیا، اس کے ساتھ اتنے اضافے کی اور ضرورت ہے کہ دُعا والتجا اَخیر علاج ہے اور اکسیر علاج ہے۔

یَهْدِ قَلْبَهُ کے بعد پریشانی اور رنج وغم کہاں؟

آں عزیز نے اپنی محبت سے لکھا ہے: ”لیکن مجھ کو اس کا صدمہ ہوتا ہے جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ کے عیش وآرام میں فرق پڑ گیا۔“

یہ آں عزیز کی محبت کا مقتضاء ہے اور ہونا بھی چاہئے اور حقیقی بھائی کے ساتھ تو کیوں نہ ہوتا، ہر نوعی بھائی کے ساتھ ہونا چاہئے۔

چو از محنتِ دیگراں بے غمی   نشاید کہ نامت نہند آدمی

(یعنی اگر دُوسروں کے رنج وغم سے تم بے خبر ہو تو مناسب نہیں کہ تمہارا نام آدمی رکھیں)

مگر میں آں عزیز کو بے فکر اور مطمئن کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس عیش سے زیادہ مجھ کو عیش عطا فرمائی، یعنی وہ عیش دنیا کا تھا اور واقع میں مجھ کو اس سے ایک گونہ دلچسپی ہوگئی تھی، اور کبھی کبھی سوچ کر ڈرتا تھا کہ خدا نہ کرے اس آیت کا مضمون تو مجھ پر صادق نہیں آنے لگا:۔

رَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا ۔ (یونس:۷)

(اور وہ دُنیوی زندگی پر راضی ہو گئے (اور آخرت کی فکر اصلاً نہیں کرتے) اور اسی میں جی لگا بیٹھے (آئندہ کی کچھ فکر نہیں)۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان واقعات نے اس حدیث کے معنی سمجھا دیئے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ.

(اے اللہ! آخرت کے عیش کے سوا کوئی عیش نہیں)

اول اول ذرا جی گھبرایا مگر حق تعالیٰ نے دکھلا دیا۔

درد از یار ست و درماں نیز ہم دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

(درد دوست کی طرف سے ہے اور اس کا علاج بھی انہی کے پاس ہے، دل و جان اس پر قربان ہو)......اور اس آیت کے معنی دکھلا دیئے:۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ م بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ.

(التغابن: ۱۲)

(کوئی مصیبت بدون حکم خدا کے نہیں آتی، اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو صبر و رضا کی راہ دکھاتا ہے)

بس "يَهْدِ قَلْبَهٗ" کے بعد پریشانی کہاں، کہاں رنج و غم، باقی طبعی اثر خفیف (ہلکا) سا کسی وقت ہو، وہ پریشان کن نہیں، دوسرے اس سے کوئی خالی نہیں، تیسرے وہ خود لا علاج ہے، بہت سے امراض کا جن میں نفوس عامۃ مبتلا ہیں اس حیثیت سے وہ سب رحمت ہیں، اس لئے میں الحمد للہ پہلے سے زیادہ عیش میں ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ اب تو ظاہراً بھی سکوت و سکون بڑھتے رہنے سے پہلے رنگ کا عیش بھی مع شئے زائد کے عود (واپسی) کر آتا ہے۔

خط کے جواب میں مکمل رسالہ لکھنے کا سبب

آگے آں عزیز کے خط کے خاتمے کا جملہ ہے: "اس لئے اپنے اطمینان خاطر کے

لئے میں التجا کرتا ہوں کہ اپنے قلم سے اس کے مفصل حالات تحریر فرمائیں، زیادہ نیاز مند، فقط۔'' میری بدنی حالت اس وقت بوجہ نقاہت (کمزوری) کے اتنی تفصیل کی متحمل (برداشت کرنے والی) نہ تھی، نیز واقعات کے ساتھ علوم کا منضم (شامل) کرنا شاید یہ بجائے تفصیل کے تطویل (طویل) ہونا معلوم ہو۔

مگر آں عزیز کے تعلق طبیعت واثر محبت نے قلب میں ایک جوش پیدا کر دیا، جس سے جو بے ساختہ قلم میں آتا گیا، پھر اس مجموعی مضمون کی نافعیت (فائدہ مند ہونے) پر نظر کر کے اس کو ایک رسالہ قرار دے کر اس کا ایک بادلالت نام بھی رکھ دوں، چنانچہ یہ نام خیال میں آیا: "الخطوب المذیبة للقلوب المنیبة" یعنی وہ واقعات جو خدا کی طرف رجوع ہونے والے قلب کو گداختہ اور نرم کر دیں۔

تعددِ ازواج سے بچنے ہی میں سلامتی ہے

اب میں اپنے اس خط کو ایک مناسب مقام ومفید دستور العمل پر ختم کرتا ہوں، جس کے تین جزو ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو میں اصل خط میں مشورہ دے چکا ہوں کہ تعدد ازواج ایک پُر خطر مسلک ہے، جس طرح قضاء یعنی حکومت کے قبول کرنے میں حدیث میں نہایت تہدید (دھمکی) ہے، یہ بھی اس سے کم نہیں، بلکہ میں نے جو اُوپر مصلحت حصول صفتِ عدل کے متعلق بیان کی ہے، اس سے یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ بعض وجوہ سے یہ قضاء بھی اشد ہے، جب اس سے تحذیر (ڈرنے کا حکم) وارد ہے تو اس کی جرأت کب زیبا ہے؟ اور مکرر کہتا ہوں کہ میرے اختیار کرنے سے دھوکا نہ کھایا جائے، اس اختیار کرنے سے تو پورا پتہ چلا، بس۔

من نکردم شما حذر بکنید

لیکن جو شخص اس مشورے سے قبل اس زنجیر میں بندھ چکا ہو اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے پورے حقوق ادا کرے، اس طرح ان متعدد بیبیوں پر بھی واجب ہے کہ نفس کا اتباع چھوڑ کر شریعت کو اپنا رہبر بنائیں، احکام شرعیہ کی تفصیل تو علماء کی

مراجعت سے معلوم کرنا چاہئے، اس مقام پر میں مشورے کے درجے میں ایک دستور العمل جو بعد تفصیل کے تین دستور العمل ہیں، تینوں شخصوں کے لئے لکھتا ہوں۔

پہلا دستور العمل شوہر کے لئے

ا۔ ایک بی بی کا راز دوسری سے نہ کہے۔ (۲) دونوں کا کھانا اور دونوں کا رہنا الگ الگ رکھے، ان کا اجتماع آگ اور بارود کے اجتماع سے کم نہیں۔

(۳) ایک سے دوسری کی شکایت ہرگز نہ سنے۔

(۴) ایک کی تعریف دوسری سے نہ کرے۔

(۵) غرض ایک کا تذکرہ نہ دوسری سے کرے، نہ دوسری سے سنے، اگر ایک شروع بھی کرے فوراً روک دے کہ اور کچھ بات کرو۔

(۶) اگر ایک دوسری کی کوئی بات پوچھے، ہرگز نہ بتلائے، مگر خشونت (سختی) نہ کرے، لطف سے منع کردے۔

(۷) دینے لینے میں یہ شبہ نہ ہونے دے کہ ایک کو زیادہ دے دیا ہو، اس کو صاف صاف ظاہر کردے، (۸) باہر سے آنے والی عورتوں کو سختی سے روکے کہ وہ دوسری جگہ کی حکایات یا شکایات بیان نہ کریں۔

(۹) اور نہ خوشامد میں ایک ساتھ کم محبتی کا دعویٰ دوسری کے سامنے کرے۔

(۱۰) اگر موقع ہو ایک سے ایسی روایت کردے کہ دوسری تمہاری تعریف کرتی تھی۔

(۱۱) لطف سے اس کی تدبیر ہو سکے تو مفید ہے کہ ایک دوسری کے پاس ہدیہ وغیرہ بھی بھیجا کریں۔

دوسرا دستور العمل منکوحۂ قدیمہ کے لئے

(۱) جدیدہ پر حسد نہ کرے، (۲) اس پر طعن و تشنیع نہ کرے۔

(۳) بہ تکلف جدیدہ کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے، تاکہ اس کے دل میں محبت نہ ہو تو عداوت بھی نہ ہو۔

(۴) شوہر سے کوئی ایسی بے تکلف گفتگو نہ کرے کہ شوہر کو اس جدیدہ کے سامنے اس کا ہونا اس لئے ناگوار ہو کہ اس کو یہ احتمال ہو کہ یہ جدیدہ بھی ایسی بے تمیزی نہ سیکھے۔

(۵) شوہر سے جدیدہ وغیرہ کا کوئی عیب بیان نہ کرے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کی عیب گوئی خصوص رقیب کی زبان سے پسند نہیں کرتا۔

(۶) جدیدہ سے ایسا برتاؤ رکھے کہ اس کی زبان اس قدیمہ کے سامنے ہمیشہ بند رہے۔ (۷) شوہر کی اطاعت وخدمت وادب میں اور بیشی (اضافہ) کردے تاکہ اس کے دل سے نہ اُتر جائے۔

(۸) اگر شوہر سے ادائے حقوق میں کچھ کمی بھی ہوجائے تو جو کمی حد تکلیف تک نہ پہنچے اس کو زبان پر نہ لائے، اور اگر حدِ تکلیف تک ہو تو جس وقت مزاج خوش پائے ادب سے عرض کردے۔

(۹) جدیدہ کے اعزہ (رشتہ داروں) سے خوش اخلاقی ومدارات (حسن سلوک) کا برتاؤ رکھے کہ جدیدہ کے دل میں گھر ہو۔ (۱۰) گاہ گاہ (کبھی کبھار) اپنا دن جدیدہ کو دے دیا کرے، تاکہ شوہر کے دل میں قدر بڑھے۔

تیسرا دستور العمل منکوحۂ جدیدہ کے لئے

(۱) قدیمہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جیسے اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

(۲) شوہر پر زیادہ ناز نہ کرے، اس گمان سے کہ میں زیادہ محبوب ہوں، خوب سمجھ لے کہ قدیمہ سے جو تعلقاتِ رفاقت ہیں جو کہ دل میں جاگزیں ہوچکے ہیں، یہ نفسانی نیا جوش اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

(۳) شوہر سے خود جدا رہنے سہنے کی درخواست نہ کرے۔

(۴) اگر شوہر جدا رکھنے لگے تب بھی گاہ گاہ قدیمہ سے ملنے جایا کرے، قدیمہ کو دعوت وغیرہ کے لئے بلالیا کرے۔

(۵) شوہر کو سمجھاتی رہے کہ قدیمہ سے بے پروائی نہ کرے۔

(۶) اگر قدیمہ کچھ سختی یا طعن وغیرہ کرے تو اس کو ایک درجے میں معذور سمجھ کر معاف کردے اور شوہر سے تو ہرگز شکایت نہ کرے۔

(۷) قدیمہ کے عزیزوں کی خوب خدمت کرے۔

(۸) قدیمہ کی اولاد سے بالخصوص ایسا معاملہ رکھے کہ قدیمہ کے دل میں اس کی محبت وقدر ہو جائے۔

(۹) ضروری اُمور میں قدیمہ سے مشورہ کرتی رہے کہ اس کے دل میں قدر بھی ہو اور اس کو تجربہ بھی زیادہ ہے۔

(۱۰) اگر اپنے میکے میں جائے قدیمہ سے خط وکتابت بھی رکھے۔

اشعار

ما نصیحت بجائے خود کردیم روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ترجمہ:۔ (ہم نے اپنی جگہ نصیحت کردی اور اسی طرح اپنی زندگی بسر کردی، اگر کسی کو اس میں رغبت نہ ہو (تو مضائقہ نہیں) کیونکہ قاصدوں کے ذمے صرف پہنچانا ہے اور بس)

وَالسَّلَامُ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالدُّعَآءُ مَنْ وَقَی الْهَوٰی وَاَنَا الْحَقِیْرُ بَنَام عَجِیْب

(۲۶۔۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ)

تکمیل العفۃ

یعنی پردہ کے احکام اور اس کے فطری ہونے کا بیان

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگوں کے دین کو کچھ انگریزی نے کچھ افلاس نے کچھ بدفہمی نے تینوں نے ملکر خراب و برباد کر دیا آجکل تو انگریزیت کا غلبہ بعض جگہ عورتوں پر بھی ہو چلا ہے یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ ایک بہت بڑے دیندار خاندان کے رئیس کی بیوی کا میرے پاس خط آیا تھا اپنے نام کے ساتھ لکھا تھا کہ فلاں لیڈی میں نے لکھا کہ اگر اپنے نام کے ساتھ یہ لکھا جاتا کہ فلاں بیگم تو یہ اچھا تھا بس یہ عزت بڑھی کہ آدمی سے لیڈی بن گئیں میرا ایک یہ بھی معمول ہے کہ جب کسی عورت کا خط آتا ہے تو لکھ دیتا ہوں کہ اپنے خاوند کے دستخط کرا کر بھیجو۔ اس میں بھیجنے والے کی دینی مصلحت بھی ہے اور دنیوی بھی تاکہ کہیں بے محل خط نہ لکھ سکیں اور یہ سمجھیں کہ بدون خاوند کی اجازت کے خط و کتابت کرنا جائز نہیں ادھر خاوند کو اطمینان رہے کہ بدوں میری اجازت کے یہ ایسا نہیں کرتی غرض اس میں بڑی مصلحت ہے اور جگہ ان باتوں کا خیال بھی نہیں کیا جاتا ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بے پردگی کی وبا بھی عام ہو چلی ہے تمام غیر محرم گھروں میں آتے ہیں جن سے پردہ فرض ہے اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی جو مفاسد ان کے باہر پھرنے سے پیدا ہوتے وہ اس صورت میں گھروں کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں ایسا پردہ حقیقت میں پردہ نہیں ہے محض عرفی پردہ ہے ایک صاحب نے بطور اشکال کے مجھ سے کہا تھا

کہ پردہ کے اندر بھی تو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں میں نے کہا کہ پردہ کے اندر قیامت تک خرابی اور مفاسد پیدا نہیں ہو سکتے جب مفاسد ہوں گے بے پردگی ہی سے ہوں گے کیونکہ ہر خرابی سے پہلے آپس کا سامنا ہی ہوگا وہ اس عرفی پردہ کو پردہ سمجھے ہوئے تھے اس وقت انکی آنکھیں کھلیں اور حقیقت کو سمجھے اور بہت مسرور ہوئے اور یہ کہا کہ میں بہت عرصہ سے اس شبہ میں مبتلا تھا آج منکشف ہوئی اور یہ مرض بے پردگی کا مسلمانوں میں دوسری قوموں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے پردے میں اصل ضرورت بدن چھپانے کی ہے جس میں کوتاہی ہوتی ہے محض چہار دیواری میں بیٹھنے کا اور نامحرموں کے سامنے ہونے کا نام پردہ نہیں عورتیں بکثرت عفیف ہوتی ہیں مگر وہ بھی پردہ کے اس حکم شرعی سے مستثنیٰ نہیں نیز نفس پر کیا بھروسہ اور کیا اطمینان جیسے سانپ پر کیا اطمینان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امتی بیٹیوں کو حکم تھا کہ اپنے روحانی باپ سے یعنی پیغمبر سے پردہ کرو اور اصل تو یہ ہے کہ پردہ کے لئے اسی کی ضرورت نہیں کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہو آخر غیرت وحمیت بھی تو کوئی چیز ہے وہ فطری ہونے کے سبب کافی داعی ہے بلکہ شریعت خود بالکل فطری چیز ہے چنانچہ جس میں احتمال بعید بھی مفاسد کا ہوتا ہے خود بخود قلب میں اس سے کھٹک پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ جنکا مفسدہ فطرۃً بہت زیادہ بسین تھا وہاں تشریع صریح ہی کی حاجت نہیں ہوئی دیکھئے یہ تو حکم ہے کہ شراب نہ پیو اور یہ نہیں فرمایا کہ پیشاب نہ پیو کیونکہ اسکی گندگی فطری ہے سو جس چیز کی ممانعت کی ضرورت نہ تھی اس بناء پر کہ وہ فطری ہے بعض جگہ اس میں بھی ممانعت کر کے بندوں پر احسان فرما دیا کہ اس کے احکام بتلا دیئے ورنہ فہم سلیم کے ہوتے ہوئے اس کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی لیکن باوجود عدم ضرورت کے اگر یہ امر پیش نظر رکھا جائے کہ احکام کا تعلق مختلف طبقات سے ہے جس میں بعضے فاسد الفطرت بھی ہیں تو پھر یہ شبہ بھی نہ ہوگا کہ باوجود فطری ہونیکے پھر کیوں ظاہر کیا گیا جواب ظاہر ہے کہ اس اظہار کا داعی فساد فطرت ہے اور یہ مدعیاں

بے پردگی جو اپنے مدعا کے دلائل بیان کرتے ہیں وہ نہایت لچر اور اصول عقلیہ کے بھی خلاف ہیں آخران کو بھی تو کسی مدعا کا قائل ہونا پڑے گا مطلقا بے پردگی کے تو یہ بھی قائل نہیں تو جو مفاسد مطلقاً بے پردگی سے پیدا ہوں گے اگر اس مابہ النزاع درجہ سے بھی وہی پیدا ہو جاویں تو پھر ان کے پاس کیا جواب ہے بعض لوگوں نے یہ مسئلہ فقہیہ یاد کر رکھا ہے کہ چہرہ تو ستر نہیں مگر یہ نہ دیکھا کہ اصل جذب قلب کے باب میں چہرہ ہی ہے چنانچہ جو شخص چہرہ دیکھ لیتا ہے اس کو دوسرے اعضاء کے دیکھنے کی خواہش نہیں اور جو شخص دوسرا عضو دیکھ لے مثلاً کلائی کو دیکھے تو چہرہ دیکھنے کی اس کو ضرور خواہش ہوگی۔ سوان بے غیرتوں کو شرم نہیں آتی کہ سر کھولنے کو تو جائز نہ سمجھیں اور چہرہ کھولنے کو جائز سمجھیں حسن و جمال تو جو کچھ ہے وہ چہرہ ہی میں ہے سو اس کا پردہ تو سب سے زیادہ ہونا چاہیئے مگر غایت مجبوری والیوں کو رفع حرج کے لئے اس میں سہولت کر دی ہے یہ نہیں کہ بلاضرورت حسن فروشی کرتی پھریں پس شریعت نے نہ تو تنگی کی اور نہ وسعت دی ہر امر میں اعتدال رکھا ہے اسی اعتدال کو کسی نے کہا ہے۔

گرچہ خدا گفت کلوا واشربوا　　لیک نفر مود کلوا تا گلو

غالب نے تمسخر سے کہا تھا۔

ہم توبہ جب کریں گے شراب و کباب سے
قرآن میں جو آیا کلواوشربوا نہ ہو

کسی نے خوب جواب دیا ہے۔

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب
جب آگے واشربوا کے ولاتسرفوا نہ ہو

شریعت سراپا اعتدال و حفظ حدود ہے اس حفظ حدود پر ایک واقعہ یاد آ گیا وہ یہ کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے ولایت گئے تھے ان کی توجہ سے بعض بڑے طبقہ کے انگریزوں نے اسلام قبول کر لیا چنانچہ ایک انگریزی خاتون نے جو کسی کالج

کی پروفیسر تھی اپنے مسلمان ہو جانے کی مجھ کو اطلاع دی اور اسلامی نام رکھنے کی استدعاء کی اس عورت کا نام بڑاڈے ہے میں نے بریدہ تجویز کیا وہ بے حد مسرور ہوئی دونوں ناموں میں نقلی تناسب کی وجہ سے ایک دوسرے انگریز نے ان ہی صاحب کے ذریعہ سے ایک خط مجھ کو لکھوایا کہ میں تھانہ بھون آنا چاہتا ہوں مع اپنی بیوی کے ہندوستان دیکھنے کو بیحد جی چاہتا ہے آپکے یہاں پردہ ہے ہمارے یہاں پردہ نہیں تو کیا ایسی حالت میں آپ لوگ ہم کو حقیر نہ سمجھیں گے۔

اب مجھ کو سوچ ہوئی اگر لکھتا ہوں کہ پردہ کی ضرورت نہیں تو وہ نصوص سے ثابت ہے نفی کیسے ہو سکتی ہے اور اگر پردہ کرنے کو لکھتا ہوں تو ان کو بوجہ عادت نہ ہونیکے وحشت ہوگی بس اسی حفظ حدود کی اصل پر یہ سمجھ میں آیا کہ اور اعضاء تو مستور رہوں ہی گے صرف چہرہ کھلا ہوگا تو چہرہ چھپانے سے اصل مقصود ہے دفع فتنہ اور فاتح قوم کی ایک ہیبت ہوتی ہے مفتوح قوم پر اس لئے مفتوح قوم کی ہمت نہیں پڑتی فاتح قوم کے متعلق خیالات فاسدہ کی اس لئے ہم آپ لوگوں کو اس کی گنجائش دیں گے۔

بخلاف ہمارے کہ ہندوستان میں ہم آپس میں سب برابر ہیں ایک کا دوسرے پر کوئی ہیبت کا اثر نہیں اس لئے ہم اپنے لئے یہ گنجائش نہ دیں گے اور میں نے یہ جواب اخذ کیا حجۃ اللہ البالغہ کی ایک تعلیل سے جو انہوں نے امام شافعیؒ کے ایک فرع کے متعلق ذکر کی ہے وہ فرع سیدہ کا اپنے غلام سے عدم حجاب ہے حجۃ اللہ میں اس کی علت یہی ہیبت بیان فرمائی ہے مگر یہ کہ جب طبیعت میں سلامتی ہو جیسے آئمہ کے زمانہ میں تھی اور امام صاحب نے اس میں اس لئے اختلاف فرمایا کہ آئندہ طبیعتیں سلیم نہیں ہوں گی غرض میں نے امام شافعیؒ کی اصل پر اسی انگریز کو جواب لکھ دیا کہ تم کو اجازت ہوگی۔ کہ پردہ نہ کریں مگر پھر وہ آئے گئے نہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۳، صفحہ ۸۸، ملفوظ نمبر ۱۱۷)

❁❁❁

تنبیہ الاحزاب علیٰ ضرورۃ الحجاب

یعنی پردہ کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بے پردگی اعلیٰ درجہ کی بے حیائی اور بے غیرتی ہے نصوص اور مسائل کے خلاف ہونے کے علاوہ بے پردگی خود ایک غیرت کی چیز ہے جو کہ فطری ہے ان بے حسوں میں غیرت بھی تو نہیں رہی مجھ کو تو مسلمانوں کی اس حالت پر بے حد صدمہ اور رنج ہے کیا کروں اگر میرے ہاتھ میں حکومت ہوتو ایک دن میں ان کو درست کر دوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص ضبیع نام مدینہ میں وارد ہوا اور قرآن شریف کے متشابہات میں سوال جواب کرنا شروع کیا آپ نے حاضر ہونے کا حکم دیا اور سر پر قمچیاں مارنا شروع کیں بس دماغ درست ہوگیا پھر اس کو وطن واپس کر دیا۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو کہ عامل تھے لکھ دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ اس کے پاس کوئی نہ بیٹھے کذافی روح المعانی ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نعل دار جوتا روشن دماغ ہے واقعی صحیح ہے اور یہ فرمایا کرتے تھے جہاں چار کتابیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں توریت، زبور، انجیل، قرآن اگر ان سے عملی فیصلہ نہ ہوتو اس کے لئے ایک پانچویں چیز بھی حق تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے وہ اس آیت کے اندر مذکور ہے: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ۔

یعنی لوہے کو بھی نازل فرمایا ہے مراد اس سے سیف ہے اس سے عملی فیصلہ ہو جاتا

ہے اسلام میں آج کل یہ ہی تو نہیں رہی اسی کی ساری خرابی ہے آزادی کا زمانہ ہے جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے جو منہ میں آتا ہے بکتا ہے اس آزادی سے یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ عام پلیٹ فارموں پر بے پردگی کے متعلق لیکچر دیئے جاتے ہیں قرآن و حدیث میں تحریف کی جاتی ہے اور ان تازہ تحریکات کی بدولت اور زیادہ گمراہی کا دروازہ کھل گیا لوگ دلیر ہو گئے اور ان آزاد لوگوں کو زیادہ جرأت مولویوں کی شرکت سے پیدا ہوئی اگر یہ جماعت الگ رہتی تو ان کو اتنا حوصلہ نہ ہوتا اس لئے مولویوں کی شرکت کی وجہ سے عوام ان قصوں میں شریک ہو گئے اور ان بد دینوں کو ان کے گمراہ کرنے کا موقع ہاتھ لگ گیا اور جن لوگوں نے خدا ترسی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ دین محفوظ رہے ان تحریکات سے علیحدگی رکھی ان پر قسم قسم کے الزام اور بہتان باندھے گئے بدنام کیا گیا کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن سی آئی ڈی کے محکمہ سے تنخواہ پانے والے ہیں اور نہ معلوم کیا کیا کہا گیا مگر اس کا نتیجہ بہت جلد برآمد ہوا کہ برادران وطن نے شدھی کا حربہ اور جا بجا مسلمانوں کو قتل اور مسجدوں کو شہید کرنا شروع کیا تب حقیقت منکشف ہوئی کہ واقعی ہم کہاں اور کس طرف جا رہے تھے یہ اس کا نتیجہ ملا کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ سازش کی توحید اور رسالت کے منکروں کو مسلمانوں کے مجمع میں مذکر بنایا مساجد کے ممبروں پر ان کو بٹھایا یہ ہیں عقلاً بیدار مغز یہ ہیں روشن دماغ جن کے دماغوں میں گیس کے انڈے اور بجلیاں روشن ہیں ارے کہیں بجلیاں کام دیتی ہیں کام دینے والی چیزیں ہیں خدا کی تجلیاں اگر اس سے دماغ روشن ہو تو پھر دیکھو کہ خدا کی اعانت خدا کی امداد خدا کی رحمت خدا کی نصرت تمہارے سروں پر بادل کی طرح سایہ افگن ہو اور اس وقت تمام عالم کی غیر مسلم اقوام بھی مل کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں کیوں کہ گداگری کرتے پھرتے ہو تمہارے گھر کے اندر خود خزانہ دفن ہے اگر تم کو خبر نہیں تو جن کو خبر ہے ان سے دریافت کرو اس کے حصول کا طریقہ معلوم کرو ان کی جوتیاں سیدھی کرو ان کی ناز برداری کرو پھر دیکھو کہ کیا کچھ ملتا ہے کور باطن دوسری

قوموں کی ترقی اور دولت کو دیکھ کر رال ٹپکاتے پھرتے ہیں تم کو تو خود ایک اتنی زبردست دولت سے نوازا گیا ہے کہ وہ دولت اور کسی کو حاصل ہی نہیں اور اس دولت کے سامنے تمام ترقیاں اور دولتیں گرد ہیں وہ دولت کیا ہے دولت ایمان جس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ چند روز کسی کی صحبت میں رہو اور اپنے خناس کو دماغ سے نکال دو تب دیکھو ابھی تک تو بتوں ہی کی پرستش میں گزاری ہے ذرا خدا کی پرستش کر کے بھی دیکھ لو اگر اعتقاد سے نہیں تو بطور امتحان ہی سہی اسی کو فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزموں را یک زمانے خاک باش

دربہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

برسوں تک تو سخت پتھر کی طرح رہا ہے۔ آزمائش کے لئے چند ہی روز کے لئے خاک کی طرح نرم ہو جاؤ دیکھ زمانہ بہار کی پتھر سر سبز نہیں ہوتا اور خاک میں رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔۱۲۔

میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ اس کے بعد پھر تم ہی تم نظر آؤ گے میں یہ کہہ رہا تھا کہ ساری خرابی آزادی کے سبب ہے ایک صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ وہ پردہ کے خلاف لیکچر دے رہے تھے ایک شخص نے درمیان لیکچر میں کہا کہ آپ پہلے اپنی بیوی کو پردہ سے نکا لئے گھر گئے اور اپنی بیوی کو بے پردگی پر راضی کر کے نکال لائے مگر کپڑے وہی ہندوستانی گلبدن کا پاجامہ وغیرہ اتفاق سے ایک مرتبہ ان کو سفر پیش آیا تو ریل کے اندر فسٹ کلاس کے درجہ میں سفر کیا اس لئے کہ بڑے آدمی تھے ایک اسٹیشن پر کسی چیز کی ضرورت ہوئی خاوند صاحب تو چیز لینے گئے اور وہاں پر ایک انگریز کوئی بڑا افسر اس درجہ میں آ کر بیٹھا اس نے اس عورت کو دیکھ کر کہا کہ تم رنڈی ہے تم کیوں اس درجہ میں بیٹھی ہو کسی دوسری جگہ جاؤ اس عورت نے کہا کہ میں رنڈی نہیں ہوں گھر ستن ہوں اس پر جھگڑا ہو ہی رہا تھا کہ خاوند صاحب تشریف لے آئے انہوں نے بھی اس انگریز سے کہا کہ یہ ہماری منکوحہ ہے اس نے کہا کہ ہم کو ہندوستان میں اتنا زمانہ گزر گیا ہم

نے کبھی کسی شریف عورت کی صورت نہیں دیکھی تم جھوٹ بولتے ہو یہ رنڈی ہے اور تم اس کے آشنا ہو یہ صاحب اسٹیشن ماسٹر کو بلا کر لائے اس نے تصدیق کی کہ میں ان کو جانتا ہوں یہ ان کی بیوی ہیں پھر اس نے کوئی مزاحمت تو نہیں کی مگر نفرت ظاہر کر کے خود دوسرے ڈبہ میں جا بیٹھا اب غور کیجئے ایک انگریز بے دین بے قید بے باک مگر اس کو اس قدر غیرت آئی کہ ہندوستان میں شریف عورت اس طرح کیوں بے محابا پھرتی ہے اپنی عورت کے لئے تو ان کی بے حیائی کو گوارا کر لیا مگر ہندوستانی عورت کیلئے گوارا نہیں کیا جہاں تک تتبع کیا گیا پردہ کے مخالف یا تو رذیل ہیں یا بدمعاش رذیل تو اس وجہ سے کہ جیسے کسی نے کبڑے سے پوچھا تھا کہ تم اپنا اچھا ہونا چاہتے ہو یا اوروں کا کبڑا ہونا اس نے کہا کہ اوروں کا کبڑا ہونا تا کہ جس طرح وہ مجھ کو ہنستے ہیں میں بھی ان کو ہنسوں اور بدمعاش اس وجہ سے کہ اپنی خواہشات کو پورا کریں۔

ایک صاحب کا دوسرا واقعہ ہے منصوری پہاڑ پر اپنی بیوی کو ساتھ لئے جا رہے تھے چند بدمعاشوں نے مل کر یہ حرکت کی کہ دو نے تو اس کے خاوند کو پکڑ لیا اور بقیہ اس کو لے گئے اور زبردستی منہ کالا کیا پھر ان دو نے بھی کیا یہ نتائج ہیں بے پردگی کے اس کے بعد اس شخص کو ہوش آیا اور اپنی بیوی کو پردہ کرایا تجربہ سے قبل تو احکام کی ان لوگوں کے قلوب میں وقعت اور عظمت ہوتی ہی نہیں ایسے کور مغز ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۳، صفحہ ۱۱۳، ملفوظ نمبر ۱۷۰)

کِسوۃُ النِّسوۃ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

کِسوَۃ النِّسوۃ

حصہ ہشتم...... بہشتی زیور کا ایک جزو

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد الحمدو الصلوۃ۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس کا اکثر حصہ عورتوں کی ترغیبات اور ان ترغیبات پر عمل کرنے والوں کے فضائل پر مشتمل ہے۔اس کے جمع کرنے کا سبب کہ اسی سے اس جمع کرنے کی غرض بھی معلوم ہو جائے گی۔ یہ ہے کہ بندہ اوائل رمضان ۱۳۳۵ھ میں بعض احباب مخلصین کی تحریک پر مقام ڈیک ریاست بھرتپور میں مہمان ہوا اتفاق سے ایک روز میزبان صاحب کے زنانے میں وعظ ہوا تو حسب ضرورت زیادہ عورتوں کی کوتاہیوں کا بیان کیا گیا۔ بعد فراغ کے ایک صالحہ بی بی کا پیغام آیا عورتوں کی برائیاں تو بہت سنی ہیں لیکن اگر ان میں کچھ خوبیاں یا ان کے کچھ حقوق بھی ہوں تو ان کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔ میرے قلب میں فوراً خیال آیا کہ واقعی جس طرح ترہیبات ایک خاص طریق سے نافع ہوتی ہیں ترغیبات بھی جن کے ملحقات میں سے حقوق بھی ہیں۔ بعض اوقات ان سے زیادہ نافع ہوتی ہیں ان سے دل بڑھتا ہے۔ جس سے اعمال صالحہ کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور صرف ترہیب سے بعض اوقات دل کمزور اور امید ضعیف ہو جاتی ہے۔ پس فوراً قصد کر لیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خاص ان مضامین میں ایک مستقل مجموعہ لکھوں گا اس واقعہ کو دو ماہ گزرے تھے کیونکہ اب اوائل ذیقعدہ ہے کنز العمال میں اس کی ایک مستقل سرخی نظر پڑی اس

سے وہ خیال تازہ ہوا اور مناسب معلوم ہوا کہ اسی کا ترجمہ کر دیا جائے اور اثنا تحریر میں اگر کوئی اور حدیث یاد آ جائے اس کا بھی اضافہ کر دیا جائے پھر یاد آیا بہشتی زیور حصہ ہشتم میں بھی ایسی آیات واحادیث جمع کی گئی ہیں چنانچہ دیکھنے سے وہ یاد صحیح نکلی پس مناسب معلوم ہوا کہ اول ایک فصل میں بہشتی زیور کا مضمون بعینہ پورا لے کر پھر دوسری فصل میں کنز العمال کی روایات معہ اضافات جمع کر دی جائیں اور چونکہ بہشتی زیور حصہ ہشتم کے ترغیبی مضمون مذکور کے بعد کسی قدر ترہیبی مضمون بھی ہے اور ترغیب کے ساتھ کسی قدر ترہیب ہونے سے مضمون رجا کی تعدیل ہو جاتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ تیسری فصل میں وہ ترہیبی مضمون بعینہ لکھ دیا جائے پس اس رسالہ میں اصل مضمون ترغیب وفضائل ہے مگر ممزوج بہ ترہیب عن الرزائل اور نام اس کا کسوۃ النسوۃ ہے یعنی عورتوں کا لباس تقویٰ۔ واللہ الموفق

فصل اول صحیح اصلی بہشتی زیور کے ترغیبی مضمون

نیک بیبیوں کی خصلت اور تعریف

اور درجات قرآن وحدیث کی روشنی میں

یہاں تک نیک عورتوں کے سو قصے لکھے گئے چونکہ ان قصوں سے اصل مقصود اچھی خصلتوں کا بتلانا ہے اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ تھوڑی سی ایسی آیات اور احادیث کا خلاصہ اور ترجمہ لکھ دیا جائے جس میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کر کے نیک عورتوں کی خصلت اور تعریف اور درجہ کا ذکر فرمایا ہے۔

کیونکہ عورتوں کو جب خبر ہوگی کہ ان میں تو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کر کے خاص ہمارا ہی بیان فرمایا ہے تو اس سے اور دل بڑھے گا اور نیک خصلتوں کا زیادہ شوق ہو جائے گا اور مشکل بات آسان ہو جائے گی۔

آیات کا مضمون

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو عورتیں ایسی ہیں کہ اسلام کا کام کرتی ہیں یعنی نماز اور روزے کی پابندی گناہ ثواب کے کاموں میں خیال رکھتی ہیں اور جو ایمان درست رکھتی ہیں یعنی حدیث وقرآن کے خلاف کسی کی بات میں اپنا دل نہیں جماتیں اور جو عورتیں تابعداری سے رہتی ہیں یعنی شیخی نہیں کرتیں اور جو عورتیں خیرات وزکوٰۃ دیتی ہیں اور جو عورتیں روزہ رکھتی ہیں اور جو عورتیں اپنی عزت وآبرو کو بچاتی ہیں یعنی کسی کے سامنے ہوجانے کا اور کسی کو آواز سنانے کا اور خلاف شرع کپڑے پہننے کا اور بغیر ضرورت کسی سے ہنسنے بولنے کا اور بھی ہر طرح کی بے شرمی کا پرہیز رکھتی ہیں اور جو عورتیں اللہ کو بہت یاد رکھتی ہیں یعنی دل سے بھی اس کا دھیان رکھتی ہیں اور زبان سے بھی اس کا نام لیتی رہتی ہیں ایسی عورتوں کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو نیک بخت عورتیں ہوتی ہیں ان میں یہ باتیں ہوا کرتی ہیں کہ وہ تابعدار ہوتی ہیں اور خاوند گھر نہ بھی ہو جب بھی اپنی آبرو کا بچاؤ رکھتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسی عورتیں اچھی ہیں جو شرع کے کاموں کی پابند ہوں اور ان کے عقیدے ٹھیک ہوں اور وہ تابعداری کرتی ہوں اور جہاں کوئی خلاف شرع بات ہوئی فوراً توبہ کر لیتی ہوں اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگی رہتی ہوں اور روزہ رکھتی ہوں۔

احادیث کا مضمون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت پر اللہ کی رحمت نازل ہو جو رات کو اٹھ کر تہجد پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگا دے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت کنوار پنے کی حالت میں یا حمل میں بچہ جننے کے وقت یا چلے کے دنوں میں مر جائے اس کو شہید ہی کا درجہ ملتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے تین بچے مرجاویں اور وہ ثواب سمجھ کر صبر کرے تو بہشت میں داخل ہوگی۔ ایک عورت بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جس کے دو ہی بچے مرے ہوں۔

آپ نے فرمایا دو کا بھی یہی ثواب ہے ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کے مرنے کے بارے میں پوچھا آپ نے اس میں بھی بڑا ثواب بتلایا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حمل گر جائے وہ بھی اپنی ماں کو بہشت میں گھسیٹ کر لے جائے گا جبکہ ثواب سمجھ کر صبر کرے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا خزانہ نیک بخت عورت ہے کہ خاوند اس کے دیکھنے سے خوش ہو جائے اور جب خاوند اس کو کوئی کام بتلائے تو حکم بجالائے اور جب خاوند گھر پر نہ ہو تو عزت آبرو تھامے بیٹھی رہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب کی عورتوں میں قریش کی نیک عورتیں دو باتوں میں سب سے اچھی ہوتی ہیں ایک تو بچے پر خوب شفقت کرتی ہیں دوسرے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ عورت میں یہ خصلتیں ہونی چاہئیں آج کل عورتیں خاوند کا مال بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں۔ اور اولاد پر جیسے کھانے پینے کی شفقت ہوتی ہے اس سے زیادہ اس کی عادتیں سنوارنے کی ہونی چاہئے۔ نہیں تو ادھوری شفقت ہوگی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کی بول چال خاوند کے ساتھ نرم ہوتی ہے اور شرم و حیا کی وجہ سے بدلحاظ اور منہ پھٹ نہیں ہوتیں اور ان کو تھوڑا خرچ دیدو تو خوش ہو جاتی ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ عورتوں میں شرم و لحاظ اور قناعت اچھی خصلت ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیوہ سے نکاح نہ کرو بلکہ کنواری کی ایک تعریف ہے اور بعض حدیثوں میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت سے نکاح کرنے پر ایک صحابی کو دعا دی

ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرے اور رمضان کے روزے رکھ لیا کرے اور اپنی آبرو کی حفاظت رکھے اور اپنے خاوند کی تابعداری کرے تو ایسی عورت بہشت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ دین کی ضروری باتوں کی پابندی رکھے تو اور بڑی بڑی محنت کی عبادتیں کرنے کی اس کو ضرورت نہیں۔ جو درجہ ان محنت کی عبادتوں سے ملتا وہ عورت کو خاوند کی تابعداری اور اولاد کی خدمت گزاری اور گھر کے بندوبست میں مل جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کی موت ایسی حالت میں آئے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ عورت بہشت میں جائے گی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو چار چیزیں نصیب ہو گئیں اس کو دنیا و آخرت کی دولت مل گئی ایک تو دل ایسا کہ نعمت کا شکر ادا کرتا ہو دوسرے زبان ایسی جس سے خدا کا نام لے تیسرے بدن ایسا کہ بلا و مصیبت پر صبر کرے۔ چوتھے عورت ایسی کہ اپنی آبرو اور خاوند کے مال میں دھوکہ فریب نہ کرے۔

فائدہ: یعنی آبرو نہ کھوئے نہ مال خاوند کی مرضی کے بغیر خرچ کرے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت بیوہ ہو جائے اور خاندانی بھی ہے اور مالدار بھی ہے لیکن اس نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کر لیا یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہو کر الگ ہو گئے یا مر مرا گئے تو ایسی عورت بہشت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہو گی جیسے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

فائدہ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیوہ کا بیٹھا رہنا زیادہ ثواب ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو بیوہ یہ سمجھے کہ نکاح سے میرے بچے ویران ہو جائیں گے اس عورت کو بناؤ سنگھار اور نفس کی خواہش سے کچھ مطلب نہ ہو تو اس کا یہ درجہ ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلانی عورت کثرت سے نفل نمازیں پڑھتی روزے رکھتی اور خیر خیرات کرتی ہے

لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گی پھر اس شخص نے عرض کیا کہ فلانی عورت نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کچھ زیادہ نہیں کرتی یونہی کچھ پنیر کے ٹکڑے دے دلا دیتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی آپ نے فرمایا کہ وہ بہشت میں جائے گی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس کے ساتھ دو بچے تھے ایک کو گود میں لے رکھا تھا دوسرے کی انگلی پکڑے ہوئے تھی آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ عورتیں اول پیٹ میں بچے کو رکھتی ہیں پھر جنتی ہیں پھر ان کے ساتھ کس طرح محبت اور مہربانی کرتی ہیں اگر ان کا برتاؤ خاوندوں سے برا نہ ہوا کرتا تو ان میں جو نماز کی پابند ہوتیں بس بہشت ہی میں چلی جایا کرتیں۔

دوسری فصل کنز العمال کے ترغیبی مضامین

حدیث ا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں سے) ارشاد فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں (یعنی راضی ہونا چاہئے) کہ جب تم میں سے کوئی اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اور وہ شوہر اس سے راضی ہو تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے کہ جیسے اللہ کی راہ میں روزہ رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کو اور جب اس کو درد زہ ہوتا ہے تو آسمان اور زمین کے رہنے والوں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا جو سامان مخفی رکھا گیا ہے اس کی خبر نہیں پھر جب وہ بچہ جنتی ہے تو اس کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہیں نکلتا اور اس کے پستان سے ایک دفعہ بھی بچہ نہیں چوستا جس میں اس کو ہر گھونٹ اور ہر چوسنے پر ایک نیکی نہ ملتی ہو اور اگر بچہ کے سبب اس کو رات کو جاگنا پڑے تو اس کو راہ خدا میں ستر غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے اے سلامت (یہ نام ہے حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا کا وہی اس حدیث کی راوی ہیں آپ ان سے فرماتے ہیں کہ) تم کو معلوم ہے کہ میری مراد اس

سے کون عورتیں ہیں جو (باوجود یہ کہ) نیک ہیں ناز پروردہ ہیں (مگر) شوہروں کی اطاعت کرنے والی ہیں اس (شوہر) کی ناقدری نہیں کرتیں۔ **الحسن بن سفیان طس و ابن عساکر عن سلامت حاضنۃ السید ابراھیم.**

حدیث۲: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے شوہر کے گھر میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے مگر گھر کو برباد نہ کرے یعنی اجازت اور مناسب مقدار سے زیادہ خرچ نہ کرے تو اس عورت کو بھی اس کے خرچ کرنے کے سبب اور اس کے شوہر کو بھی ثواب ملتا ہے اس کے کمانے کے سبب اور تحویلدار کو بھی اس کے برابر ملتا ہے کسی کے سبب کسی کا اجر گھٹتا نہیں۔ (ق عن عائشۃ ف) پس عورت یہ نہ سمجھے کہ جب کمائی مرد کی ہے تو میں ثواب کی کیا مستحق ہوں گی۔

حدیث۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو! تمہارا جہاد حج ہے۔ (خ عن عائشہ) ف، دیکھئے ان کی بڑی رعایت ہے ان کو حج کرنے سے جس میں جہاد کے برابر دشواری بھی نہیں جہاد کا ثواب ملتا ہے جو کہ سب سے زیادہ مشکل عبادت ہے۔

حدیث۴: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں پر نہ جہاد ہے (جب تک علی الکفایہ رہے) اور نہ جمعہ نہ جنازے کی ہمراہی (طس عن قتادۃ) پھر دیکھئے ان کو گھر بیٹھے کتنا ثواب ملتا ہے۔

حدیث۵: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیبیوں کو ساتھ لے کر حج فرمایا تو ارشاد ہوا کہ بس یہ حج کرلیا پھر اس کے بعد بوریوں پر جمی بیٹھی رہنا (حن عن ابی ہریرہ ف) مطلب یہ کہ بلاضرورت شدیدہ سفر نہ کرنا۔

حدیث۶: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس عورت کو پسند کرتا ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ تو لاگ اور محبت کرے اور غیر مرد سے اپنی حفاظت کرے۔ (فر عن علیؓ ف) مطلب یہ ہے کہ شوہر سے محبت کرنے اور اس کی منت سماجت کرنے کو خلاف شان نہ سمجھے۔ جیسے مغرور عورتیں ہوتی ہیں۔

حدیث ۷: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتیں بھی مردوں ہی کے اجزا ہیں (حم عن عائشہؓ ف) چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوا علیہ السلام کا پیدا ہونا مشہور ہے مطلب یہ کہ عورتوں کے احکام بھی مردوں ہی کی طرح ہیں۔ (باستثنائے احکام مخصوصہ) پس اگر ان کے فضائل وغیرہ جدا ہی نہ ہوتے تب بھی کوئی دلگیری کی بات نہیں جن اعمال پر فضائل کا مردوں سے وعدہ ہے انہی اعمال پر ان سے ہے۔

حدیث ۸: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق حق تعالیٰ نے عورتوں کے حصہ میں رشک کا ثواب لکھا ہے اور مردوں پر جہاد کا لکھا ہے۔ پس جو عورت ایمان اور طلب ثواب کی راہ سے رشک کی بات پر جیسے شوہر نے دوسرا نکاح کرلیا صبر کرے گی اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (طب عن ابن مسعود) دیکھئے ایک ذرا سے ضبط پر کتنا بڑا ثواب ملتا ہے۔ جو مردوں کو کس دشواری سے ملتا ہے۔

حدیث ۹: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بیوی کے کاروبار کرنے سے بھی تم کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ (فر عن ابن عمرؓ ف) دیکھئے عورتوں کو راحت پہنچانے کا کیسا سامان شریعت نے کیا ہے کہ اس میں ثواب کا وعدہ فرمایا جس کی طمع میں ہر مسلمان اپنی بیوی کو راحت پہنچادے گا۔

حدیث ۱۰: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب عورتوں میں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب خاوند اس کی طرف نظر کرے تو وہ اس کو مسرور کردے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اپنے جان ومال میں اس کو ناخوش کرکے اس کی کوئی مخالفت نہ کرے۔ (حم ن ک عن ابی ہریرہ)

حدیث ۱۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ رحمت فرمادے پاجامہ پہننے والی عورتوں پر (قط فی الافراد ک فی تاریخہ ہب عن ابی ہریرہؓ ف) دیکھئے حالانکہ پائجامہ پہننا اپنی مصلحت پردہ کے لئے مثل امر طبعی کے ہے مگر اس میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لے لی یہ عورتوں کے حال پر کتنی بڑی مہربانی ہے۔

حدیث ۱۲: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدکار عورت کی بدکاری ہزار بدکار مردوں کی بدکاری کے برابر اور نیک کار عورت کی نیک کاری ستر اولیاء کی عبادت کے برابر ہے۔ (ابو الشیخ عن ابن عمر) دیکھئے کتنے تھوڑے عمل پر کتنا بڑا ثواب ملا یہ عورتوں کو رعایت نہیں تو کیا ہے۔

حدیث ۱۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کا اپنے گھر میں گھریلو کام کرنا جہاد کرنے والوں کے رتبے کو پہنچتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (ع عن انس، ف) کیا انتہا ہے اس عنایت کی۔

حدیث ۱۴: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری عورتوں میں سب سے اچھی وہ عورت ہے جو اپنی آبرو کے بارے میں پارسا ہو اپنے خاوند پر عاشق ہو۔ (فر عن انس، ف) دیکھئے شوہر سے محبت کرنا نفس کی ایک خوشی ہے مگر اس میں بھی فضیلت اور ثواب ہے۔

حدیث ۱۵: ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ایک بیوی ہے میں جب اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ کہتی ہے مرحبا ہو میرے سردار کو اور میرے گھر والوں کے سردار کو اور جب وہ مجھ کو رنجیدہ دیکھتی ہے تو کہتی ہے دنیا کا کیا غم کرتے ہو تمہاری آخرت کا کام تو بن رہا ہے آپ نے یہ سن کر فرمایا اس عورت کو خبر کر دو کہ وہ اللہ کے کام کرنے والوں میں سے ایک کام کرنے والی ہے اور اس کو جہاد کرنے والے کا نصف ثواب ملتا ہے۔ (الخرائطی عن عبداللہ الوضاحی، ف) دیکھئے شوہر کی معمولی آؤ بھگت میں اس کو کتنا بڑا ثواب مل گیا۔

حدیث ۱۶: اسماء بنت یزید انصاریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہوں وہ عرض کرتی ہیں کہ مرد جمعہ اور جماعت اور عیادت مریض اور جنازہ کی حاضری اور حج وعمرہ وحفاظت سرحد اسلامی کی بدولت ہم پر فوقیت لے گئے؟ آپ نے فرمایا تو واپس جا اور عورتوں کو خبر کر دے کہ تمہارا اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کرنا یا حق شوہری ادا

کرنا اور شوہر کی رضا مندی کا متلاشی رہنا اور شوہر کی مرضی کے موافق اتباع کرنا یہ سب ان اعمال کے برابر ہے۔ (کرعن اسماء)

حدیث ۱۷: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت اپنی حالت حمل سے لے کر بچہ جننے اور دودھ چھڑانے تک (فضیلت اور ثواب میں) ایسی ہے جیسے اسلام کی راہ میں سرحد کی نگرانی کرنے والا جس میں ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہتا ہے اور اگر اس درمیان میں مر جائے تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (طب عن ابن عمر)

حدیث ۱۸: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہی مضمون ہے جو اس فصل کی سب سے پہلی حدیث کا بس اتنا فرق ہے کہ دودھ پلانے پر یہ فرمایا) جب کوئی عورت دودھ پلاتی ہے تو ہر گھونٹ کے پلانے پر ایسا اجر ملتا ہے جیسے کسی جاندار کو زندگی دیدی پھر جب وہ دودھ چھڑاتی ہے تو فرشتہ اس کے کندھے پر (شاباش سے) ہاتھ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے۔ اب آگے جو کرے از سر نو کر۔ ان میں جو گناہ کا کام ہوگا وہ آئندہ لکھا جائے گا اور مراد اس سے صغیرہ گناہ ہیں مگر صغائر کا معاف ہو جانا کیا تھوڑی بات ہے۔

حدیث ۱۹: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بیبیو یاد رکھو کہ تم میں جو نیک ہیں وہ نیک لوگوں سے پہلے جنت میں جائیں گی پھر (جب شوہر جنت میں آئیں گے) تو ان عورتوں کو غسل دے کر اور خوشبو لگا کر شوہروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ سرخ اور زرد رنگ کی سواریوں پر ان کے ساتھ ایسے بچے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی (ابوالشیخ عن ابی امامہؓ ف) بہنو اور کون سی فضیلت چاہتی ہو۔ جنت میں مردوں سے پہلے تو پہنچ گئیں ہاں نیک بن جانا شرط ہے۔ اور یہ کچھ مشکل نہیں۔

حدیث ۲۰: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جس عورت کا شوہر باہر ہو اور وہ اپنی ذات میں اس کی اس حالت کی نگہبانی کرے اور بناؤ سنگھار ترک کر دے اور اپنے پاؤں کو مقید کر دے اور سامان زینت کو معطل کر دے اور نماز کی پابندی

رکھے وہ قیامت کے روز کنواری لڑکی بنا کر اٹھائی جائے گی پس اگر اس کا شوہر مومن ہوا تو وہ جنت میں اس کی بیوی ہوگی۔ اور اگر اس کا شوہر مومن نہ ہوا (مثلاً خدانخواستہ دنیا سے بے ایمان ہو کر مرا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس کا نکاح کسی شہید سے کر دیں گے۔
(ابن زنجویہ وسندہ حسن)

حدیث ۲۱: حضرت ابو درداء سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھے وصیت کی میرے خلیل ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے پس فرمایا کہ خرچ کیا کرو اپنی وسعت سے اپنے اہل خانہ پر الخ (ابن جریر' ف) جو لوگ باوجود وسعت کے بیوی کے خرچ میں تنگی کرتے ہیں وہ ذرا اس حدیث کو دیکھیں۔

حدیث ۲۲: مدائنی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آدمی اپنے گھر کا سربراہ کار نہیں بنتا جب تک کہ وہ ایسا نہ ہو جائے کہ نہ اس کی پروا رہے اس نے کیسا لباس پہن لیا اور نہ اس کا خیال رہے کہ بھوک کی آگ کس چیز سے بجھائی (الدنیوری' ف) جو لوگ اپنی تن پروری و تن آرائی میں رہ کر گھر والوں سے بے پرواہ رہتے ہیں وہ اس سے عبرت پکڑیں' بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ

ببیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگزارد بہ سختی

اضافات از مشکوٰۃ

حدیث ۲۳: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے حق میں میری نصیحت بھلائی کرنے کی قبول کرو اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ (الخ متفق علیہ' ف) یعنی اس سے کامل راستی اور درستی کی توقع نہ رکھو۔ اس کی کج فہمی پر صبر کرو۔ دیکھئے عورتوں کی کس قدر رعایت کا حکم ہے۔

حدیث ۲۴: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مومن مرد کو مومن عورت سے بغض

نہیں رکھنا چاہئے یعنی اپنی بیوی سے کیونکہ اگر اس کی ایک عادت کو ناپسند رکھے گا تو دوسری کو ضرور پسند کرے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

(ف) یعنی یہ سوچ کر صبر کرے۔

حدیث ۲۵: حضرت عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو غلام کی طرح بیدردی سے نہ مارنا چاہئے اور پھر ختم دن پر جماع کرنے لگے۔ الخ متفق علیہ (ف) یعنی پھر مروت کیسے گوارا کرے گی۔

حدیث ۲۶: حضرت حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہماری بیوی کا کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ حق یہ ہے کہ جب تو کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلائے اور جب تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنائے۔ اور اس کے منہ پر نہ مارے اور بول چال گھر ہی کے اندر رہ کر چھوڑی جائے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

(ف) یعنی اگر اس سے روٹھے تو گھر سے باہر نہ جائے۔

حدیث ۲۷: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب مومن ہیں۔ مگر ایمان کا کامل وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں اور تم سب میں اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہوں۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

(ف) یہ فصل ثانی کی ۔ ۲۷ حدیثیں ہیں اور فصل اول میں تیرہ تھیں سب ملا کر چالیس ہوگئیں گویا یہ مجموعہ فصلیں فضائل النساء کی ایک چہل حدیث ہے۔

❁❁❁

تیسری فصل بہشتی زیور کے تریبی مضامین

عورتوں کے بعض عیبوں پر نصیحت قرآن اور حدیث سے

جب ہم نیک بیبیوں کی خصلتیں بتلا چکے تو مناسب معلوم ہوا کہ بعض عیب جو عورتوں میں پائے جاتے ہیں اور ان سے نیکی میں کمی آجاتی ہے اور ان عیبوں پر جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کر عورتوں کو تاکید یا نصیحت فرمائی ہے ان کا خلاصہ بھی لکھ دیں تاکہ ان عیبوں سے بچیں جس سے پوری نیکی قائم رہے۔

آیات کا مضمون

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن عورتوں میں آثار سے تم کو معلوم ہو کہ یہ کہنا نہیں مانتیں تو اول ان کو نصیحت کرو اور اس سے نہ مانیں تو ان کے پاس سونا بیٹھنا چھوڑ دو۔

اور اس پر بھی نہ مانیں تو ان کو مارو اس کے بعد اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان کو تکلیف دینے کے لئے بہانہ نہ ڈھونڈو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کا کہنا نہ ماننا بہت بری بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا چلنے میں پاؤں زور سے زمین پر مت رکھو جس میں زیور وغیرہ کی غیر مرد کو خبر ہو جائے۔

فائدہ: باجے دار زیور پہننا تو بالکل درست نہیں اور جس میں باجہ نہ ہو ایک دوسرے سے لگ کر بج جاتا ہو اس میں یہ احتیاط ہے کہ نہ پہنا جائے۔ اور غور کرو کہ جب پاؤں میں جو ایک چیز ہے اس کی آواز کی اتنی احتیاط ہے تو خود عورت کی آواز اور اس کے بدن کھلنے کی تو کتنی تاکید ہوگی۔

احادیث کا مضمون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عورتو میں نے تم کو دوزخ میں بہت دیکھا ہے۔ عورتوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا تم مار پھٹکار سب چیزوں پر بہت ڈالا کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہو اور اس کی دی ہوئی چیز کو بہت ناک مارتی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت نے بخار کو برا کہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بین کر کے رونے والی عورت اگر توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے روز اس حالت میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے بدن پر کرتے کی طرح ایک روغن لپیٹا جائے گا جس میں آگ بڑی جلدی لگتی ہے اور کرتے ہی کی طرح تمام بدن میں خارش بھی ہو گی یعنی اس کو دو تکلیفیں ہوں گی۔ خارش سے تمام بدن نوچ ڈالے گی اور دوزخ کی آگ لگے گی وہ الگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا اے مسلمان عورتو کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کی بھیجی ہوئی چیز کو حقیر اور ہلکا نہ سمجھے۔ چاہے بکری کی کھری کیوں نہ ہو۔

فائدہ: بعض عورتوں میں یہ عادت بہت ہوتی ہے کہ دوسرے گھر کی آئی ہوئی چیز کو بہت حقیر سمجھتی ہیں اور طعنے دیا کرتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا تھا اس نے اس کو پکڑ کر باندھ دیا تھا نہ تو کھانے کو دیا اور نہ اس کو چھوڑا یوں ہی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

فائدہ: اس طرح جانور پال کر اس کے کھانے کی پینے کی خبر نہ لینا عذاب کی بات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض مرد اور عورت ساٹھ برس تک خدا کی عبادت کرتے ہیں پھر موت کا وقت آتا ہے تو خلاف شرع وصیت کر کے دوزخ کے قابل ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے یوں کہہ مرتے ہیں کہ دیکھو میری چیز میرے نواسے کو دینا بھائی کو نہ دینا۔ یا فلانی بیٹی کو فلانی چیز دوسری بیٹی سے زیادہ دینا یہ سب حرام ہے۔ وصیت اور میراث کے مسئلے کسی عالم سے پوچھ کر اس کے موافق عمل کرے۔ کبھی اس کے خلاف نہ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت دوسری عورت سے اس طرح نہ ملے کہ اپنے خاوند کے سامنے اس کا حال اس طرح کہنے لگے جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ آپ کی دو بیویاں بیٹھی تھیں کہ ایک نابینا صحابی آنے لگے۔ آپ نے دونوں کو پردے میں ہو جانے کا حکم دیا۔ دونوں نے تعجب سے عرض کیا وہ تو اندھے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم تو اندھی نہیں ہو تم تو ان کو دیکھتی ہی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے خاوند کو دنیا میں کچھ تکلیف دیتی ہے تو بہشت میں جو حور اس خاوند کو ملے گی وہ کہتی ہے کہ خدا تجھے غارت کرے وہ تو تیرے پاس مہمان ہے جلد ہی تیرے پاس سے ہمارے پاس چلا آئے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایسی دوزخی عورتوں کو نہیں دیکھا یعنی میرے زمانے سے پیچھے ایسی عورتیں پیدا ہوں گی کہ کپڑے پہنے ہوں گی اور ننگی ہوں گی یعنی نام کو ان کے بدن پر کپڑا ہوگا لیکن کپڑا باریک اس قدر ہوگا کہ تمام بدن نظر آئے گا اور اترا کر بدن کو مٹکا کر چلیں گی۔ اور بالوں کے اندر موباف یا کپڑا دیکر بالوں کو لپیٹ کر اس طرح باندھیں گی جس میں بال بہت سے معلوم ہوں جیسے اونٹ کا کوہان ہوتا ہے۔ ایسی عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی ان کو نصیب نہ ہوگی۔

فائدہ: یعنی جب پرہیز گار بیبیاں بہشت میں جانے لگیں گی ان کو ان کے ساتھ جانا نصیب نہ ہوگا۔ اگرچہ سزا کے بعد ایمان کی برکت سے چلی جائیں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت سونے کا زیور دکھلاوے کی نیت

سے پہنے گی اسی سے اس کو عذاب دیا جائے گا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تشریف رکھتے تھے ایک آواز سنی جیسے کوئی کسی پرلعنت کر رہا ہو۔ آپ نے پوچھا یہ کیا بات ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ فلانی عورت ہے کہ اپنی سواری کی اونٹنی پرلعنت کر رہی ہے اور اونٹنی چلنے میں کمی یا شوخی کرتی ہوگی اس عورت نے جھلا کر کہہ دیا ہوگا۔ تجھے خدا کی مار جیسا کہ عورتوں کا دستور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس عورت کو اس کے سامان کو اس اونٹنی پر سے اتار دو یہ اونٹنی تو اس عورت کے نزدیک لعنت کے قابل ہے پھر اس کو کام میں کیوں لاتی ہو۔

فائدہ:۔ خوب سزا دی۔

تمام شد رسالہ کسوۃ النسوۃ

آگے بہشتی زیور حصہ ہشتم کے مضمون کا بقیہ ہے

ان دونوں مضمون یعنی تعریف اور نصیحت میں یہاں پانچ آیتیں اور پچیس حدیثیں لکھی گئیں اور اس حصے کے شروع میں ہم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک عادتیں بہت سی لکھ دی ہیں جن کی ہر وقت کے برتاؤ میں ضرورت ہے اور اس سے پہلے سات حصوں میں ہر طرح کی نیکی اور ہر طرح کی نصیحت تفصیل سے لکھ دی ہے جس کا دھیان رکھو اور عمل کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں بڑے بڑے درجے پاؤ گی۔ ورنہ خدا پناہ میں رکھے بری عورتوں کا برا حال ہوگا۔

اگر قرآن وحدیث سمجھنے کے قابل کبھی ہو جاؤ تو بہت سے قصے ایسی بددین اور بدذات اور بدعقیدہ اور بدعمل عورتوں کے تم کو معلوم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا تمہارا نیکیوں میں گزر اور ان ہی میں خاتمہ اور ان میں حشر کرے۔ آمین

صحیح اصلی بہشتی زیور کا آٹھواں حصہ ختم ہوا۔

تعدیل حقوق الوالدین

از جانب محشیٰ بہشتی گوہر التماس ہے کہ یہ مضمون جو بعنوان ضمیمہ ثانیہ درج کیا جاتا ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کا تحریر فرمودہ ہے جس میں والدین کے حقوق کی تحقیق و تفصیل کی گئی ہے ہر چند کہ بہشتی زیور حصہ پنجم میں بعض حقوق والدین کا بھی اجمالی تذکرہ آ چکا ہے لیکن چونکہ وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مشترک تھا اور اس موجودہ مضمون کا تعلق زیادہ تر مردوں سے ہے اس لئے بہشتی گوہر میں اس کا ملحق کرنا مناسب معلوم ہوا پس اس کو حصہ پنجم بہشتی زیور کا تتمہ سمجھنا چاہئے اور مضمون مذکور یہ ہے۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ' قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل الآیۃ** (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کر دو اور جب تم لوگوں میں حکم کرو انصاف سے حکم کرو ۱۲ ی۔ اس آیت کے عموم سے دو حکم مفہوم ہوئے ایک یہ ہے کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق واجبہ ادا کرنا واجب ہے دوسرے یہ کہ ایک حق کیلئے دوسرے شخص کا حق ضائع کرنا ناجائز ہے ان دونوں حکم کلی کے متعلقات میں سے وہ خاص دو جزئی مواقع بھی ہیں جن کے متعلق اس وقت تحقیق کرنے کا ارادہ ہے۔

ایک ان میں سے والدین کے حقوق واجبہ وغیر واجبہ کی تعیین ہے دوسرے والدین کے حقوق اور زوجہ یا اولاد کے حقوق میں تعارض اور تزاحم کے وقت ان حقوق کی تعدیل ہے اور ضرورت اس تحقیق کی یہ ہوئی کہ بے شمار واقعات سے معلوم ہوا کہ جس طرح

بعض آزاد لوگ والدین کے حق میں تفریط کرتے ہیں اور ان کے وجوب اطاعت کی نصوص نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے حقوق کا وبال اپنے سر پر لیتے ہیں اسی طرح بعض دیندار والدین کے حق میں افراط کرتے ہیں جس سے دوسرے حق والے کے حقوق مثلاً زوجہ کے یا اولاد کے تلف ہوتے ہیں اور ان کے وجوب ورعایت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے حقوق ضائع کرنے کا وبال اپنے سر پر لیتے ہیں اور بعض کسی صاحب کا حق تو ضائع نہیں کرتے لیکن غیر واجب کو واجب حقوق سمجھ کر ان کے ادا کا قصد کرتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات ان کا تحمل نہیں ہوتا اس لئے تنگ ہوتے ہیں اور ان سے وسوسہ ہونے لگتا ہے کہ بعض احکام شرعیہ میں نا قابل برداشت سختی اور تنگی ہے اس طرح سے ان بیچاروں کے دین کو ضرر پہنچتا ہے اور اس حیثیت سے اس کو بھی صاحب حق کے حقوق واجبہ ضائع کرنے میں داخل کر سکتے ہیں اور وہ صاحب حق اس شخص کا نفس ہے اس کے بھی بعض حقوق واجب ہیں **کما قال صلی الله علیه وسلم ان لنفسک علیک حقا** تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ اور ان حقوق واجبہ میں سے سب سے بڑھ کر حفاظت اپنے دین کی ہے۔ پس جب والدین کے غیر واجب حق کو واجب سمجھنا مفضی ہوا اس معصیت مذکورہ کی طرف اس لئے حقوق واجبہ وغیر واجبہ کا امتیاز واجب ہوا۔

اس امتیاز کے بعد پھر اگر عملاً ان حقوق کا التزام کرے گا مگر اعتقاداً واجب نہ سمجھے گا تو وہ محذور تو لازم نہ آئے گا اس تنگی کو اپنے ہاتھوں کی خریدی ہوئی سمجھے گا اور جب تک برداشت کرے گا اس کی عالی ہمتی ہے اور اس تصور میں بھی ایک گونہ حظ ہوگا کہ میں باوجود میرے ذمہ نہ ہونے کے اس کا تحمل کرتا ہوں اور جب چاہے گا سبکدوش ہو جائے گا۔ غرض علم احکام میں ہر طرح کی مصلحت ہی مصلحت ہے اور جہل میں ہر طرح کی مضرت ہی مضرت ہے پس اسی تمیز کی غرض سے یہ چند سطور لکھتا ہوں۔

اب اس تمہید کے بعد اول اس کے متعلق ضروری روایات حدیثیہ وفقہیہ جمع

کے پھر ان سے جو احکام ماخوذ ہوتے ہیں ان کی تقریر کر دوں گا اور اگر اس کو تعدیل حقوق والدین کے لقب سے نامزد کیا جائے تو نازیبا نہیں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان

فی المشکوٰۃ عن ابن عمرؓ قال کانت تحتی امراۃ احبھا وکان عمرؓ یکر ھھا فقال لی طلقھا فابیت فاتی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذٰلک لہ فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا رواہ الترمذی فی المرقاۃ طلقھا امرندب اووجوب ان کان ھناک باعث اٰخر و قال امام الغزالی فی الاحیاء جلد۲ صفحہ ۲۶ کشوری فی ھذا الحدیث فھذ ایدل علی ان حق الوالد مقدم ولکن والدیکرھھا لا لغرض فاسد مثل عمرؓ فی المشکوٰۃ عن معاذؓ قال اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وساق الحدیث و فیہ لاتعصین والدیک و ان امراک ان تخرج من اھلک ومالک الحدیث فی المرقاۃ شرط للمبالغۃ باعتبار الاکمل ایضاً اما باعتبار اصل الجواز فلا یلزمہ طلاق زوجۃ امراۃ بفراقھا و ان تاذیا ببقاء ھاایذاء شدید (لانہ قد یحصل لہ ضرربھا فلا یکلفہ لاجلھما اذمن شان شفقتھما انھا لو تحققا ذلک لم یامراہ بہ فالزمھما لہ بہ مع ذلک حمق منھما ولا یلتفت الیہ و کذلک اخراج مالہ انتھیٰ مختصراً قلت و القرینۃ علیٰ کونہ للمبالغۃ اقترانہ بقولہ علیہ السلام فی ذلک الحدیث لا تشرک باللہ و ان قتلت او حرقت فھذ اللمبالغۃ قطعاً والا فنفس الجواز یتلفظ کلمۃ الکفرو ان یفعل ما یقتضی الکفر ثابت بقولہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ الاٰیہ فافھم فی المشکوٰۃ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی

الله عليه وسلم من اصبح مطيعا لله فى والديه الحديث و فيه قال رجل و ان ظلماه قال وان ظلماه وان ظلماه وان ظلماه رواه البيهقى فى شعب الايمان فى المرقاة فى والديه اى فى حقهما وفيه ان طاعة الوالدين لم تكن طاعة مستقلة بل هى طاعة الله التى بلغت توصيتها من الله تعالىٰ بحسب طاعتهما لطاعته الىٰ ان قال ويؤيده. انه ورد لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق وفيها وان ظلماه قال الطيبى يراد بالظلم ما يتعلق بالا مورالدنيوية لا الاخروية قلت و قوله صلى الله عليه وسلم هذا وان ظلماه كقوله عليه السلام فى الرضاء المصدق ارضوامصدقيكم وان ظلمتم رواه ابوداوٗد لقوله عليه السلام فيهم و ان ظلموا فعليهم الحديث رواه ابوداوٗد ومعناه على ما فى اللمعات قوله وان ظلموا اى بحسب زعمكم اوعلى الفرض و التقدير مبالغة ولوكانوا ظٰلمين حقيقة كيف يامرهم بارضاء هم فى المشكوٰة عن ابن عمرؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قصة ثلٰثة نفريتما شون واخذهم المطرفمالواالىٰ غارفى الجبل فانحطت علٰى فم غارهم صخرة فاطبقت عليهم فذكر احدهم من امره فقمت عند رؤوسهمار اى الوالدين الذين كا ناشيخين كبيرين كما فى هذا الحديث) اكره ان اوقظهما واكره ان ابدا بالصبية قبلها والصبية يتضاغون عند قدمى الحديث متفق عليه فى المرقاة تقديما لاحسان الوالدين علىٰ المولودين لتعارض صغرهم بكبرهما فان الرجل الكبيريبقى كالطفل الصغير قلت و هذا التضاغى كما فى قصة اضياف ابى طلحة قال فعليهم بشىء ونوميهم فى جواب قول امراته لما سئلها هل عندك شىء قالت لا الاقوة صبيانى و معناه كما فى اللمعات قالو اوهذا

محمول علی الصبیان لم یکونوا محتاجین الی الطعام و انما کان طلبهم علی عادة الصبیان من غیر جوع والاوجب تقدیمهم وکیف یترکان واجباوقد اثنیٰ الله علیهما اھ قلت ایضاو ممایؤید وجوب الاضطراری الی ھذاالتاویل تقدم حق الولد الصغیر علیٰ حق الوالد فی نفسه کما فی الدرالمختار باب النفقة ولوبه اب وطفل فالطفل احق به و قیل (بصیغة التمریض) یقسمها فیهما فی کتاب الاثارللامام محمدؒ صفحه ۱۵۴ عن عائشة قالت افضل ما اکلتم کسبکم وان اولاد کم من کسبکم قال محمد لاباس به اذا کان محتاجا ان یاکل من مال ابنه بالمعروف فان کان غنیا فاخذمنه شئیا فهودین علیه وهو قول ابی حنیفة محمد قال اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال لیس للاب من مال ابنه شیء الا ان یحتاج الیه من طعام اوشراب او کسوة' قال محمد و به ناخذ و هوقول ابی حنیفة. فی کنزالعمال صفحه ۲۸۳ جلد۸ عن الحاکم وغیره ان اولادکم هبة الله تعالیٰ لکم یهب لمن یشاء اناثا ویهب لمن یشاء الذکور فهم واموالهم لکم اذا احتجتم الیها اه قلت دل قوله علیه السلام فی الحدیث اذ احتجتم علی تعلیل امام محمد قول عائشة ان اولاد کم من کسبکم بما اذا کان محتاجا ویلزم التقلید کونه دینا علیه اذا اخذمن غیر حاجة کما هو ظاهر قلت و ایضاً فسرابوبکر الصدیق بهذا' قوله علیه السلام انت ومالک لابیک قال ابوبکر انما یعنی بذلک النفقة رواه البیهقی کذافی تاریخ الخلفاء صفحه ۶۵ وفی الدر المختار لا یفرض (القتال) علی صبی و بالغ له قبلها ابوان اواحدهما لان طاعتهما فرض عین الیٰ ان قال لا یحل سفرفیه خطرالاباذنهما و مالا خطرفیه

يحل بلااذن و منه السفر فى طلب العلم فى ردالمختار الهما فى سعة من منعه اذا كان يدخلهما من ذلک مشقة شديدة و شمل الكافرين ايضاً اواحد هما اذا كره خروجه مخافة ومشقة والابل لكراهة قتال اهل دينه فلا يطيعه مالم يخف عليه الضيعة اذلو كان معسراً محتاجاً الٰى خدمته فرضت عليه ولو كافراوليس من الصواب ترک فرض عين لتوصل الیٰ فرض كفاية قوله فيه خطر كالجهادو سفرالبحر قوله و مالا خطر كالسفر للتجارة والحج والعمرة يحل بلااذن الاان خيف عليهما الضيعة (سرخسى) قوله و منه السفر فى طلب العلم لانه اولیٰ من التجارة اذا كان الطريق امناولم يخف عليهما الضيعة (سرخسى) اه قلت و مثله في البحر الرائق و الفتاویٰ الهندية وفيها فى مسئلة فلا بدمن الاستيذان فيه اذا كان له منه بدجلد ۲ صفحه ۲۴۲ فى درالمختار باب النفقة و كذاتجب لها السكنى فى بيت قال عن اهله و عن اهلها الخ و فى ردالمختار بعد ما نقل الاقوال المختلفة ما نصه ففى لشريفة ذات اليسارلابدمن افرادها فى داروم‍توسطة الحال يكفيها بيت واحد من داروا‌طال الٰى ان قال و اهل بلادنا الشامية لا يسكنون فى بيت من دار مشتملة علیٰ اجانب و هذا فى اوساطهم فضلاعن شرفهم الا ان تكون دارا مورثة بين اخوة مثلا فيسكن كل منهم فى جهة منها مع الاشتراک فى مرافقها ثم قال لاشک ان المعروف يختلف باختلاف الزمان و المكان فعلى المفتى ان ينظر الى حال اهل زمانه و بلده اذا بدون ذلک لا تحصل المعاشرة بالمعروف اھ

ان روایات سے چند مسائل ظاہر ہوئے اول جو امر شرعاً واجب ہو اور ماں باپ اس سے منع کریں اس میں ان کی اطاعت جائز بھی نہیں واجب ہونے کا تو کیا احتمال

ہے۔اس قاعدے میں یہ فروع بھی آ گئے مثلاً اس شخص کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ کی خدمت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس شخص کو جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے اور ماں باپ پر خرچ کرے اور مثلاً بیوی کا حق ہے کہ وہ شوہر کے ماں باپ سے جدا رہنے کا مطالبہ کرے پس وہ اگر اس کی خواہش کرے اور ماں باپ اس کو شامل رکھنا چاہیں تو شوہر کو جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو ان کے شامل رکھے بلکہ واجب ہوگا کہ اس کو جدا رکھے۔یا مثلاً حج وعمرہ کو یا فرض علم کے حصول کیلئے نہ جانے دیں تو اس میں ان کی اطاعت ناجائز ہوگی۔

دوم جو امر شرعاً ناجائز ہو اور ماں باپ اس کا حکم کریں اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں مثلاً وہ کسی ناجائز نوکری کا حکم کریں یا رسوم جہالت اختیار کرا دیں وعلیٰ ہذا

سوم جو امر شرعاً نہ واجب ہو اور نہ ممنوع ہو بلکہ مباح ہو بلکہ خواہ مستحب ہی ہو اور ماں باپ اس کے کرنے کو یا نہ کرنے کو کہیں تو اس میں تفصیل ہے دیکھنا چاہیے کہ اس امر کی اس شخص کو ایسی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے اس کو تکلیف ہوگی مثلاً غریب آدمی ہے پاس پیسہ نہیں بستی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں مگر ماں باپ نہیں جانے دیتے یا یہ کہ اس شخص کو ایسی ضرورت نہیں اگر اس درجہ کی ضرورت ہے تب تو اس میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں اور اگر اس درجہ ضرورت نہیں تو پھر دیکھنا چاہیے کہ اس کام کے کرنے میں کوئی خطرہ واندیشہ ہلاک یا مرض کا ہے یا نہیں اور یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے بوجہ کوئی خادم وسامان نہ ہونے کے خود ان کا تکلیف اٹھانے کا احتمال قوی ہے یا نہیں۔

پس اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اس کے غائب ہو جانے سے ان کو بوجہ بے سروسامانی تکلیف ہوگی تب تو ان کی مخالفت جائز نہیں مثلاً غیر واجب لڑائی میں جاتا ہے یا سمندر کا سفر کرتا ہے یا پھر ان کا کوئی خبر لینے والا نہ رہے گا اور اس کے پاس اتنا مال نہیں جس سے خادم وکافی نفقہ کا انتظام کر جائے اور وہ کام اور سفر بھی ضروری نہیں

تو اس حالت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ان کی مشقت و تکلیف ظاہری کا کوئی احتمال ہے تو بلا ضرورت بھی وہ کام یا سفر باوجود ان کی ممانعت کے جائز ہے گو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی اطاعت کرے۔

اور اسی کلیہ سے ان فروع کا بھی حکم معلوم ہوگیا کہ مثلاً وہ کہیں کہ اپنی بیوی کو بلا وجہ معتد بہ طلاق دیدے تو اطاعت واجب نہیں۔ وحدیث ابن عمر **یحمل علی الاستحباب اوعلی ان امر عمر کان عن سبب صحیح** اور مثلاً وہ کہیں کہ تمام کمائی اپنی ہم کو دیا کرو تو اس میں بھی اطاعت واجب نہیں اور وہ اگر اس چیز پر جبر کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

حدیث انت ومالک **لا بیک محمول علی الاحتیاج کیف و قد قال النبی صلی الله علیه وسلم لایحل مال امرأ الابطیب نفس منه** اور اگر وہ حاجت ضروریہ سے زائد بغیر اجازت کے لیں گے تو ان کے ذمہ قرض ہوگا جس کا مطالبہ دنیا میں بھی ہوسکتا ہے اگر یہاں نہ دیں گے تو قیامت میں دینا پڑے گا فقہاء کی تصریح اس کے لئے کافی ہے وہ احادیث کے معنی خوب سمجھتے ہیں خصوصاً جبکہ حدیث حاکم میں بھی **اذا احتجتم** کی قید مصرح ہے۔ واللہ اعلم

کتبہٗ اشرف علی ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ مقام تھانہ بھون

الحمدللہ! ''مقالات حکیم الامت'' کی جلد نمبر 98 تکمیل کو پہنچی۔

مجموعہ تالیفات سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ

مقالاتِ حجۃ الاسلام 17 جلدوں پر ایک نظر

جلد 1
حضرت حجۃ الاسلام
رحمہ اللہ کی سوانح پر
مشتمل اہم مضامین و
مقالات

جلد 2
اسرار قرآنی
انتباہ المؤمنین
تحذیر الناس
مناظرۂ عجیبہ
تصفیۃ العقائد
انتصار الاسلام

جلد 3
آب حیات

جلد 4
تحفہ لحمیہ
مصابیح التراویح
الحق الصریح
فی اثبات التراویح
توثیق الکلام
فی الانصات خلف الامام

جلد 5
الدلیل المحکم مع شرح
اسرار الطہارۃ
افادات قاسمیہ
اجوبۃ الکاملۃ
لطائفِ قاسمیہ

جلد 6
اجوبہ اربعین

جلد 7
ہدیۃ الشیعہ

جلد 8
تقریر دلپذیر

جلد 9
قصائد قاسمی
فیوض قاسمیہ
روداد چندہ بلقان
حجۃ الاسلام

جلد 10
گفتگوئے مذہبی
(میلہ خدا شناسی)
مباحثہ شاہ جہاں پور
جواب ترکی بترکی
براہین قاسمیہ

جلد 11
قبلہ نما
تنویر النبراس
الحظ المقسوم
من قاسم العلوم

جلد 12
فرائد قاسمیہ
فتویٰ متعلق
دینی تعلیم پر اُجرت

جلد 13
مکتوب گرامی
مضامین و مکتوب الیہ
''انوار النجوم''
اُردو ترجمہ قاسم العلوم
مکتوب اوّل
تخلیق کائنات سے
پہلے اللہ کہاں تھا؟
یعنی مکتوب دوم

جلد 14
مکتوب سوم
مکتوب چہارم
مکتوب پنجم

جلد 15
مکتوب ششم
مکتوب ہفتم
مکتوب ہشتم

جلد 16
مکتوب نہم
مکتوب دہم
مکتوب یازدہم
مباحثہ سفر رڑکی

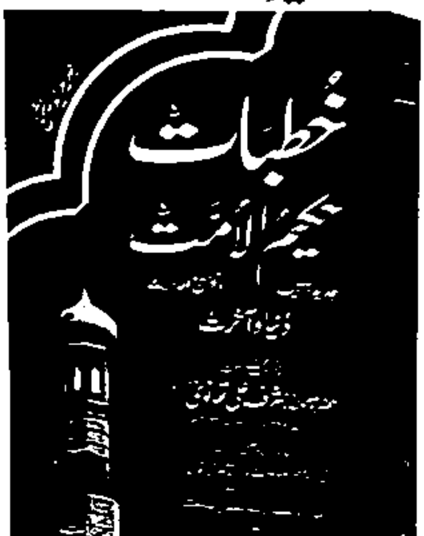
جلد 17
جمال قاسمی
مکتوبات قاسمی
(متعلق اسرار الطہارۃ
حضرت نانوتوی رحمہ اللہ
کے علم و فضل اور
حالات و واقعات پر
متفرق مضامین
حکمت قاسمیہ
سند حدیث (عربی)
علمی خدمات

مقالاتِ حکیمُ الامت... ایک تعارفی نظر

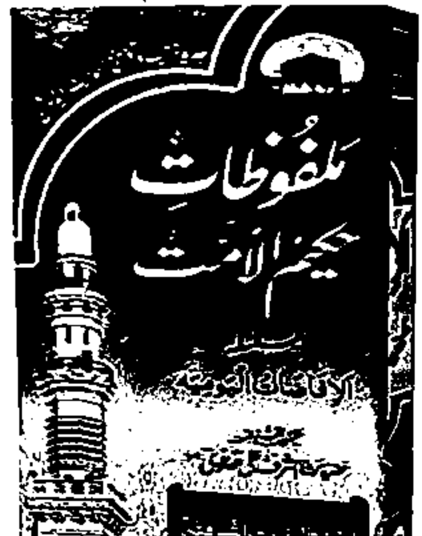
50 ہزار صفحات
106 جلدیں

خطباتِ حکیمُ الامت 32 جلد ... ملفوظاتِ حکیمُ الامت 32 جلد

کلیدِ مثنوی 10 جلد ... مقالاتِ حکیمُ الامت 32 جلد



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے
تقریباً 350 الہامی خطبات 32 جلد
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
کی نگرانی میں جدید تخریج و تعلیق



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے
تقریباً 16 ہزار ملفوظات کا مبارک مجموعہ
احادیث مبارکہ کی تخریج کے ساتھ 32 جلد



حضرت الشیخ جلالُ الدین رُومی رحمہ اللہ
کی معرکۃ الآراء الہامی کتاب مثنوی شریف
کی عظیم اُردو شرح **10 جلد**

مذکورہ تینوں کتب کی جلدوں کی مجموعی تعداد 74 ہے اور یہ تینوں کتب مقالات حکیمُ الامت میں شامل ہیں



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نادر و نایاب قدیم و جدید
تقریباً 350 رسائل و کتب کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

(جلد 75 تا 106 تک) (32 جلد)

یہ جدید مجموعہ اہل علم و فضل، ارباب مشائخ اور سلسلہ اشرفیہ سے
وابستگان حضرات کیلئے ایک بہترین علمی تحفہ ہے۔

نوٹ: مذکورہ مقالات حکیمُ الامت میں یہ کتب شامل نہیں ہیں

تفسیر بیان القرآن (2 جلد)... آسان بیان القرآن (2 جلد) از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ
خلاصہ تفسیر بیان القرآن از مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ... مخطوطہ بیان القرآن... یعنی حکیم الامت
کے دست مبارک سے لکھے ہوئے مسودہ کا عکس... اشرف التفاسیر (3 جلد)... حکیم الامت... نقوش و تاثرات۔